مسلماں کی آبرو ہوں۔ مَیں ایماں کی آبرو
ایماں کی آبرو ہوں۔ مَیں قرآں کی آبرو

قرآں کی آبرو ہوں۔ تو آدم کا فخر ہوں

آدم کا فخر ہوں۔ تو دو عالم کا فخر ہوں

عالم کا فخر ہوں کہ مَیں عالی وقار ہوں
عالی وقار ہوں کہ مَیں حق پر نثار ہوں

حق پر نثار ہوں کہ مَیں طاعت گذار ہوں
طاعت گذار ہوں کہ مَیں اُلفت شعار ہوں

اُلفت شعار ہوں کہ مَیں عاشق خدا کا ہوں

عاشق خدا کا ہوں کہ مَیں دلِ مصطفےٰ کا ہوں[1]

دلِ مصطفےٰ کا ہوں کہ مَیں نورِ الٰہ ہوں
نورِ الٰہ ہوں۔ مَیں ہی زہرا کا ماہ ہوں

زہرا کا ماہ ہوں شہِ انجم سپاہ ہوں
انجم سپاہ ہوں مَیں شاہوں کا شاہ ہوں

شاہوں کا شاہ ہوں مَیں کُل کا امیر ہوں

کُل کا امیر ہوں۔ مَیں علیؑ کا وزیر ہوں[2]

مثال (۳) ردالعجز علے الصدر۔

(۳) ردّ العجز علے الصدر میں ایک مرثیہ حال جناب علی اکبرؑ کا مطلع سُنئے:-

معراجِ سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے
ہے ذہن رسا اوج پہ اکبر کی ثنا سے

اکبر کی ثنا کرتا ہوں افضالِ خدا سے
افضال خدا ہے مددِ خیر ورا سے

جب ہو مددِ خیر ورا ذہن رسا پر

پھر ذہن رسا کا ہو گذر عرش علا پر

لزوم مالا یلزم

لزوم مالا یلزم۔ یہ ایک ایسی صنعت ہے۔ جس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ یعنی جو صنعت چاہے۔ شاعر و ناثر لازم کرے۔ جیسے مقید قافیہ لانا۔ اسکی مثال قرآن شریف

---

[1] اس میں ایک باریک نکتہ ہے جسکی داد صرف اہل دل اہل عشق دے سکتے ہیں۔ کہ حضور صلعم خود محبوب و معشوق خدا ہیں اور اُن کا دل خدا کا عاشق ہے۔ اور امام حسینؑ گویا اُن کے دل ہیں۔ تو یہ بھی عاشق خدا ہوئے ۔۔ ۱۲ مؤلف۔

[2] اللہ اللہ کس قدر زبان پر قدرت حاصل ہے معلوم ہوتا ہے۔ بے تکلف نثر کے فقرے فرما رہے ہیں ۔۔ ۱۲ مؤلف۔

میں یہ آیت ہے۔ فاما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر۔ اس میں لازم کرلیا ہے کہ حرف آخر ر کے ماقبل ہائے ہوز ہو۔ حالانکہ تقہر کا قافیہ تسخر بھی ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب کے کلام میں مقید قافئے ہزاروں ہیں۔ مثلاً ایک بند ذیل کے چاروں مصرع پیش کرتا ہوں:۔

(مقید قافئے)

حضرت عباسؑ کی مدح میں عونؑ محمدؑ شمر سے کہ رہے ہیں

اس بار کے اُٹھانے کو طاقت بھی چاہئے	طاقت فقط بخیر لیاقت بھی چاہئے
صاحب علم کو حسن رفاقت بھی چاہئے	دل کو وفا زباں کو صداقت بھی چاہئے

ایسا ہے منتظم کوئی تیرے قیاس میں

لاکھوں سے جو لڑائے بہتر کو پیاس میں

(غیر منقوط)

صنعت غیر منقوط بھی اسی لزوم مالایلزم میں سے ہے۔ جس کو صنعت مہملہ اور بے نقط بھی کہتے ہیں۔ اس صنعت میں پورا ایک مرثیہ جناب مرزا مرحوم کا ہے۔ جو غیر منقسم ہے۔ جس کا یہ مطلع ہے ع مہر علم سرور اکرم ہوا طالع۔ میں اس موقع پر صرف تین بند دوسرے مرثیوں سے لکھتا ہوں*:۔

(بند غیر منقوط)

(۱) صمصام کو الہام ہوا سر کو علم کر	گہ سورۂ الحمد کو گہ صور کو دم کر
اک وار لگا اور دو اعدا کا علم کر	ہر دم عمر سعد کا دم محو عدم کر

دو حصہ کمر کر کہ الگ کاسۂ سر کر

ہر طرح مہم سہل کر اور معرکہ سر کر

(۲) حر رضی اللہ عنہ کے حال میں۔

(غیر منقوط)

حر حملہ ور ہوا کہ اسد حملہ ور ہوا	وہ حملہ ور اُدھر اِدھر اسلام ور ہوا
سرگرم معرکہ سر اعدا اگر ہوا	وہ گل کھلا کہ لالہ کہسار سر ہوا

* کیونکہ نہ وہ مرثیہ میرے پاس ہے نہ اور کسی کے پاس ہے۔ بجز جانشین جناب مرحوم حضرت اوج مدظلہ کے ۱۲ مولف

اہلِ حسد کو درس اُدھر آہ آہ کا
حور و ملک کو ورد اِدھر واہ واہ کا

(۳) ہمدم دمِ حسام کا اعدا کا دم ہُوا — درد و الم سوا ہُوا آرام کم ہُوا
صمصام سگّ اور دلِ اعدا درم ہُوا — وہ دل اگر درم ہُوا مال عدم ہُوا
مدّاحِ حد کا سرور والا گہر ہُوا
اور رہروِ عدم وہ گروہِ عمر ہُوا

منقوط

منقوط۔ جس کے ہر حرف پر نقطہ ہو۔ یہ صنعت بہ نسبت غیر منقولہ کے اس لئے زیادہ مشکل ہے۔ کہ حروف منقوط کے الفاظ کم ہیں۔ مرزا صاحب کا اس صنعت میں کلام ملاحظہ فرمائیے! اور اوروں کے منقوط کلام سے ملائیے۔ تو معلوم ہو کہ کس قدر بے تکلف ہے۔*

منقوط رباعی

(۱) زہیر بن قین جو میمنہ لشکر امام حسینؑ کے بروز عاشورا ۶۱ھ علمدار تھے۔ اُن کی مدح میں رباعی۔

جب بخت بن قین نے زینت بخشی — زینب نے تشفّی تب بشفقت بخشی
تیغیں جز تن جبیں شق۔ جی بے چین — جنّت بخشی نبی نے جنّت بخشی

صنعت موصل نثاری

اس رباعی کے دو مصرع (ثانی و رابع) میں ایک اور صنعت بھی ہے جس کو موصل کہتے ہیں یعنی تمام حروف ملا کر لکھ سکتے ہیں سوائے حرف اوّل آخر کے (اس طور پر):۔

(۱) زینبنیتشفیتببشفقتبخشی (۲) جنتبخشینبینیجنتبخشی

مقابلہ نظم و نثر مندرجہ تذکرۃ البلاغہ

* مولوی ذوالفقار علی صاحب نے کتاب تذکرۃ البلاغہ اردو میں لکھی ہے۔ (جس کے صلہ میں فیّاض علم دوست گورنمنٹ نے پانچ سو روپیہ بخشے ہیں) اور انہوں نے اس صنعت میں حسب ذیل نظم و نثر اپنی کتاب مذکور میں لکھی ہے۔ (مثال نثر) بی بی زینب نے تین شب چنے پیچے۔ (مثال نظم) جب تر شب غضنب بجیش نبی بخشش فیض حشن تخت نشیں۔ اس لکھنے سے مصنف ممدوح کی مجھے تنقیص منظور نہیں ہے۔ بلکہ مقابلہ کر کے صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی نظم کس قدر۔ با معنی اور بے تکلف ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

ان کے لکھنے میں ارّہ کی شکل پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے اس کو موصل منشاری کہینگے *

صنعت منقوط میں ایک بند

(۲) صنعت منقوط کی دُوسری مثال تلوار کی مدح میں۔

تیزیِ تبِ تیغ نے بخشی نئی خفّت ۔ بے چین شقی۔ بخت بغی جبن بہ نیّت

چینی ختنی۔ چیں بجبیں پُشت بجنّت ۔ نے جی بچے نے تن بچے نے زین نہ زینت

نے چین جبیں نے ذقن زشت نہ بینی

نے نبض نجنبش نتنِ زشت نہ بینی *

اس کے دُوسرے اور تیسرے مصرع میں صنعت موصل منشاری ہے۔

بیچینشقیبختبغیجبنبنیّت ۔ چینیختنیچیںبجبیںپشتبجنت

فصل ۱۔ سجع کی تعریف

سجع۔ ایک لفظ کے مقابل جب دُوسرے ہموزن لفظ لائیں۔ تو اُس کو سجع کہتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ کہ سجع نظم ونثر دونوں کے واسطے آتا ہے۔ یا صرف نثر سے مختص ہے۔ صاحب حدائق البلاغہ اور قریباً تمام متاخّرین کے نزدیک نظم ونثر دونوں میں آتا ہے۔ وزن سے یہاں مراد وزن عروضی ہے۔ جیسے فاعِلُن نُورٌتَنٌ کے وزن پر ہے۔ جس میں حرکات الفاظ کا باہم متفق ہونا ضرور نہیں ہے۔ اور اگر متفق ہوں۔ تو اور خوبی ہے۔ اور جب وہ الفاظ باہم قافیہ بھی ہوسکیں۔ تو اُس کو نثر صبیح کہتے ہیں۔ اس کا مرتبہ سجع سے اعلےٰ ہے۔

مثال سجع (۱)

(۱) حضرت علی اکبرؑ کے رجز میں مرزا صاحب کا ایک بند ہے۔

ہم	قابض	ارواح	ہیں	کفّار	کی	خاطر
ہم	مرہم	آرام	ہیں	دیندار	کی	خاطر

* واضح ہو کہ اظہار حرکت کے واسطے جو ہمزہ یا ہائے ہوّز لکھی جاتی ہے۔ اُس کا شمار حروف میں نہیں ہے پس نجنبش نتن زشت نہ بینی وغیرہ میں نہ کو ملاکر بھی لکھو۔ جب بھی اس کو منقوط ہی مانا جائیگا۔ کہ ہ واسطے اظہار حرکت کے ہے۔ اسی طرح تیزئی اور نئی کے اُوپر کا ہمزہ ہے * ۱۲ مؤلف حقیر۔

ہم	ضربت	صمصام	ہیں	اشرار	کی	خاطر
ہم	قوّت	اسلام	ہیں	ابرار	کی	خاطر
ہم	پردۂ	ستاری	و	غفاری	رب	ہیں
ہم	خنجر	قہاری	و	جبّاری	رب	ہیں

مثال (۲) سجع

(۲)

لے	ہدیۂ	تائید	قدیر ازلی	لے
لے	خلعتِ	تحسین	حسینؑ ابن علیؑ	لے

مثال (۱) ترصیع

(۱) صنعت ترصیع۔ رجز امام حسینؑ کے موقع پر چاروں مصرع کہے ہیں۔

معبود جزو کل	نے	کریمانہ	رضا	دی
اور صاحب دلدل	نے	بزرگانہ	دُعا	دی
فوج اپنی توکل	نے	دلیرانہ	بڑھا	دی
آمد کے تجمل	نے	نقیبانہ	ندا	دی

مثال (۲) ترصیع (باغ)

(۲) ترصیع میں ٹیپ ایک باغ کی تعریف میں ہے۔ دیکھئے اس رنگ میں بھی مرثیت کا پہلو موجود ہے۔

ہر غنچہ	ہے	دفتر	غم	شاہ دوسرا کا
ہر لالہ	ہے	محضر	گل	زخم شہدا کا

مثال (۳) ترصیع تلوار کا کاٹ

(۳)

تھا شور وہ تڑپی	وہ گری	فوج پر آکر
وہ جسم میں ڈوبی	وہ تری	خون میں نہاکر
چمکی وہ زمیں پر وہ	پھری	چرخ پہ جاکر
وہ خون میں ڈوبی وہ	اُٹھی	سر کو گرا کر

وہ پے گیا پیدل کو وہ اسوار کو کاٹا
وہ تنگ میں در آئی وہ رہوار کو کاٹا*

* دیکھئے پہلا اور دوسرا مصرع بے تکلف صنعت ترصیع میں نظم ہو گیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ اس صنعت میں بے تکلف نہ ہو گا۔ یہ صنعت نہیں کہی۔ تیسرا اور چوتھا مصرع ذو القافتین ہے۔ ٹیپ بالکل بے تکلف اور سلیس و بے تصنع و بے صنعت ہے۔ دوسرا شاعر ہوتا۔ تو تمام بند غالباً مرصع کہتا

ذوالقافیتین

ذوالقافیتین۔ ہر ایک مصرع میں دو قافیہ ہوں۔ اور جو ہر مصرع میں تین یا زیادہ قافیہ ہوں۔ تو ذوالقوافی کہتے ہیں۔

ذوقافیتین

سردار لشکر کوفہ و شام اپنی فوج سے کہ رہا ہے

ہاں سرفروشو جان لڑانا لڑائی میں ۔ پیاسوں کے خون کی نہر بہانا ترائی میں

تلمیح

تلمیح۔ جس میں کسی مشہور واقعہ کا اشارہ ہو۔ یہ صنعت مرزا صاحب کے مرثیوں میں بہت ہے۔

مثال (۱)

(۱) زعفر جن کو جب جنوں نے خبر دی ہے۔ کہ امام حسینؑ ایک میدان میں تنہا تین دن کے پیاسے کھڑے ہوئے ہیں۔ زعفر اُن جنوں سے کہتا ہے۔

دم غم سے اُلجھتا ہے یہ کھُلتا نہیں ہم پر ۔ پانی بھی ہوا بند شہنشاہ امم پر

تم لوگوں کا پہرہ تھا اسی بیر علم پر ۔ آئے جو علیؑ گر پڑے سر کٹ کے قدم پر

پتھر تھے کناروں پہ مگر ہو گئے پانی

یوں لے گئے پانی کہ جگر ہو گئے پانی

اس میں مشہور واقعہ جنگ بیر العلم کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنّات اور جناب امیرؑ میں ہوئی تھی +

مثال (۲)

(۲) مناقب جناب امام حسینؑ میں مناقب جناب رسول خداؐ و علیؑ مرتضےٰ سے مشابہت بیان کرتے ہیں۔

روشن ہے مثل مہر یہ اعجاز مرتضےٰ ۔ مغرب سے آفتاب نے رجعت کی بارہا

روزہ مگر حسینؑ نے طفلی میں جو رکھا ۔ پیش از زوال چھُپ گیا مہر جہاں نما

انگشت مصطفےٰ سے دو پارہ قمر ہوا

اور خاطر حسینؑ سے ٹکڑے گہر ہوا

اس ایک بند میں حسب ذیل واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) جناب امیرؑ کے واسطے آفتاب نے (غروب ہوکر) رجعت کی۔ (۲) امام حسینؑ نے بچپن میں روزہ رکھا۔ تو آفتاب پہلے سے غروب ہوگیا۔ (۳) جناب رسول خدا صلعم کے واسطے شق القمر ہوا۔ (۴) امام حسینؑ کی خاطر سے بحکم خدا جبریلؑ نے آکر پر مار کر ایک سوتی کے دو ٹکڑے برابر کر دیئے۔ کہ ایک ٹکڑہ امام حسنؑ نے دوسرا ٹکڑہ امام حسینؑ نے لیا۔

سیاق الاعداد

سیاق الاعداد۔ عددوں کو باترتیب یا بے ترتیب ایک جگہ نظم کر دینے کو صنعت سیاق الاعداد کہتے ہیں۔

مدح پنجتن پاکؑ میں کہتے ہیں

واجب ہے ۶ شش جہت پہ تولّائے پنجتن ۵ — ہیں ۸ ہشت خلد بہر احبّائے پنجتن ۵

۷ ساتوں سقر ہیں مسکن اعدائے پنجتن ۵ — ۹ چرخ نہم ہے کرسئے زیبائے پنجتن ۵

ایماں پناہ ہیں یہ شریعت پناہ ہیں

ان کے شرف پہ ۵ پانچ نمازیں گواہ ہیں*

ہر فرد کو خدا نے دیا ۵ خمسۂ حواس — تا حق ۵ پنجتن کے شناسا ہوں حق شناس

ناموس یہ ان کے ۵ پانچ نمازوں کا ہے اساس — جن کو کہ ان کا پاس ہے، وہ ہیں خدا کے پاس

۵ پانچ انگلیوں سے ہم نے چُنا ایک بات کو

بس پنجتن کے سامنے پھیلاؤ ہات کو

تنسیق الصفات

تنسیق الصفات۔ ممدوح کی چند صفات ایک جگہ جمع کر دینے کو صنعت تنسیق الصفات کہتے ہیں۔

قرآن شریف کی آیت مندرجہ ذیل اس صفت سے متّصف ہے۔

هو الله الّذی لا اله الّا هو۔ الملك القدّوس السّلام المؤمن المهيمن

---

* ۵-۶-۸-۷-۹ یہ سب اعداد جمع کر دیئے ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

العزیز الجبّار المتکبّر۔

اس میں خدا نے اپنی صفات ملک۔ قدوس۔ سلام۔ مومن۔ مہیمن۔ عزیز۔ جبار۔ متکبر بیان فرمائی ہیں

مثال (۱)

(۱) مرزا صاحب مدح امام حسینؑ میں کہتے ہیں۔

سر تاج عرش۔ زیب دہ کرسی بلند ۔ سرکار حق کے کارگذار اور کاربند

عاشق۔ مطیع۔ فدیہ۔ مصاحب۔ نیازمند ۔ راضی رضا پہ۔ محو شہادت۔ بلا پسند*

سب کچھ خدائے عزّوجل کے حسینؑ ہیں

مالک ابد کے اور ازل کے حسینؑ ہیں

مثال (۲)

(۲) ذوالفقار شرربار حیدر کرارؑ کی مدح میں فرماتے ہیں۔

پھل وزن میں تھا پھول۔ تجلی میں نخل طور ۔ گرمی میں محض نار۔ تو نرمی میں صاف نور

آسیب سایہ۔ چال پری۔ قبضہ چشم حور ۔ خود کہر۔ آب زہر۔ تڑپ قہر۔ شور صور

نکلی بس اور زمیں سے گئی آسمان پر

جس طرح غصّہ آئے کسی ناتوان پر

مثال (۳)

(۳) اقربائے امام حسینؑ کی صفات حمیدہ میں مصنّف کہتے ہیں۔

گل پیرہن و گلبدن و گل رخ و گل فام ۔ شمشاد قد و غنچہ دہان و سمن اندام

خوش قامت و خوش شر و خوش آغاز و خوش انجام ۔ حسن چمن شرع۔ بہار گل اسلام

کس عرصہ میں یہ فاطمہؑ کا باغ کھلا تھا

سو ظہر تلک رن میں تہِ خاک ملا تھا

مثال (۴)

(۴) حضرت عباسؑ کی تلوار کی تعریف (صنعت تنسیق الصفات میں)۔

بجلی کا جست۔ شیر کی آمد۔ ہوا کا شور ۔ قدرت کا کھیل۔ قہر کی طاقت۔ بلا کا زور

راہ عدم۔ جنازۂ ہستی۔ دہان گور ۔ جلوہ وہ تھا کہ دیکھنے سے مدعی تھے کور

* بارہ صفات حمیدہ کو چار مصرعوں میں کس خوبی سے جمع فرمایا ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

رن میں جدھر یہ پارۂ الماس مڑ گئی
مانندِ ہوشِ اہلِ جفا۔ دھوپ اُڑ گئی

تضمین

صنعت تضمین۔ بعض الفاظ عربی یا بعض کلام عربی و فارسی کو صفائی و خوبصورتی سے لانے کو صنعت تضمین کہتے ہیں۔

حبیب ابن مظاہر کی مدح میں کہتے ہیں

(۱) بنتے ہی یہ قالب سوئے شبیرؑ پکارا — القلب علےٰ بابک لیلاً و نہارا

لشکر امام حسینؑ کی کیفیت صبح عاشورا محرم ۶۱ھ

(۲) پڑھتا تھا کوئی فاعتبروا یا اولی الابصار — اک سمت توکلت علےٰ اللہ کی تکرار
اک جا فسیکفیکھم اللہ کی گفتار — منہ سے کہیں وجہت الی اللہ کا اظہار

وہ مصحف ناطق کی حفاظت میں سدا تھے
گر حافظ قرآں رفقا تھے تو بجا تھے

فصل ۱ فصیح و سلیس کلام

باب ہشتم۔ فصیح و سلیس کلام دبیرؒ

ناظرین! آپ نے تصویر کا ایک رُخ دیکھا۔ کلام بلیغ و دقیق کے چند نمونے نظر آئے۔ اب کلام دبیرؒ میں سے چند نمونے سلیس و فصیح کلام کے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جن لوگوں کو کلام دبیر دیکھنے کا موقع کم ملا ہے۔ (اکثر) اُن کا یہ خیال ہے۔ کہ مرزا صاحب کلام دقیق ہی اچھا کہتے ہیں۔ مگر اُن کے ہر قسم کے کلام پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب وہ سلیس و فصیح نظم کرنے پر آتے ہیں۔ تو اس میں بھی وہ ویسے ہی کامیاب ہو کر دریا بہاتے ہیں۔ اسی کے ذیل میں چند واقعات کی تصویریں بھی آپ کو نظر آئینگی۔ وہ دیکھ کر انصاف فرمائیے گا کہ وہ واقعات کے مرقع کتنے خوشنما (اور مختصر اور دلکش) کھینچتے ہیں۔ یہاں تھوڑے سے نمونے دکھاتا

ہُوں۔ جلد دویم میں بکثرت یہ مرقّع ہیں۔

(۱) ایک پہلوان حضرت علی اکبرؑ پر اپنا وار کر چکا ہے۔ اب علی اکبرؑ اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں:۔

اکبرؑ نے کہا۔ سیکھ ابھی تیغ لگانا ۔۔۔ لے دیکھ۔ مری ضرب۔ مرا ہات اُٹھانا

ہاں تیغ مری آئی۔ ارے سر کو بچانا ۔۔۔ اس کہنے میں نے سر تھا نہ گردن تھی نہ شانا

دم تن سے نہ نکلا کہ وہ چھُپنے کی گھڑی تھی

ڈر سے نہ اجل آئی کہ تلوار کھڑی تھی

تلوار سے کٹنے کے بعد مضروب میں تھوڑی دیر تک جان باقی رہتی ہے۔ اس کی حسنِ تعلیل یہ فرمائی۔ کہ تلوار کے ڈر سے نہ موت آئی۔ نہ دم بدن سے نکلا۔ کہ تلوار کھڑی ہُوئی تھی جب یہ کاٹ کر ہٹی۔ تو موت بھی آئی۔ اور دم بھی نکلا۔ اُوپر کے چاروں مصرع بھی کس قدر سلیس ہیں۔ اور جیسی اصیل تلوار میں صفائی ہوتی ہے۔ ویسی ہی بندش میں بھی صفائی دکھائی ہے۔ ع

کٹے جاتے ہیں جس کو سُن سُن کے حاسد ٭

(۲) دو پہلوانوں سے ایک ساتھ شاہزادہ علی اکبرؑ کی لڑائی۔

دو دیوؤں سے کی ایک سُلیمانؑ نے لڑائی ۔۔۔ روکی سپر اُس سمت۔ اِدھر تیغ لگائی

تلوار اُدھر کو گئی۔ ڈھال اِس طرف آئی ۔۔۔ کاندھوں پہ فرشتوں کا وظیفہ تھا دُہائی

دونوں طرف اک بار صفائی نظر آئی

نے ہات نہ تیغیں نہ کلائی۔ نظر آئی

گھوڑے کی عناں باندھ لی اکبرؑ نے کمر سے ۔۔۔ زانو کے تلے تیغ و سپر رکھ لی ہنر سے

اور دونوں کی گردن لی۔ اِدھر اور اُدھر سے ۔۔۔ سر ایک کا ٹکرانے لگے۔ ایک کے سر سے

اکبرؑ کے تصرّف میں خدائی نظر آئی

جنگل میں پہاڑوں کی لڑائی نظر آئی

(۳) حرؑ کی میدانِ جنگ میں آمد کے وقت دشمنوں کے اضطرار کی تصویر (نہایت مختصر لفظوں میں)۔

(۳) (اضطرار ہیبت)

میداں سے پاؤں اُٹھ گئے اور خود گر گئے ۔۔۔ مارا طمانچہ خوف نے منہ سب کے پھر گئے

(۴) جناب رسالت مآب صلعم کی وفات کے بعد اُن کی اکلوتی چاہیتی بیٹی (جناب فاطمہؑ) کی کیفیت حسبِ ذیل سیدھے سادے مگر دلکش الفاظ میں مصنف بیان کرتے ہیں:۔

(۴) جناب سیدہ کا جناب رسول خدا کے سوگ میں جو حال تھا اس کا مرقع

کھانے کو۔ کھالیا۔ جو کسی نے کھلا دیا ۔۔۔ لیکن عزا[۱] میں۔ کچھ نہ۔ غذا نے مزا دیا

غش میں کسی نے مُنہ میں جو پانی چوا دیا ۔۔۔ قطرہ پیا اور آنکھوں سے دریا بہا دیا

نسبت ہے کس سے فاطمہؑ کے شور و شین کو

زہراؑ کے بعد۔ روئی ہیں زینبؑ۔ حسینؑ کو[۱]

سِن کم۔ قلق زیادہ۔ قلق سے فغاں سوا ۔۔۔ سینے سے دل۔ تو دل سے جگر ناتواں سوا

اور بین میں نبیؐ کے کرم کا بیاں سوا ۔۔۔ تپ وہ کہ نبضوں سے طپشِ استخواں سوا[۲]

جب فاطمہؑ نے ہائے پدر۔ کہکے آہ کی

واں ہل گئی۔ ضریح رسالتؐ پناہ کی

فِضّہ کنیز فاطمہؑ کرتی ہیں یہ بیاں ۔۔۔ گھر سے ہُوا جنازہ پیمبرؐ کا جب رواں

بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں مخدومۂ جہاں ۔۔۔ اک ہفتہ رات دن اُسی حجرے میں ہم جاں[۳]

دیکھا جو مَیں نے جھانک کے۔ تو۔ آنکھ بند ہے

آواز آہ آہ کی دل سے بلند ہے

کمالِ غم کی تصویر۔

۱؎ یہی بین کے کنایہ اشارے ہیں کہ واقعہ کربلا کو چار لفظوں میں یاد دلا کر سامعین ناظرین کے دلوں کو تڑپا دیا۔ علت غائی مرثیہ کی یہی ہے اور اس کے مرزا صاحب موجد بادشاہ ہیں عزا۔ غذا۔ مزا۔ یہ الفاظ پاس پاس ایک ہی مصرع میں لانے سے جو دلوں پر اثر ہوتا ہے۔ اسکی کیفیت اہل زبان کے دل سے پوچھئے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

۲؎ اس میں ردیف ہے اور مشکل ردیف ہے مگر غور سے دیکھئے قافیہ سے کس قدر چسپاں ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

۳؎ کمالِ غم کی حالت اس سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں بیان کر سکتا۔ کہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

ہمسائیاں یہ کہتی تھیں اے عاشق پدر دیدارِ مصطفےٰ تو ہے موقوف حشر پر

اُن کے عوض تو اپنی زیارت سے شاد کر حجرے میں بیٹھی تھی یہ کہکر وہ نوحہ گر

اب میں ہوں اور ہر ایک حفارت سے صاحبو

باباموئی[۱] کی خاک زیارت ہے صاحبو

القصہ بعد ہفتہ کے دن آٹھواں ہوا اور نیل پوش ظلمتِ شب سے جہاں ہوا

یاں مہرِ برج حجرۂ ماتم عیاں ہوا پر اس طرح کہ مُردے کا سب کو گماں ہوا

یہ شکل ہوگئی تھی عزا میں رسولؐ کی

پہچانی بیٹیوں نے نہ صورت بتولؑ کی

حجرہ سے نکلیں جناب فاطمہؑ اس صورت سے

وہ وقت شام اور وہ اندھیرا اِدھر اُدھر ششدر ہر ایک رہ گیا مُنہ دیکھ دیکھ کر

زینبؑ نے جا کے حجرے میں ڈھونڈا بچشم تر چلائی ہائے لوگو نکل جاؤں میں کدھر

ماں میری کیا ہوئی۔ میں قلق سے ملول ہوں

مُڑ کر پکاریں آپ۔ تمہیں تو بتولؑ ہوں

تصویر جناب فاطمہؑ اور مزار رسول خداؐ صلعم پر جانا

فضہ بیان کرتی ہیں اُس وقت کا یہ حال دُبلاپے سے ہوا تھا بدن صورت ہلال

ماتم کے نیل سینے پہ رونے سے آنکھیں لال مُنہ زرد ہونٹ خشک۔ پریشان سر کے بال

روتی چلیں مزار رسولؐ انام کو

جس طرح شمع گور غریباں پہ شام کو[۲]

---

[۱] باباموئی خاص عورتوں کی زبان کی لفظ ہے یعنی وہ عورت جس کا باپ مر گیا ہو ۱۲ مؤلف حقیر۔

[۲] ناظرین! دیکھئے کس قدر مختصر لفظوں میں جناب فاطمہ زہراؑ کی شکل پریشان و غمگین دکھائی ہے اور تشبیہ کس قدر معقول ہے شام کا وقت بھی ہے اور قبر پر جاتی بھی ہیں اور روتی ہوئی جا رہی ہیں شمع بھی گور غریباں پہ شام کو روتی ہوئی جاتی ہے۔ ایسی تشبیہ کو تشبیہ تام کہتے ہیں بعض ناواقف ایسی باتوں کو مبالغہ مذموم سمجھتے ہیں مگر مصیبت زدہ انسان جانتے ہیں کہ انتہا مصیبت میں زمین کانپتی ہوئی معلوم ہوتی ہے چنانچہ مخدومی مسٹر نواب حامد علیخان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ ایک شعر میں کیا خوب کہتے ہیں جس شے پہ بھی نگاہ نظر آئی بیقرار ہر چند دل ہی آپ کی فرقت سے درد تھا یہ واقعی بات ہے جسکو مؤثر الفاظ میں ادا کیا ہے یہ بھی ایک نکتہ بلاغت ہے ۱۲ مؤلف

گھر سے نکلنے کا حال

اندھیر۔ فاطمہؑ کے نکلنے سے ہو گیا　　طوفانِ نوحؑ۔ اشکوں کے ڈھلنے سے ہو گیا
برہم زمانا ہاتھوں کے ملنے سے ہو گیا　　عاجز فلک بھی راہ کے چلنے سے ہو گیا

حواؑ کفن سے قبر میں مُنہ ڈھانپنے لگی
آدمؑ۔ لحد میں تڑپے۔ زمیں کانپنے لگی

راہ چلنے کی حالت اور اضطراب کی تصویر

جز اشک دونوں آنکھوں میں ہر شے تھی خار خار　　رگرگر دا اُلجھتی تھی پاؤں سے بار بار
اور ماتمی قبا کا گریبان تار تار　　دل تھا ضعیف و زار پہ روتی تھیں زار زار[1]

جب آہ کی۔ تو چاروں طرف بجلیاں گریں
ٹھہر[2] کے یاں گریں کبھی غش کھا کے واں گریں

رستے کے لوگ فضّہ نے بڑھ کر ہٹا دئیے　　ہمسائیوں نے غرفوں کے پردے گرا دئیے
مردوں کے مُنہ پہ دَوڑ کے دامن اُڑھا دئیے　　سب نے چراغ اپنے گھروں کے بجھا دئیے[2]

کہتی تھیں فاطمہؑ کے پدر کا یہ شہر ہے
نامحرموں نے بی بی کو دیکھا تو قہر ہے

یثرب میں وقت شام یہ زہراؑ کا تھا ادب　　دن کو پھرایا بلوے میں زینبؑ کو ہے غضب[3]

---

[1] باوصفیکہ ہر مصرع میں دُہرے دُہرے قافیہ ہیں مگر کتنے بے ساختہ نظم کئے ہیں یہ سب زبان پر قدرت ہونے کی وجہ ہے صنائع وہی شاعر خوب کرسکتا ہے جو زبان پر پورا قادر ہو کہ تکلف اور بناوٹ نہ آنے دے۔ یہ واقعہ تاریخی ہے جب آج تیرہ سو برس بعد سنکر دل تڑپ جاتا ہے تو اُس وقت معلوم کیا کیفیت ہوگی + ۱۲ مولف

[2] اُس زمانے کے بعض خوش اعتقاد مدینے کے مسلمانوں کی حسن عقیدت کی تصویر کھینچی ہے ۔ اور ظاہر کیا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے گھر سے نکلنے پر اہل مدینہ میں کیسا تھلکہ پڑ گیا تھا + ۱۲ مولف حقیر

[3] ایک ادعا رغم کا پہلو اپنی قوت تخئیل سے نکال لیا کہ مدینہ منورہ میں تو شام کے وقت مسلمانوں نے رسولؐ اللہ کی بیٹی کا یہ ادب کیا کہ چراغ تک گھروں کے بڑھا دئے اور ایک وہ دن تھا کہ دن دہاڑے انہیں کی بیٹی جناب زینبؑ بعد شہادت امام حسینؑ اونٹوں پر پھرائی گئیں + ۱۲ مولف حقیر

راہ چلنے کی حالت زار

ادب جناب فاطمہؑ

القصہ آئی قبر پہ وہ کشتۂ تعب — پر کس گھڑی کہ ملی تھی قبر رسولؐ رب

تربت کے گرد پھرنے سے طاقت جو گھٹ گئی

لیکر بلائیں قبر کی - زہراؑ لپٹ گئی

چلائی آہ وا ابتا وا محمداہؐ[1] — نور الٰہ - وا ابتا وا محمداہؐ

شاہوں کے شاہ - وا ابتا وا محمداہؐ — وا سیداہ - وا ابتا وا محمداہؐ

بابا - بتولؑ آئی ہے - تسلیم کے لئے

اُٹھئے - یتیم بیٹی کی تعظیم[2] کے لئے

اور بین اور محبت کی باتیں سُنئے

بین

گذرے ہیں آٹھ دن کہ زیارت نہیں ہوئی — اس بے نصیب سے کوئی خدمت نہیں ہوئی

منبر ہے سونا وعظ و نصیحت نہیں ہوئی — مسجد میں بھی نماز جماعت نہیں ہوئی

حضرتؐ کے مُنہ سے وحی خدا بھی نہیں سُنی

جبریلؑ کے پروں کی صدا بھی نہیں سُنی

حجرہ وہی ہے گھر ہے وہی - ایک تم نہیں — تارے وہی قمر ہے وہی - ایک تم نہیں

شب ہے وہی سحر ہے وہی - ایک تم نہیں — ہے ہے یہ بے پدر ہے وہی - ایک تم نہیں

دیتے ہیں سب دعا کہ ٹھہر جائے فاطمہؑ

اور فاطمہؑ یہ کہتی ہے مر جائے فاطمہؑ

---

[1] الفاظ عربیہ وا ابتا وا محمداہؐ کی تضمین کو دیکھئے - اگر بجائے اس کے اُردو کے الفاظ لاتے - ہرگز یہ اثر نہ ہوتا ۱۲ مؤلف -

[2] ٹیپ میں اس مشہور فضیلت جناب فاطمہؑ کی طرف اشارہ ہے جسکو تمام مؤرخ بالاتفاق لکھتے ہیں - کہ جب جناب سیّدہؑ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں جاتی تھیں وہ جناب صلعم تعظیم کو سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے - اس پیار کی عادت کو یاد دلاتی ہیں - اب دیکھئے - کہ بیٹی اپنے باپ سے تعظیم دینے کو صرف بین میں کہہ سکتی ہے - دوسرے مقام پر نہیں کہہ سکتی - یہ بلاغت کے نکتے ہیں جنکو دیکھ کر بالغ نظر کلام دبیر پر جان دیتے ہیں - ممکن ہے کہ کوئی ناواقف کہدے - کہ بیٹی کی باپ عام طور پر کب تعظیم کرتا ہے - مگر یہ عوام سے کیا کام ہے - ۱۲ مؤلف حقیر -

(محبت کی باتیں)

محبت کی باتیں

تسلیم میری اے پدر نامدار لو — یہ بال بکھرے۔ ہاتوں سے اپنے سنوار لو

راضی ہوں میں نہ گود میں بھی زینہار لو — قربان جاؤں فاطمہؑ کہکر پکار لو

پوچھو یہ تم۔ مزاج تو تیرا۔ بخیر ہے

لونڈی کہے کہ حال جُدائی سے غیر[1] ہے

مشہور ہے۔ کہ بیٹے کا داغ سب صدموں سے بڑھ کر ہے۔ مگر مصنف ایک عجیب دعوے جناب فاطمہؑ کی زبانی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ باپ کا داغ اُس سے بھی بڑھ کر ہے۔ شاعری میں جائز ہے کہ ایک شخص تمام دُنیا کے خیال و مقولہ کے خلاف دعوے کرے۔ مگر یہ شرط ہے۔ کہ ثابت کردے۔ یہی تمثیل کی خوبی و کمال ہے۔ جیسے تمام شعرا کہتے ہیں۔ کہ شمع معشوق اور پروانہ عاشق ہے۔ برخلاف اس کے ایک ایرانی شاعر نے دونوں میں دشمنی ہونیکا دعوے کیا ہے۔ مگر کمال یہ کیا۔ کہ ثابت کر دیا۔ وہ شعر یہ ہے۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند[2]

اب ناظرین دیکھیں۔ کہ تمام شاعروں بلکہ تمام دُنیا کے خلاف مرزا صاحب مرحوم جناب سیدہؑ کے واسطے باپ کا داغ بیٹے کے داغ سے بڑھ کر مشکل ثابت کرتے ہیں یا نہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

باپ کا داغ بیٹے کے داغ سے بڑھکر ہے

آساں پسر کا داغ ہے مشکل پدر کا داغ — وہ کچھ دنوں کا داغ ہے یہ عمر بھر کا داغ

یہ تن بدن کا داغ ہے وہ اک جگر کا داغ — پیدا ہوا پسر تو مٹا اُس پسر کا داغ

[1] مرثیہ گو شاعر کی قلعی یہیں بین میں کھلتی ہے۔ دیکھئے جیسی محبت سیدالانبیا صلعم باپ اور سیدۃ النسا بیٹی میں تھی۔ ویسی ہی محبت ان بندوں میں بین لکھکر دکھائی ہے۔ دل کی تڑپ کا نقشہ کھینچ دیا ہے بس یہی مشکل ہے۔ سراپا یا لڑائی وغیرہ کے ہزار بند کہنے آسان ہیں۔ اور ایسے بین کا ایک بند مشکل ہے ۔۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] یہ شعر حافظ شیرازؒ کا مشہور ہے۔ مگر مجھے اُن کے دیوان میں اب تک نہیں ملا ہے ۔۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

اولاد کا بدل ہے - پدر کا بدل نہیں

یہ وہ درد ہے - جس کی دوا - جُز اجل نہیں[1]

اور باپ بھی وہ باپ کہ سرتاج انبیا　　نورِ خدا - جلالِ خدا - رحمتِ خدا

روزِ ازل سے تا با بد کُل کا پیشوا　　بیٹی پہ صدقے - بیٹی کے بچّوں پہ بھی فدا

کیونکر نہ اپنی موت مجھے اب قبول ہو

دُنیا میں ایسا باپ نہ ہو - اور بتولؑ ہو

(خیر اب ذرا یہ جگر خراش بین بھی سُنئے - یہ باتیں مرثیہ کی جان ہیں)

کیا سو رہے ہو قبر میں بابا جواب دو　　چلّا رہی ہے آپ کی زہراؑ جواب دو

مولا جواب دو - مرے آقا جواب دو　　دل مانتا نہیں مَیں کروں کیا؟ جواب دو

بولو میں صدقے جاؤں بہت دل ملول ہُوں

بابا بتولؑ ہُوں میں - تمہاری بتولؑ ہُوں

پھرتے تھے جب سفر سے مرے پاس آتے تھے　　لونڈی کے بے ملے نہ کبھی حج کو جاتے تھے

فاقہ جو میرا سُنتے تھے کھانا نہ کھاتے تھے　　جو جو مَیں ناز کرتی تھی حضرت اُٹھاتے تھے

کیسی حقیر بعد رسولؐ کریم ہُوں[2]

دُرِّ یتیم آگے تھی - اب تو یتیم ہُوں

---

[1] دیکھئے کیسی عمدہ دلیل سے ثابت کر دیا - کہ باپ کا داغ بیٹے کے داغ سے مشکل تر ہے - کہ دُوسرے بیٹے کے پیدا ہونے پر وہ وہ داغ مٹ سکتا ہے مگر باپ کا داغ نہیں مٹ سکتا بس اسکی وجہ یہی ہے کہ عاشق بیٹی بھی مر کر باپ سے جا ملے - اپنی دلیل دعوے کو اور ترقی دیتے ہیں اور کہتے ہیں - باپ بھی وہ باپ جو تمام خدا کی خدائی سے بہتر ہو - یہ حفظ خاندان سالت کے آداب ہیں جنکا اکثر موقعوں پر مرزا صاحب خیال رکھتے ہیں اور یہ بھی اسباب بلاغت میں سے ایک سبب ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین سے بہتر سمجھے جاتے ہیں - لوگ نیچرل نیچرل پکارتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ خاصان خدا کی شان عوام کالانعام سے الگ کر کے دکھانا یہی تو (نیچر) قدرت کا نظارہ ہے ۱۲ مؤلف حقیر -

[2] مرثیہ کے اصلی معنی یہی ہیں کہ کسی (بزرگ) مرحوم کے اخلاق و عادات حسنہ یاد کر کے رونا - یہ اچھی عادات حضور صلعم کی نظم کئے ہیں

(۵) صبح عاشورا جناب امام حسینؑ اپنے بعض عزیزوں کو بعض تبرکات سلاح وغیرہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ کہ اب لڑائی ٹھیر گئی ہے۔

پردہ اُٹھا کے ڈیوڑھی سے زینبؑ کی نظر
دیکھا سلاح بانٹتے ہیں شاہ بحر و بر

بے ساختہ پکاریں۔ بہن صدقے آپ پر
حقدار۔ امیدوار کھڑے ہیں اِدھر اُدھر[۱]

آقا ہر اک غلام کے جوہر شناس ہیں
دو نیمچے بھی تو مع حسینیؑ کے پاس ہیں

تصویرِ واقعہ

تصویر

گردن ہلا کے شاہ نے وہ نیمچے اُٹھائے
اور پہلوؤں سے سامنے ہمشیر زادے آئے

ننّھے سے ہات قبلۂ دیں کی طرف بڑھائے
ماں اُس طرف۔ اِدھر شہِ ابرار مُسکرائے

فرمایا اپنی ماں کے اشارے سمجھ گئے
کی عرض۔ ہاں۔ غلام تمہارے سمجھ گئے[۲]

(بقیہ نوٹ نمبر ۲) جیسا کہ مؤرخین و محدثین نے لکھا ہے کہ وہ جناب جب سفر سے پھرتے تھے جناب فاطمہؑ کے گھر میں اوّل آتے تھے۔ اور جاتے تھے تو ضرور اور سب کے بعد جناب سیّدہؑ سے ملتے تھے۔ جناب سیّدہؑ فاقہ سے ہوتی تھیں تو خود بھی بھوکے رہتے تھے۔ اس مرثیہ کی بندش اور مضامین عالیہ و زبان کی خوبیاں تو گنتے ہیں کہ اور کچھ بند لکھے۔ مگر خیال طول کتاب مانع ہے۔ تیسری جلد دفتر ماتم میں یہ مرثیہ چھپ چکا ہے۔ مقطع میں اپنی والدہ کی مغفرت کے واسطے مرزا صاحب نے دعا کی ہے۔ سُنا ہے کہ اُن کی چہلم کی مجلس میں پڑھا تھا۔ جو شاید ۱۲۵۰ھ کے قریب قریب انتقال فرما گئی ہیں۔ عجیب غریب بات ہے کہ ایسے فصیح و سلیس مرثیے مرزا صاحب نے اس زمانہ میں اکثر کہے ہیں۔ کہ جب تک میر انیس مرحوم لکھنؤ میں نہ تشریف لائے تھے نہ مشہور ہوئے تھے۔ پھر وہ مضمون آفرینی و مشکل و دقیق نظم پر متوجہ ہو گئے +۱۲ مؤلف حقیر۔

[۱] اس مصرع میں حقدار۔ امیدوار دو لفظ مصنف علّام لائے ہیں۔ بلاغت کا نکتہ یہ ہے کہ لکھنؤ کی شریف زادیاں یوہیں بولتی ہیں۔ اس کے بدلے اگر مستحق سزاوار۔ لائق یا اور کوئی لفظ لاتے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ اور کمال بلاغت یہ ہے۔ کہ یہ بچے بھی دو ہی ہیں +۱۲ مؤلف حقیر

[۲] اس بند میں امام حسینؑ کے نیمچے اُٹھانے۔ بھانجوں کے سامنے آنے اور ہاتھ بڑھانے کی تصویر مختصر لفظوں میں کھینچدی ہیں۔ اور پھر ننّھے سے ہاتھ کہکر گریہ خیز کنایہ نظم فرمایا ہے کہ مجلس عزا میں سامعین کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ افسوس کیسے بھلے چھوٹے یہ نونہال بھی کٹ گئے +۱۲ مؤلف

اب جواب سُنئے۔ کہ پیارے بھانجے اپنے ناز بردار ماموں سے کیا کہتے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے محبت ٹپکتی ہے۔

شفقت سے والدہ نے کہی اس گھڑی یہ بات
خود ہم پہ آپ کو ہے نگاہِ تفضّلات

دُنیا میں آنکھ کھول کے دیکھا تمہارا ہات
دعوے یہ ماں کے ساتھ نہ ہم کو پدر کے سات

اماں اگر نہ کہتیں تو حضرت نہ دیتے کیا؟
نہ بھیجے حضور سے خادم نہ لیتے کیا؟

زینبؑ پکاریں بس بہت اخلاص میں نہ آؤ[1]
عاشق سہی مگر نہ ادب قاعدہ بھلاؤ

باور مجھے تو جب ہو کہ قدموں پہ سر کٹاؤ
آئی ہو جو حسینؑ پہ ساتھ اپنے لیتے جاؤ[1]

کچھ آج تو نئے نئے انداز کرتے ہو
کیا سر فدا کئے ہیں جو یہ ناز کرتے ہو

اب ان شیروں کا بانکپن پہلو لئے ہوئے جواب بھی سُن لیجئے:۔

بیٹوں نے دی ندا کہ ہے مرنا محال کیا
ہم سرفروش ہیں سر و تن کا خیال کیا

ماموں سے بڑھ کے عرض کریں یہ مجال کیا
دُنیا ہے چند روز پھر اس کا ملال کیا

اب یا کہ وقت عصر یہ سامان کیجئے
جب چاہئے۔ غلاموں کو قربان کیجئے

حضرتؑ نے بھانجوں کو گلے سے لگا لیا
خود نیمچوں کو پیار سے زیب کمر کیا

زینبؑ نے واں زمیں پہ سر اپنا جھکا دیا[2]
ناگہ ہوُا وفور تجلّی کبریا

---

[1] بس بہت اخلاص میں نہ آؤ۔ یہ پورا شریف زادیوں کا روزمرّہ ہے۔ جو ایسے ہی موقع پر بولتی ہیں اسی طرح چوتھے مصرع میں فرمایا کہ ع آئی ہو جو حسینؑ پہ ساتھ اپنے لیتے جاؤ۔ یہاں یہ نہیں کہا کہ بلا جاتی ہو۔ اس لئے کہ یہ روزمرّہ بھی لکھنؤ کی شریف زادیاں یُوں ہیں بولتی ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] زمین پر سر جُھکانے سے مراد سجدۂ شکر کرنے سے ہے۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح کے یہی معنی ہیں۔ ایسا ہی کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ چوتھے پانچویں چھٹے مصرع میں ایک حیرت فزا بات کہہ گئے کہ ناظرین یا حاضرین مجلس متوجہ ہو جائیں کہ اب کیا بیان کرینگے۔ اب کسی ایسی چیز کا (تبرکات میں سے) ذکر کریں گے۔ جو جسم جناب رسول خدا صلعم سے زیادہ ملحق رہتی تھی۔ اور جس میں خوشبوئے جسم حضور صلعم سرایت کر گئی ہے۔ اُس کا بیان حقیر ص۲۶ میں کریگا + ۱۲ مؤلف حقیر

عرش علا پہ صلِّ علےٰ کی صدا گئی
خوشبو نبیؐ کی سب کے دماغوں میں آگئی

(٦) تصویر واقعہ تاج

(٦) زینبؑ نے پھر نظارہ کیا روئے شاہ کا — دیکھا کہ سر جھکا ہے شہِ کم سپاہ کا
اک ہات میں ہے تاج رسالتؐ پناہ کا — اک ہات میں نشان ہے شیرِ اِلٰہ کا
تجویز کر رہے ہیں۔ کسے یہ عطا کروں
منصب ہیں دو۔ عزیز بہت۔ عذر کیا کروں

ازبسکہ حضور صلعم بادشاہ دین و دنیا تھے۔ حضورؐ کی کلاہ کو مصنف نے تاج سے تعبیر کیا۔ اسی کی خوشبو آئی تھی۔ اس موقع پر میں کئی بند چھوڑ کر وہ رائے بیان کروں۔ جو جناب زینبؑ نے دی۔

لشکری کی افسری انہیں دونوں کو آج دو — عباسؑ کو علم۔ مرے اکبرؑ کو تاج دو
مشتاق اس کلام کے تھے شاہ اتقیا — بوسہ جبین اکبر گلفام کا لیا
اور مسکرا کے تاج نبیؐ سر پہ رکھ دیا — آنکھوں کے آگے پھر گئے محبوبؐ کبریا
سرتاج عرش روشنئ تاج ہوگئی
اکبرؑ کے سر سے تاج کو معراج ہوگئی

(٧) علم بخشنے کی تصویر

(٧) علم جناب رسول خدا صلعم کس کو ملتا ہے مختصر لفظوں میں اب یہ بھی سنئے:-

یہ تہنیت سنی جو سکینہؑ نے بار بار — عباسؑ کی ولا نے کیا اُس کو بے قرار
پردے سے منہ نکال کے بولی وہ گلعذار — بھیا ہوئے پھوپھی کی سفارش سے تاجدار
خاطر مری بھی۔ قبلۂ ابرار۔ کیجئے
بابا۔ مرے چچا کو۔ علمدار۔ کیجئے

تصویر واقعہ

ہنس کر پکارا شاہ نے اپنے فدائی کو — لبیک کی ندا دی۔ بہادر نے بھائی کو

دامن علم کا اُڑ کے چلا پیشوائی کو ٹھنڈی ہوا نے یاد دلایا ترائی کو[1]

رایت تھا یا کہ قاصد ربِّ انام تھا

گویا علم کے شقے میں غازی کا نام تھا

اب ذرا ان برمحل تشبیہات و تمثیلات کو بھی ملاحظہ فرمائیے :-

تمثیلات

دل جس طرح سے شیعوں کا سوئے علیؑ مدام کھنچتا تھا یوں علم طرف بازوئے امام

گویا پکارا چاہتا تھا لے کے اُن کا نام شکل زباں بنا تھا نشانِ شہِ انام

عالم جو دیکھا دوشِ مبارک کی شان کا

بے ساختہ پھڑک گیا شانہ نشان کا

پائی علم کے پردے میں دولت خدائی کی ابنِ علیؑ کے بختِ رسا نے رسائی کی

دیکھی نشان دے کے جو شان اُس فدائی کی عزت بڑھائی بھائی نے جانباز بھائی کی

نظروں سے دُور۔ اَوجِ شرف کے قریب تھا

پنجہ سپاہ پنجتنی کا۔ نصیب تھا[2]

حضرت عباسؑ علم لیکر خیمہ سے باہر نکلے ہیں

(۸) جب صبح عاشور حسب الحکم امام حسینؑ جناب عباسؑ خیمہ سے علم لیکر نکلے ہیں اُس موقع پر مصنف کہتے ہیں

جنت کو سیدھی چوبِ علم۔ کر کے خم چلے القصہ لے کے رایت شاہِ امم چلے

گودی میں بچے لے کے بزیر علم چلے اور ہات میں پھریرہ اُٹھائے حرم چلے

---

[1] امام حسینؑ کا ہنس کر پکارنا اور پیارے بہادر بھائی کا لبیک (حاضر) کہنا کیسی محبت و افعات کی لطیف و حسین تصویریں ہیں۔ اب مضمون آفرینی کو دیکھئے۔ کہ ہوا کے سبب سے دامن جو علم کا اُڑ کے آگے کو چلا۔ تو مصنف اس کو پیشوائے علمدار قرار دیتے ہیں یہ لطف تخئیل و حسن تعلیل ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اُس ہوا سرد نے ترائی کو یاد دلا دیا۔ ترائی مقتل حضرت عباسؑ ہے یہ گریہ خیز کنایہ ہے۔ شقہ فرمان شاہی کے معنی پر بھی بولا جاتا ہے۔ شقہ علم بھی کہلاتا ہے۔ اس لئے یہ کیسا دلچسپ استعارہ ہے کہ گویا شقہ علم میں نام حضرت عباسؑ علمدار کا مرقوم تھا! اور وہ رایت قاصد خدا تھا کہ علمدار کو بلانے آیا تھا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] پنجہ نشان کا کیا چمک رہا تھا۔ گویا فوج پنجتنِ پاکؑ کا نصیبہ چمک رہا تھا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

زینب پکاریں شاہِ نجف یاد آتے ہیں

کس شان سے علم لئے عباسؑ جاتے ہیں

(بڑی بہن دعا دیتی ہیں)

(بڑی بہن دعا دیتی ہیں)

یارب نشان والے کا نام و نشاں رہے — یہ شمس بے زوال یہ گل بے خزاں رہے

لشکر رہے حسینؑ رہیں۔ یہ نشاں رہے — اس حامل علم پہ علیؑ کی اماں رہے

روشن رہے قمر شہِ بدر و حنین کا*

وہ خاک میں ملے جو ہو دشمن حسینؑ کا

شاہزادی سکینہ کی باتیں

سکینہ دختر امام حسینؑ کو حضرت عباسؑ سے انس و محبت ہے۔ کہ گود میں پلی ہیں۔ وہ اس موقع پر کیا کہتی ہیں:

بڑھ کر سکینہ بولی ذرا منہ ادھر پھراؤ — پیاسوں کو اس علم کی خوشی میں نہ بھول جاؤ

بابا تو کچھ خفا ہیں۔ تمہیں مجھ پہ رحم کھاؤ — اچھے مرے چچا ابھی دریا سے پانی لاؤ

ایسا نہ ہو کہ جا کے فراموش کیجیے

اپنے علم میں مشک مری باندھ لیجیے

(نکات بلاغت)

اس بلاغت بیان کو دیکھئے۔ بچے جس طرح اپنے چاہنے والوں سے ناز کرتے ہیں۔ اسکی تصویر کھینچ دی ہے۔ اللہ اللہ کیا شان دکھائی ہے۔ ذرا منہ ادھر پھراؤ۔ اس اقتضائے مقام کی بلاغت پر نظر کیجئے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ کہنا کہ علم ملنے کی خوشی میں کہیں ہم پیاسے بچوں کو نہ بھول جانا۔ کیسی ناز و محبت کی باتیں ہیں۔ تین روز سے پیاسی ہیں۔ اس کا گلہ بھی کرتی ہیں تو کس طرح۔ کہ "بابا تو کچھ خفا ہیں تمہیں مجھ پہ رحم کھاؤ" اچھے مرے چچا کتنا پیارا روزمرہ ہے۔ کہ بچے اپنے ناز بردار بزرگوں سے یوہیں کہتے ہیں۔ اس سب پر طرہ یہ کہ "کہیں بھول نہ جانا" یاد رکھنے کے واسطے معمول ہے۔ کہ کوئی بند میں گرہ دے لیتا ہے۔ کوئی نشان کے طور پر کچھ چیز لے لیتا ہے۔ یہ کہتی ہیں کہ ع اپنے علم میں مشک مری

* ناظرین غور و انصاف سے دیکھئے۔ کیا اس سے بہتر سلیس و فصیح نظم اور پھر مختصر کبھی کوئی دوسرا انشا گو کہہ سکتا ہے جب تو دبیرؒ کا جھنڈا ملک سخن میں گڑا ہوا ہے۔ (بقول حقیر) باتوں پہ لفظ اور دلوں پہ ہوگا۔ یہ لطف زباں ہے یہ حسن بیاں ہے ۱۲ مؤلف حقیر

ھ لیجئے۔ فرمائیے اگر کوئی شخص اس نظم کو نثر میں بیان کرنا چاہے۔ تو کیا اس سے مختصر لفظ جامع وبلاغ
اسکتا ہے۔ یہ زبان پر قدرت ہے۔ اس کا نام بلاغت ہے۔ اس کو مقتضائے حال کے موافق کلام
کہتے ہیں ع ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء +

(۹) دو یتیم کم سن بچوں (پسران مسلم بن عقیل) کو حارث نامی قاتل قتل کرنے کو دریائے فرات پر
آبادی سے دور لاتا ہے۔ اُس موقع کا مرقع دیکھئے:۔

صبح کا وقت ہے دریا سے دھُواں اُٹھتا ہے ۔۔۔ دل سے بچوں کے اودھر شور فغاں اُٹھتا ہے
قبر سے شیر خدا۔ نعرہ زناں اُٹھتا ہے ۔۔۔ آسماں گرتا ہے مسلم کا نشاں اُٹھتا ہے
طوق کا نیل ابھی گردن پہ ابھی باقی ہے٭
اور گلے ملنے کی تلوار کو مشتاقی ہے

یاس سے بھائی کا منہ دیکھ رہا ہے بھائی ۔۔۔ کوئی کوسوں نظر آتا نہیں۔ جز تنہائی
دلِ آگاہ یہ کہتا ہے کہ اب موت آئی ۔۔۔ خوف سے بند ہے آواز۔ دم گویائی
عذر سنتا ہے۔ نہ منت نہ قسم مانتا ہے
قتل بچوں کا ثواب اہل ستم جانتا ہے

(۱۰) لشکر ابن زیاد کی بدحواسی کی تصویر۔

(۱) ترکش میں عدو ڈھونڈتے تھے نیزے کو ہر بار ۔۔۔ زہ کرتے تھے نیزوں کو کمانوں میں کماندار
مانند سپر روکتے تھے چہرے پہ تلوار ۔۔۔ تیغوں کی جگہ ڈھالوں کا کرتے تھے کبھی وار
اک نہر زرہ پوشوں کے خون کی جو بھی تھی

بدحواسی لشکر کی حالت و تصویر

٭ کوفہ میں عبیداللہ ابن زیاد نے ان بچوں کو قید کر دیا تھا۔ مگر مشکور نامی داروغہ محبس (جیل) نے رحم کھا کر رات میں رہا کر دیا تھا۔ ابن زیاد نے اشتہار دیدیا تھا۔ کہ جو کوئی ان بچوں کو گرفتار کر کے لائیگا۔ اسکو دو ہزار درہم دونگا۔ حارث جو ایک دشمن آل محمد صلعم تھا۔ اس کو یہ بچے مل گئے۔ وہ قتل کرنے کو دریائے فرات پر شہر کوفہ سے دور لایا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ ان کے سروں کو جدا کر کے لیجاؤنگا۔ تو ابن زیاد زیادہ خوش ہو کر خوب انعام دیگا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

موجوں کی طرح آپ زرہ کانپ رہی تھی

(۲) ایک دوسرے مرثیہ میں فرماتے ہیں:-

گھبرا کے تاسف جو عدو کرتے تھے ان میں انگشت کی جا تیروں کو رکھتے تھے دہن میں

(۳) تیسرے مرثیہ میں آمد حضرت عباسؑ کے وقت جو بدحواسی لشکر یزید پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کو بیان کرتے ہیں:-

خود رفتہ ہوئے بھاگنے کی فکر میں بے پیر ترکش میں رکھیں تیغیں۔ نیاموں میں رکھے تیر

جی کر کے جو ٹھہرے بھی دم دار و دم گیر قبضہ کے عوض ہات میں پکڑا سر شمشیر

تیروں کے بدل ہات فقط جوڑ رہے تھے

ہاتوں سے کماندار کماں چھوڑ رہے تھے

(۴) چوتھے مرثیہ میں کہتے ہیں:-

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی انگڑائی کا لینا بھی کماں بھول گئی تھی

(۱۱) دریائے فرات کو فوج یزید گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی نسبت کہتے ہیں:-

چاروں طرف تھا بسکہ ہجوم سپاہ شام گویا سیاہ پوش تھا آب رواں تمام

ماتم یہ تھا کہ مالک کوثر ہے تشنہ کام بالکل الٹ دئے تھے حبابوں نے اپنے جام

دریا جو دور۔ پیاس میں تھا شہ کی فوج سے

منہ پر طمانچے مارتا تھا دست موج سے

(۱۲) صبح عاشور عمر بن سعد سردار لشکر یزید جاسوسوں سے امام حسینؑ کے خیموں کا حال پوچھ رہا ہے۔ جو حالات وہ پوچھتا ہے۔ وہ سب ضروری ہیں۔ میں نے ان پر نمبر ڈال دئے ہیں:-

جاسوسوں کو قریب بلا کر کہی یہ بات لو تم بھی اب کہو خبر شاہ نیک ذات

بن پائی۔[1] کس طرح سے کٹی یہ تمام رات شب کیا تھی[2] واردات اور اب کیا ہے واردات

نامہ[3] تو کوئی۔ اہل وطن کو لکھا نہیں

بہرِ کمک۔ طلب تو کسی کو کیا نہیں

کس کس کو شہ نے اسلحہ بخشا ہے کچھ سُنا شمشیرِ حیدری ہوئی کس شیر کو عطا
پچھلے کو خیمہ گاہ میں کیوں حشر تھا بپا ہم کو تو دیتے ہوئینگے شبیرؑ بد دعا
مشتاق اجل ہے۔ کہ شوقِ جہاد ہے*
جاسوس نے کہا کہ فقط حق کی یاد ہے

ہر سجدے میں شفاعتِ اُمّت کی ہے دعا کیسی مدد حسینؑ کو ہے احتیاج کیا
اکبرؑ سے شاہ کہتے تھے بیٹا وطن کو جا تنہائی کی اجل میں ہے پیارے بڑا مزا
کب اسلحہ کسی کو دیا ہے حسینؑ نے
تقسیم سب کو صبر کیا ہے حسینؑ نے

پچھلے پہر کے رونیکا مضموں ہے دردناک شبیرؑ نے سکینہ کا کُرتہ کیا تھا چاک
مُنہ پر ملی تھی اُس کے یتیموں کی طرح خاک روتے تھے سب کہ صلح نہ ٹھہری امامِ پاک
سمجھاتے تھے حسینؑ کہ کل صلح ہوئیگی
لیکن وہ صلح ہوگی کہ سب خلق روئیگی

حضرتؑ نے بیکسی سے کہا جب کہ یہ سخن مل کر گلے سے بھائی کے رونے لگی بہن
پہنائے اپنے بیٹوں کو چھوٹے سے دو کفن مادر ہوئی جوانیِ اکبرؑ پہ نعرہ زن
غش آیا۔ تین بار شہِ بے نظیر کو
بانوؑ سے بخشوایا جو اکبرؑ نے شیر کو

(۱۳) فوجِ یزید کی طیّاری کی مختصر تصویر۔

*اُوپر کے دس سوالوں کا جواب مجمل گویا ایک مصرع میں دے دیا ہے ع جاسوس نے کہا کہ فقط حق کی یاد ہے۔ اب بعد اجمال کے آخدہ بند میں تفصیل وار ہر بات کا جواب جاسوس دیتا ہے۔ اس میں بین کے کنایہ اشاروں کو دیکھنے چاہئے۔ جو نشتر و خنجر کا کام (مجلس ماتم میں) دیتے ہیں۔ اور مرثیہ کی علت غائی اور بسا ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

جواب مجمل ایک دس سوالوں کا مصرع میں

(۱۳) فوج یزید کی طیاری جنگ کی تصویر

ناگاہ۔ اُقتلوا۔ کی صدا[۱] فلک گئی
آواز طبل جنگ کی عیّوق[۱] تک گئی

چلّے کھچے۔ کمانِ کیانی[۲] کڑک گئی
ہر سمت مغربی[۳] و جنوبی چمک گئی

رن کے ورق پہ جنگ کے آئین کھنچ گئے
ہندی شروہیاں[۴]۔ عربی زین[۵]۔ کھنچ گئے

اُٹھ اُٹھ[۶] کے پھیلے رن میں بگولے نشانوں کے
ٹاپوں[۷] کے غل سے کان کھلے آسمانوں کے

شکلِ زبانِ مار[۱۱]۔ ملے پھل سنانوں کے
جھومے وغا کے نشہ میں سر نوجوانوں کے[۱۲]

مستوں نے مثل شیشہ وہاں قہقہے کئے
طوبلے کے عندلیبوں نے یاں چہچہے کئے (یعنی لشکر امام حسینؑ نے)

لشکریان امام حسینؑ کا رن پر چڑھنا

امام حسینؑ اور اُنکے جاں نثار عزیز و انصار سوار ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کی مختصر مگر لاجواب تصویر دیکھئے:-

فرما کے یا علیؑ شہ صفدر ہوئے سوار
ہٹ کر عقاب پر علی اکبرؑ ہوئے سوار[۲]

عباسؑ لے کے رایت حیدر ہوئے سوار
بتیس[۳۲] شہسوار برابر ہوئے سوار

---

۱ اقتلوا کے معنی (اے لشکر والو) قتل کرو۔ عیّوق ایک ستارہ کا نام ہے۔ جو مشہور ہے کہ زمین سے بہت دور ہے۔ ملا محتشم فرماتے ہیں ع زال تشنگاں ہنوز بعیوق میرسد۔ آواز العطش زبیابان کربلا۔ اس شعر مرثیہ ملا محتشم کے سبب سے عیوق ستارہ بہت مشہور ہو چکا تھا اس لئے مرزا صاحب نے بھی عیوق نظم کیا۔ مغربی و جنوبی تلواروں کی مشہور قسمیں ہیں یعنی مغرب و جنوب کی بنی ہوئی۔ اور ہندی سروہی اسقدر عرب میں مشہور تھی کہ وہاں تلوار کو ہند کہتے تھے۔ نشانوں کے بگولے پھیلنا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے آسمانوں کے کانوں کا کھلنا اور سانپ کی زبان کی طرح برچھیوں کے پھلوں کا ملنا اور لڑائی کے نشہ میں نوجوانوں کے سروں کا جھومنا عجب مضامین و واقعات ہیں اتنی باتیں دوسرا شاعر اگر ایک جگہ جمع بھی کر دیگا تو اتنے مختصر الفاظ میں غالباً جمع نہ کر سکے ٹیپ میں لشکر امام حسینؑ کا ذکر چھیڑ دیا ۱۲ مؤلف

۲ عام اہل اسلام لڑائی کیواسطے جب سوار ہوتے ہیں تو یا علیؑ کہتے ہیں بھلا امام حسینؑ کیونکر نہ فرماتے۔ نام قدس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ خدا کا نام بھی ہے۔ مصنف نے پہلے امام حسینؑ کا سوار ہونا بیان کیا۔ اس کے بعد ہمشکل رسول خدا علی اکبرؑ کا سوار ہونا کہا جنکی نسبت مسلمانوں میں مشہور ہے کہ فوج خدا کا سپہ سالار امام حسینؑ نے انکو مقرر فرمایا تھا۔ اور علی اکبرؑ کی شان سواری کو دیکھئے کہ اپنے والد ماجد کے پیچھے ہٹ کر سوار ہوئے شہسواروں کا قاعدہ ہے کہ ذرا پیچھے سرک کر سوار ہوتے ہیں اس کے بعد علمدار علم لیکر سوار ہوئے اور ساتھ ہی ان کے تمام شہسوار انصار جو شمار میں بتیس[۳۲] تھے سوار ہو گئے۔ اب سواروں کے بعد پیدلوں کو بھی بتا دیا کہ چالیس پیادے تھے ہمتیں انکی دیکھئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں سے لڑائی کو سر بکف جاتے ہیں۔ اس مختصر نظم کو اور اس ترتیب و تہذیب فوج کو اور اس شان و شوکت نظم کو دیکھئے ۱۲ مؤلف حقیر۔

چالیس پیدل آگے جلو میں بہم چلے
یہ فوج لے کے لڑنے کو شاہ امم چلے

امام حسینؑ اور اُن کے بہتّر ساتھی ہتھیلی پر جان لئے ہوئے لڑنے مرنے کو جارہے ہیں۔ بھلا ان سے مقابلہ کرنے کی کس کو تاب ہے۔ ان کی شجاعت میں جس قدر مبالغہ کیا جائے کم ہے۔ یہ حسن اعتقاد نہیں ہے۔ بلکہ جاں بازی اور سرفروشی کی شان ہے۔ اُس شان ہیبت و دبدبہ کو مصنف یُوں دکھاتے ہیں :۔

شان شجاعت و دبدبہ

باگیں حسینیوں نے اُٹھائیں جو ناگہاں	دستِ فلک سے چھُٹ گئی جوزا کی بھی عناں
اللہ رے دبدبہ کہ دبا اوجِ آسماں	اللہ رے طنطنہ کہ تنا پھر نہ اک جواں

آئینہ ہو گئے شرع کا آئین رہ گیا
رستوں سے کفر بھاگ گیا دین رہ گیا ٭

علی اکبرؑ کے مرگ شباب و حسن کا اثر دشمنوں کے دلوں پر

(۱۴) علی اکبرؑ ہم شکل محمد مصطفےٰ صلعم لڑنے اور مرنے کو میدان میں آئے ہیں۔ مرگ شباب اور حسن کا اثر دشمنوں کے دلوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کو مرزا صاحب کہتے ہیں :۔

رن میں عقاب کو جو اڑاتے ہوئے یہ آئے	اکبرؑ کے قصدِ مرگ پہ دشمن بھی تھرتھرائے
تیغیں پٹک دیں ہاتھوں کو مل کر کہا کہ ہائے	سچ ہے مناسبت میں کوئی دین کیا بچائے

٭ دبدبہ۔ دبا۔ طنطنہ۔ تنا۔ ان الفاظ کی مناسبت کی داد صرف اہل زبان یا خوش مذاق زباندان دے سکتے ہیں۔ کمال شجاعت کی مدح یہ ہے کہ ان بہتّر شہیدوں کی بدولت دین اسلام کی حقانیت آئینہ ہو گئی۔ کفر رستوں سے بھاگ گیا دین قائم رہ گیا۔ ورنہ یزید کو لوگ خلیفہ رسول مان چکے تھے۔ اسلام مٹ جاتا۔ اس مضمون کو اکثر شعرا نے خوب خوب پیرایوں میں ادا فرمایا ہے۔ چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ فرماتے ہیں۔ (رباعی) شاہ ہست حسینؑ پادشاہ ہست حسینؑ۔ دین ہست حسینؑ دین پناہ ست حسینؑ۔ سرداد و نداد دست در دست یزید۔ حقاکہ بنائے لاالہٰ ہست حسینؑ۔ جناب میر انیس مرحوم نے بھی خوب فرمایا ہے۔ ؎ تباہی میں سفینہ آچکا تھا امّت جد کا۔ یہ کشتی بحرِ خوں میں ڈوب کر شہ نے نکالی ہے۔ اس مضمون کے قریب قریب ایک بے بضاعت نے بھی کہنا چاہا ہے تین آفتابوں کو چراغ دکھایا ہے۔ (یعنی حقیر نے شہدائے کربلا کی مدح میں ایک مرثیہ میں کہا ہے) ؎ باغ دہبار کر دیا ریتی کو دین کی۔ سینچا ہے اپنے خون سے کھیتی کو دین کی ۱۲ مؤلف حقیر۔

ایسے جوان مرتے ہیں عقبےٰ کے واسطے
ہم ان کا خون کرتے ہیں دُنیا کے واسطے *

اولاد والے اپنے کلیجوں کو تھام کر
رو کر پکارے الحذر اے موت الحذر
کس ناامید باپ کا لائی ہے تو پسر
کس بے نصیب ماں کا شکستہ کیا جگر
جاہ و جلال ہیں نبیؐ ذوالجلال کے
لائی ہے موت کس کا کلیجہ نکال کے *

(۱۵) علی اصغرؑ دودھ پیتے ہوئے چھ ماہ کے بچے پیاس کے سبب سے جھولے میں بیہوش ہیں

(۱۵) علی اصغرؑ جھولے میں بیہوش ہیں اور مادر علی اصغرؑ کی زبان اور خیالات

اُن کی ماں جھولے کے پاس بیٹھی ہوئی کہہ رہی ہیں:۔

میں کہتی تھی نجف میں انہیں لیکے جاؤنگی
شاہ نجف کا ان کو مجاور بناؤنگی
اُنگلی پکڑ کے گرد لحد کے پھراؤنگی
ہے ہے انہیں کو قبر میں اب میں سلاؤنگی
منت کے طوق بڑھ چکے۔ پروان چڑھ چکے
یٰسین کا وقت آگیا۔ قرآن پڑھ چکے
اب کس کی بامراد بڑھاؤنگی ہنسلیاں
ہے ہے کرخت ہوگئیں یہ نرم اُنگلیاں
تیور بدل بدل کے پھراتے ہیں پُتلیاں
لے لے کے اُلٹے سانس گھماتے ہیں ہچکیاں
باقی حواس پیاس سے معصوم کے نہیں
منہ میں انگوٹھے لیتے ہیں اور چوستے نہیں

شریف عورتوں کی زبان اور خیالات۔ اور ننھے بچوں کی عادتیں۔

ننھے بچوں کی پیاری عادتیں

* دیکھئے۔ ٹیپ ذوقافیتین ہے۔ ایک قافیہ مرتے ہیں کرتے ہیں۔ دُوسرا دُنیا و عقبےٰ ہے۔ مگر کس سلاست فصاحت سے کہا ہے۔ کہ جبتک غور نہ کرو نہیں معلوم ہوتا۔ لشکر والوں کی گفتگو دلوں پر خنجر و نشتر کا کام دیتی ہے۔ اور دُنیا طلبی کی مذمت کس پیرایہ میں کی ہے۔ کہ ہم انکا خون کرتے ہیں دنیا کیواسطے۔ ورنہ کلمہ گو ہمشکل محمد مصطفےٰ کو کیوں شہید کرتے۔ اخیر کا مصرع کس غضب کا کہا ہے۔ ع لائی ہے موت کس کا کلیجہ نکال کے۔ یہ باتیں دُوسروں کو نصیب نہیں ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

رونا نہ جانتے تھے سدا مسکراتے تھے
پھیلا کے ہات گود میں سب کی یہ آتے تھے
خاطر سے میری جھولے میں یہ لیٹ جاتے تھے
جاتی تھی میں جدھر یہ اُدھر منہ پھراتے تھے
کس کی نظر لگی۔ کہ میں نظروں سے گر گئی
وہ پیار وہ پیار اب نہ رہا۔ آنکھ پھر گئی

بہن کی بھائی سے محبت

بہن کی بھائی سے محبت کی باتیں جن سے بچپن کی عادتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ہر دم سکینہ سامنے بھائی کے آتی ہے
ہاتوں میں لیکے اُن کے کھلونے دکھاتی ہے
سہلا کے ننھے تلوے یہ رو کر سناتی ہے
مَن جاؤ۔ بھائی جان۔ سکینہ مناتی ہے
کڑھتی ہیں اماں۔ آنکھ بھی تم کھولتے نہیں
اللہ۔ ہم پکارتے ہیں۔ بولتے نہیں*

جھولے کے ارد گرد بیبیاں

علی اصغرؑ کے جھولے کے گرد و نزد میں مبتلا بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اُس کی تصویر بے مثل کھینچی ہے۔

سر ننگے۔ گرد جھولے کے سب کنبہ ہے بہم
سہلا رہے ہیں سمٹے ہوئے پاؤں کو حرم
تکیے پہ سر ڈھلا ہوا رکھتے ہیں دمبدم
چھاتی پہ ہات رکھ کے کبھی دیکھتے ہیں دم
قرآن کی ہوا۔ کبھی گھبرا کے دیتے ہیں
بانو کو دیکھتے ہیں۔ تو منہ پھیر لیتے ہیں

امام حسینؑ کس شان سے خیمہ میں آتے ہیں

گھر میں تو یہ تشویش پھیلی ہوئی ہے۔ اب باہر سے امام حسینؑ تشریف لاتے ہیں مگر کس شان سے وہ مصرع تحت میں ملاحظہ فرمائیے:۔

منہ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے
ماتم سرا میں گنج شہیداں سے شاہ آئے
جھولے پہ ہات پکڑے ہوئے اہلبیت لائے
بچے کے ہات پاؤں ہلا کر انہیں دکھائے
رو کر کہا کہ سانس فقط آشکار ہے
سو اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

* یہ خاص بچوں اور عورتوں کے الفاظ ہیں۔

(تصویر)

(امام حسینؑ جھولے کے سرہانے بیٹھے ہیں۔ اور کچھ لب اعجاز نما سے فرماتے ہیں)۔

بیٹھے سرہانے جھولے کے شبیرؑ سر جھکائے
اصغرؑ کے کان سے لب معجز نما ملائے
چپکے سے کچھ کہا کہ وہ سنتے ہی مسکرائے
سوئے حسینؑ ہات بھی بیساختہ بڑھائے
بولی بہن۔ نصیب نے اب تو بھلائی کی
اماں۔ مبارک آنکھ کھلی میرے بھائی کی (چھوٹے بچوں سے چھپا نہیں جاتا)

(تصویر)

امام حسینؑ علی اصغرؑ کو لئے جاتے ہیں۔ اس کی بے مثل مختصر لفظوں میں تصویر۔

ہاتوں پہ لے چلے جو اُسے شاہِ اتقیا
بانو پکاری۔ لونڈی کو۔ صاحب جلا لیا
سیدانیوں کے پاؤں پہ پھر سر کو رکھ دیا
بولی خدا نے سب کی دعا سے کرم کیا
لب پر تبسم۔ آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں
ہم۔ تم کوئی نہیں۔ انہیں بابا ہی پیارے ہیں

(ماں کی مامتا اور وہم)

ماں کی مامتا پر خیال کیجئے۔ امام حسینؑ بچہ کو پانی پلانے کی غرض و خیال موہوم سے دشمنوں میں لئے جاتے ہیں۔ ماں کو وہم آتے ہیں۔ انکار کر نہیں سکتی ہیں۔ کہتی ہیں:۔

دیکھوں پھر آج گود میں کب تم کو لیتی ہوں
اللہ و پنجتن کی ضمانت میں دیتی ہوں

عورتوں کی عادت ہے۔ کہ جب یہ فقرہ کہتی ہیں۔ کہ خدا و رسول یا اللہ و پنجتن کی ضمانت میں دیتی ہوں تو اپنے بچوں سے کہتی ہیں۔ کہ کہو۔ قبول کیا۔ علی اصغرؑ بات نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس نازک خیال کو دیکھئے۔ کس طرح (مصنف) ادا کرتے ہیں:۔۔

کس دھوپ میں سدھارتے ہو اے علیؑ کے پھول
سر پر خدا کا سایہ ہو۔ اور پشت پر رسولؐ
اور دہنے بائیں پیار کے ہوں حیدرؑ و بتولؑ
وارے گئی۔ اشارے سے کہدو کیا قبول
کھیلے نہ ہم سنوں سے نہ تم گھٹنیوں چلے
میں ہات مل کے رہ گئی۔ دنیا سے یوں چلے*

* دشمنوں میں بھیجا جاتا ہے۔ دل میں جو دشوار تر اندیشہ تھا آخر وہ زبان سے نکل ہی گیا۔ مضمون کی قابلیت کا ... اہل شاہد مرزا صاحب نے منہ سے نکال دیا ہے۔ (مؤلف جعفر)

رخصت علی اصغرؑ

اصغرؑ کو لے چلے جو شہنشاہ بحر و بر — مڑ مڑ کے اُس نے گنبد پہ حسرت سے کی نظر
ننھا سا ہات ماتھے پہ رکھا جھکا کے سر — بانو پکاریں سپہر کے مُنہ کو اِدھر اُدھر
لوگو۔ مرا کلیجہ نکلتا ہے تھام لو
اصغرؑ سدھارتے ہیں سفر کو سلام لو*

علی اصغرؑ کی شہادت کی تصویر ایک بند میں

(۱۶) ذیل کے بند میں علی اصغرؑ کی شہادت کی افسوسناک تصویر مصنف نے کھینچی ہے۔ اس سے بہتر تصویر واقعہ غم اس بے بضاعت کی نظر سے نہیں گذری۔ یہ اصل واقعہ بہت مشہور ہے۔ کہ اس بچّے کو ایک دشمن نے امام حسینؑ کے ہاتھوں پر تیر مارا تھا:۔

تصویر غم

دم توڑا عجب شان سے ہاتوں پہ پدر کے — اک ہات پہ گردن ڈھلی اور رہ گئے مر کے
اک ہات پہ سمٹے ہوئے تھے پاؤں پسر کے — ٹکڑے ہوئے جاتے تھے شہِ دیں کے جگر سے
اس تیر کی آواز سے ڈر کر جو سوئے تھے
بابا سے گلے ملنے کو ہاتھ اُٹھے ہوئے تھے

* یہ مرثیہ "بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے" جلد ۳ دفتر ماتم میں چھپا ہے۔ اس میں سے چند بند میں نے اس موقع پر انتخاب کئے ہیں ورنہ تمام مرثیہ بلیغ و فصیح و عام فہم ہے۔ حیات دبیر کی دوسری جلد میں اکثر بند اس کے میں نے پیش کئے ہیں۔ یہ مرثیہ محمد علی شاہ مرحوم شاہ سوم اودھ کی زمانہ سلطنت کی تصنیف ہے۔ کہ جس زمانہ تک جناب میر انیس مرحوم فیض آباد سے لکھنؤ میں نہ آئے تھے۔ نہ اُن کے کلام کی لکھنؤ میں شہرت تھی پس مولوی شبلی صاحب کا موازنہ میں لکھنا کہ مرزا صاحب میر صاحب کی تقلید بھی کرتے تھے کس قدر خلاف واقع افسوس کے قابل ہے۔ اس مرثیہ کا وہی رنگ ہے جس رنگ میں میر انیس صاحب نے اکثر مرثیے کہہ کر شہرت پائی اس کے مقطع سے بھی زمانہ کا پتہ چلتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ برعکس ہے کوئی تو کوئی برخلاف ہے۔ آئینہ دل اپنا ہر اک رو سے صاف ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس وقت مرثیہ پڑھنا حسب مراد بگاڑ تھا اور اُن کے تمام تلامذہ و طرفدار بگڑے ہوئے تھے۔ یہ زمانہ میر انیس صاحب کے لکھنؤ میں آنے سے کچھ پہلے کا ہے صفحہ ۲۷۹ پر موازنہ میں مولوی شبلی صاحب نے بھی اس مرثیہ کے چند بند انتخاب کر کے قبول فرمایا ہے کہ یہ حال شہادت علی اصغرؑ کا تمام واقعات کربلا میں نازک و عجیب و غریب ہے۔ اور یہ بھی مانا ہے کہ مرزا صاحب نے اس حال کو تمام مرثیہ گویوں اور میر انیس صاحب سے بہتر نظم کیا ہے مگر بایں ہمہ وہ دل سے کمالات مرزا صاحب کے منکر ہیں اور مٹانے کی کوشش فرماتے ہیں اس لئے اس کو ایک اتفاقیہ بات داخل مستثنیات کہتے ہیں۔ یہ خیال نہیں فرماتے کہ جو شاعر ایسے نازک و عجیب و غریب حال کو سبھوں سے بہتر نظم کر دیگا وہ غریب ادیب حالات کو اوروں سے بہتر کیوں نہیں کہہ سکتا ۱۲ مؤلف۔

(۱۷) حضرت عباسؑ کے تلوار کے وار

(۱۷) حضرت عباسؑ علمدار سے ایک پہلوان کی لڑائی نظم کی ہے۔ اُس موقع پر کہتے ہیں۔

تیغے کی سپر کے مقابل ہوا دشمن	بتلانے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ یہ بازو یہ کمر اور یہ گردن	یہ خود یہ چار آئینہ یہ ڈھال یہ جوشن

کس وار کو وہ روکتا تلوار کہاں تھی
آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی[1]

(۱۸) عون و محمد کی بہادرانہ موت کی تصویر

(۱۸) عونؑ و محمدؑ امام حسینؑ کے بہادر بھانجوں کی بہادرانہ موت کی تصویر۔

یوں سن کے مطمئن ہوئے وہ غازی وغنی	منکا ڈھلا نہ اشک بہا وقت جاں کنی
لوکاں کی ٹھڑی نہ پھری منہ پہ مردنی	پتھرانا کیسا آنکھ میں ڈوبی تھی روشنی

مرتے ہوئے غضب کی دلبری دکھاتے تھے
رگ رگ سے دم نکلتا تھا اور مسکراتے تھے[2]

عام لوگوں کی موت کی طرح بہادروں کی موت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ شجاع کی شجاعت اُس وقت بھی نظر آتی ہے۔ اس بند میں چھ چیزیں ایسی بیان کی ہیں۔ جن میں شجاعت کی شان نظر آتی ہے۔ یہی وہ کمالات ہیں۔ جن کو عام لوگ دیکھتے ہیں۔ مگر بیان نہیں کر سکتے۔ قدرتی شاعر ہی بیان کر سکتا ہے +

(۱۹) جناب قاسم کے تلوار لگانے کی شان

(۱۹) جناب قاسمؑ ابن حسنؑ کے تلوار لگانے کی تصویر۔

---

[1] یہ بند اس مشہور مرثیہ میں ہے ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے:: دفتر ماتم کی جلد اول میں چھپا ہے۔ نولکشور صاحب کی مطبوعہ جلد میں بھی چھپا ہے مگر وہ بہت غلط اور بہت سے بند کسی اور شاعر کے کہے ہوئے اُس میں ملا دئے ہیں۔ آٹھ ہاتھ تلوار کے کس صفائی سے نظم کئے ہیں کہ جس صفائی سے تلوار چلتی ہے جو لوگ نیوٹا جانتے ہیں اُن کے دل سے پوچھئے۔ وہ داد دے سکتے ہیں۔ پھر ٹیپ میں تلوار کی صفائی کس بلاغت سے بیان فرمائی ہے۔ کہ ع آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] یہ بند اس مرثیہ مشہور میں ہے جو دفتر ماتم کی جلد اول میں چھپا ہے اور جس کا مطلع مشہور یہ ہے ع پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی۔ ۱۲ مؤلف

گر وار کر کے بیٹھ گیا کوئی نابکار قاسم نے واں کیا ہنر جنگ آشکار
گھٹنوں کے بھل زمیں پہ پھسلا کے راہوار اور تول کر حسام شرر ریز و آبدار
ضربت لگائی آپ نے یوں اُس لعین پر
اک پاؤں تھا رکاب میں اور ایک زین پر

(۲۰) امام حسینؑ نے سب رن پڑنے بیان علمدار بھائی عباسؑ کو جس شان سے پایا۔ اُس کی تصویر

ناگاہ ملا لاشۂ ابن شہ مرداں اک دست بریدہ میں علم خاک پہ غلطاں
اُڑ اُڑ کے سپھر ہا رُخ پر خوں پہ مگس ساں اک ہات کے پنجے میں حسام شرر افشاں
ہر چار طرف زخموں سے فوّارے بہے ہیں
گویا کہ مُصلّے پہ علیؑ لوٹ رہے ہیں[۱]

سر گرز سے دو ٹکڑے جبیں خوں سے بھری ہے منہ مشک پہ ہے مشک کلیجے پہ دھری ہے
ہر سمت سے جز یاد خدا بے خبری ہے دم سینے میں رُکتا ہے پریشاں سفری ہے
لو حق سے لگی ہے جو عدم کے سفری کی
آنکھوں پہ اُداسی ہے چراغ سحری کی

(۲۱) عمر ابن سعد نے شمر کو دو علم اور کشتیوں میں میوے اور سرد پانی دے کر بھیجا ہے۔ کہ عونؑ و محمدؑ پسران جناب زینبؑ کو بہکا کر اور یہ لالچ دے کر کہ تم کو امام حسینؑ نے تو علم نہ دیا ہم علمدار کرینگے لے آئے۔

آگے گمان بد ہوا پیچھے یہ بد گماں تدبیر کے اُلٹنے کو تقدیر درمیاں
رعشہ کی ہر قدم تھی ندا جھک یہاں وہاں آیا وہاں کھڑے تھے یہ دو نو خضر جہاں[۲]

[۱] یہ بند اس مرثیہ کے ہیں جو دفتر ماتم کی جلد اول میں چھپا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ع اے صبح دغا کون ترا شمس ضحے ہے ۱۲ مؤلف

[۲] اس موقع پر خضر کہا ہے قمر نہیں کہا۔ اس لئے کہ شمر بہکانے کو آیا ہے وہ گویا رہزن ہے اور یہ خضر ہیں انکا کام بہکے ہوئے کو راہ پر لانا ہے نہ کہ خود بہک جانا پس یہاں گویا تشبیہ انکو خضر دی ہے کہ خضر راہ راست بتلاتے ہیں اور مشورہ نیک دیتے ہیں۔ یہ صنعت رعایت بلاغت کی جان ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

دونوں کی آنکھ شمر پہ جو یک بیک پڑی
نخوت پسینہ بن کے جبیں سے ٹپک پڑی

شمر کی مکاری کی تصویر اور چاپلوسی کی چالیں۔

شمر کی مکاری و خوشامد

✻
خم ہو کے نیم قد یہ کیا شمر نے کلام ‏ ‏ اے وارثان حیدرؑ و جعفرؑ مر اسلام
یہ آن بان - مان گئے رستمانِ شام ‏ ‏ واللہ واہ تم پہ ہے جرأت کا اختتام
یہ بانکپن نظر میں کھبا - جی میں گڑ گیا
سکّہ دلوں پہ آپ کی غیرت کا پڑ گیا

جب عونؑ و محمدؑ نے شمر کی باتیں سُنیں - اور اُس کو جواب شافی دے دیا - تو اب وہ ناکام جاتا ہے - ادھر خیمہ عصمت میں اس واقعہ کی خبر ہوگئی - ان کی والدہ جناب زینبؑ نے بھی سُنا - کہ شمر سے جو امام حسینؑ کا جانی دشمن ہے بات چیت ہوئی - وہ غصے میں بھری ہوئی بیٹھی ہیں - فضہ کنیز جناب فاطمہؑ نے ان بچوں کو آواز دے کر خیمہ میں بلایا ہے اُس موقع پر کہتے ہیں۔ ✻

تصویر

شیروں سے ڈر کے بھاگ گیا شمر بد خصال ‏ ‏ جس طرح چوٹ کھا کے بھرے چوکڑی غزال
راہی حرم سرا کو ہوئے یہ ملک خصال ‏ ‏ کچھ غصہ کچھ حجاب کچھ افسوس کچھ ملال
چلنے میں شرم سو قدم آگے بڑھی ہوئی
منہ اترا اترا غصہ سے تیوری چڑھی ہوئی

(۲۲) میدان جنگ میں حضرت عباسؑ آتے ہیں۔ نقیب لوز آواز دے رہا ہے۔

(۲۲) میدان میں جناب عباس آتے ہیں نقیب نور آواز دے رہا ہے

✻ شمر نے جس جس طرح لالچ دئے ہیں - اور ان بچوں کو بہکایا ہے اور انھوں نے دنداں شکن جواب دئے ہیں - وہ تمام تقریر لاجواب ہے - اگر دیکھنا منظور ہے - تو اس کتاب کی جلد دوم میں دیکھئے - یہ بھی اُسی مرثیہ کے بند ہیں - جو جلد اول ختم ماتم میں چھپا ہے - اور جس کا مطلع شدہ یہ ہے ع پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی - وارثان حیدرؑ و جعفرؑ اس لئے کہا - کہ حیدر کرار ان صاحبزادوں کے نانا اور جعفر طیار دادا ہیں - یہ دونوں بزرگوار جناب رسول خداؐ کے علمدار تھے ۱۲ مولف حقیر

مرکب جو بڑھا فخر شجاعان زمن کا | ڈنکا ہوا ماتھا ستم و ظلم کا ٹھنکا
چاوش قمر دوڑا عصا لیکے کرن کا | میدانی خورشید نے میدان لیا رن کا

کڑکا یہ دیا واہ زہے شان و کرامت
اقبال بلند۔ اوج دو چند۔ آپ سلامت ※

(۲۳) زعفر جن سے چند جن جو حال امام حسینؑ دیکھ آئے ہیں بیان کر رہے ہیں:۔

جس وقت زیارت سے مشرف ہوئے ہم ہائے | ننھی سی لحد کھودتے تھے شاہ امم ہائے
اک رشک قمر توڑتا تھا گود میں دم ہائے | دودھ اور لہو ڈالتا تھا ہائے ستم ہائے

اب شہ سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا
تیر اُس کے گلے میں ہے نکالا نہیں جاتا

(۲۴) میدان کربلا میں لاشہ امام حسینؑ کس شان سے زمین پر پڑا ہوا ہے اُس کی تصویر

اصغر کی ننھی لاش کو مولا گلے لگائے | آلودہ گرد و خاک میں اور خوں میں نہائے
سوتے تھے قتل گاہ میں بے فرش و سایہ ہائے | اور گرد و پیش خویش و اقارب تھے سر کٹائے

تھا فرش ریگ گرم امام قتیل کا
دامن نہ فاطمہؑ کا نہ پر جبرئیلؑ کا

علی اصغرؑ کی لاش کی تصویر۔

سر کے جھنڈولے بالوں پہ گو خاک ہے جمی | پر خوبصورتی میں سر مو نہیں کمی
ہے مثل زلف پلکوں کے بالوں کو برہمی | پہنے ہیں دونوں پتلیاں پوشاک ماتمی

※ چاوش اور میدانی یہ شاہی الفاظ ہیں میدانی وہ نقیب ہوتا ہے جو میدان جنگ میں کڑکا سناتا ہے۔ اسی کو کڑکیت بھی کہتے ہیں مرزا صاحب کے بزرگ شاہان دہلی کے اتالیق و میر منشی رہ چکے تھے خود ہونے لکھنؤ کے شاہی رنگ خوب دیکھے تھے اس لیے وہ ایسا ہی موقع نہایت شاندار الفاظ میں بیان کرتے ہیں ٹیپ میں وہی الفاظ لائے ہیں جو کڑکیت میدان جنگ میں بادشاہوں کے روبرو کہتے ہیں ذرا مصرع دوم میں تو غور فرمائیے۔ ڈنکا ہونیکو ثابت کیا خوب کیا ہے فرماتے ہیں ستم کا ماتھا ٹھنکا و ڈھنڈ ہو گیا۔ ماتھا ٹھنکنا خاص روزمرہ ہے جو بدشگونی کا پیش خیمہ ہے پس ظلم کے حق میں ان کی آمد میدان جنگ بد شگونی تھی کہ ستم و ظلم اب مٹیگا ۱۲ منہ

زعفر جن نے چند جن حال امام حسینؑ بیان کر رہے ہیں

(۲۴) لاشہ امام حسینؑ اور نقشہ میدان

پیدا ہے نور چہرے کا گرد و غبار سے

لکھا ہے سورہ نور کا خط غبار سے*

(۲۵) جناب شہر بانو کی تشویش و بے خودی کا سماں۔

جناب شہر بانو کی تشویش و غم کا سماں

اندوہ میں کچھ زیر لب آہستہ سے کہنا — گہ دینا جواب آپ ہی گہ سکتے میں رہنا

وہ یاس کا رونا وہ غم ہجر کا سہنا — واں سانس کا رکنا اور اِدھر اشکوں کا بہنا

پوچھا جو کسی لونڈی نے طیّار ہے کھانا

تو رو کے یہ کہنا۔ مجھے دشوار ہے کھانا

(۲۶) فرزند کا داغ

(۲۶) فرزند کا داغ

وہ درد ہے کیا درد کہ درماں نہیں رکھتا — وہ رنج ہے کیا رنج کہ پایاں نہیں رکھتا

کس زخم کا مرہم دل انساں نہیں رکھتا — کس چاک کا پیوند گریباں نہیں رکھتا

بے صبر جس اندوہ میں ہر ایک بشر ہے

وہ داغ پسر داغ پسر داغ پسر ہے

جس درد کی تسکین میں عاجز ہیں خرد مند — وہ درد ہے کیا؟ رحلت فرزند جگر بند

جب دست و گریباں ہو پدر سے غم فرزند — وہ چاک بھی چاک ہے جس کا نہیں پیوند

سچ پوچھو تو فرزند کلیجہ ہے پدر کا

ناسور جگر میں نہ ہو اس لخت جگر کا

یہ حالِ سکندر ہے تواریخ میں لکھا — فرزند نہ تھا اور ہر اک شے تھی مہیّا

جاہ و حشم و مال و زر و شاہیٔ دنیا — کہتا تھا دم نزع کہ وا حسرت و دردا!

---

*خط غبار خط کی ایک قسم ہے۔ جس میں حروف بہت چھوٹے چھوٹے (مہین مہین) لکھے جاتے ہیں۔ جو غبار سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور سورۂ نور قرآن میں ایک سورت ہے۔ اوپر کے چاروں مصرعوں کو غور سے دیکھئے قافیہ مقید ہیں۔ مگر بندش میں کس قدر صفائی اور روانی ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

خدا کے لاڈلے آ۔ نانا کے نواسے آ

مَیں تجھ کو شیر دُوں آ۔ کربلا کے پیاسے آ

تصویر

(تصویر واقعہ)

نبیؐ کی گود میں آتے ہی مُنہ کو کھول دیا	نبیؐ نے مُنہ میں زباں دیکے مُنہ کو چوم لیا
حسینؑ نے تو زبان نبیؐ سے شیر پیا	دہن سے اُس کے پیمبرؐ نے قند نوش کیا

نبیؐ کا آب زباں آہ۔ جس کے قابل ہو

لب فرات سے پانی نہ۔ اُس کو حاصل ہو*

امام حسینؑ گھوڑے سے زمین پر آتے ہیں

(۲۸) امام حسینؑ میدان کربلا میں گھوڑے سے زمین گرم کربلا پر تشریف لاتے ہیں۔ اُس موقع پر مصنف کہتے ہیں:۔

تالو سے زباں لگ گئی تھی خشک دہن میں	پھل برچھیوں کے سینے میں تھے تیر بدن میں
زخموں کو نہ پوچھو وہ ہزاروں سے سوا تھے	فرماتی ہیں زینبؑ کہ ستاروں سے سوا تھے

تصویر

امام حسینؑ کی اخیر وقت کی تصویر

مُنہ لال جبیں لال۔ بدن لال قبا لال	لہراتے تھے بل کھائے ہُوئے گیسوؤں کے بال
زلفوں کی لٹیں چہرے پہ تھیں سہرے کی تمثال	مرتے ہُوئے دُولھا بنے تھے فاطمہؑ کے لال

آلودہ بخوں ریش امام دوسرا تھی

اس شان سے طیاری دربار خدا تھی

لب پہ علیٔ اکبر۔ علیٔ اکبر۔ علیٔ اکبر	سیدھی جو کمر کی۔ تو کہا ہائے برادر

* یہ حدیث کتب احادیث شیعہ کافی وغیرہ میں ہے۔ دیکھئے کس خوبی سے نظم میں اس کا مطلب ادا کیا ہے بعض علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ لحمک لحمی و دمک دمی جو جناب رسول خدا نے امام حسینؑ کو فرمایا ہے حقیقی معنی یہ ہے کہ خون و گوشت امام حسینؑ کا رسول خدا کے خون و گوشت سے اس طرز خاص پر ملا تھا اور واقعی جو خون زمین کربلا پر بہایا گیا وہ حبیب خدا صلعم کا خون تھا۔ اب اس خون و گوشت کے ساتھ جو بیان محسن کشوں نے کیا وہ عشرہ ۲۸ میں دیکھئے + ۱۲ مؤلف حقیر

اقبال ہے۔ دولت ہے۔ جہاں زیرنگیں ہے
پر ایک پسر جو نہیں۔ تو کچھ بھی نہیں ہے

فرزندگلِ باغ تمنّائے پدر ہے — بے قدر ہے وہ شاخ جو بے برگ و ثمر ہے
تعویذِ تسلّیٔ دلِ خلق پسر ہے — داغ اس کا شگافِ جگر و زخمِ جگر ہے

کیوں دل میں پدر کے نہ ہو۔ ناسور خلف کا
جب چاک گہر کے لئے سینہ ہو صدف کا[1]

(۲۷) امام حسینؑ پیدا ہوئے ہیں۔ جناب فاطمہؑ مریض ہیں۔ اُن کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ تشویش (خاندانِ رسالت میں) پھیلی ہوئی ہے:۔

(۲۷) امام حسینؑ کا پیدا ہونا رسولِ خدا کا زبان چوسانا

رسولؐ کہتے ہیں حاجت ہے انکو شیر کی کیا — مری زبان میں ہے انکا قوت اے زہرؑا
نہ دے جواب زباں بھی۔ انہیں رسولؐ خدا — یہ ہیں وہ صابر و شاکر۔ کہ ہو نہ کچھ پروا

خدا سے صبر و قناعت کے درجے پائے ہیں
یہ پیاسے۔ رہنے کا اقرار کر کے آئے ہیں

تصویرِ واقعہ

تصویر

رُخِ حسینؑ سے سر کا یا دامنِ زہرؑا — یہ کہکے پیار سے پھیلائے دستِ لطف و عطا
کہا جُعِلْتُ فِدَاکَ اے ذبیحِ تیغِ جفا[2] — تلے شلوکے کے ہات اپنے لائے خیرورا

[1] کیا وجہ تبوت معقول ہے۔ موتی بمنزلہ پسر ہے۔ اور صدف یعنی سیپ کا سینہ چاک ہوتا ہے جب وہ جدا ہوتا ہے یہی حال اشرف مخلوقات انسان کا ہے۔ کہ پسر کی جدائی سے سینہ چاک ہو جاتا ہے۔ سیپ جس طرح موتی کے نکل جانے کے بعد کم قیمت رہ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان پسر کے مرنے سے گویا کم وقعت ہو جاتا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] جُعِلْتُ فِدَاکَ کے معنی مَیں تجھ پر قربان ہو جاؤں۔ عرب یہ کلمہ ایسے ہی محبّت اور پیار کے مقام پر اپنے بچوں سے کہتے ہیں۔ اور جوشِ ولا میں اپنے بزرگ یا آقا سے بھی کہتے ہیں۔ کیا موقع پر تضمین کیا ہے۔ ایک ایک لفظ سے جناب مجبوبِ خدا صلعم کی محبّت ٹپکتی ہے عجب اثر ہے۔ اور ذبیحِ تیغِ جفا اور کربلا کے پیاسے۔ ان الفاظ میں عجب گریہ خیز کنایہ ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

(۲۹) بیکسی میں درستیٔ حواس

(۲۹) بیکسی و تنہائی میں امام حسینؑ کے حواس کا درست رہنا۔

نازاں تھا صبر۔ صبر شہ حق شناس پر　　　قربان تھا ہوش ابن علیؑ کے حواس پر

دریا کا زہرہ آب تھا سیّد کی پیاس پر　　　مایوسی آس پاس تھی مرنے کی آس پر

ماں رن میں اور خیمے میں ماں جائی روتی تھی

تنہائی پر حسینؑ کی تنہائی روتی تھی

(۳۰) علی اکبرؑ کے بعد گھر کی پریشانی

(۳۰) شاہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد گھر کی حالت اور مادر علی اکبرؑ کی غم کی تصویر

وہ شمع گل ہوئی جس سے کہ نام روشن تھا　　　نبیؐ کی آل کا گھر صبح و شام روشن تھا

دل حسین علیہ السلام روشن تھا　　　مدینہ کیا کہ زمانہ تمام روشن تھا

نصیب بانو کے دل کو جگر کا داغ ہوا

پکارتی تھی کہ ٹھنڈا مرا چراغ ہوا

(بین)

(بین)

یہ میری آنکھوں کے آگے ہے کیا سیاہ سیاہ　　　یہ کیا جگر میں کھٹکتا ہے جس سے دل ہے تباہ

کدھر گئے علی اکبرؑ۔ اُنہیں علیؑ کی پناہ　　　حسینؑ امام کہاں ہیں پکار لو للہ

تڑپ کے مُنہ سے نکلتا ہے اب جگر میرا

چھٹا ہے پہلے پہل نوجواں پسر میرا

(۳۱) احد میں خبر قتل حضور صلعم کی شہرت مدینہ میں ہونا

(۳۱) ایمان کے جوش میں جو کیفیت ایماندار کے دل کی ہوتی ہے۔ اُس کی تصویر مرزا صاحب نے ایک مومنہ کا حال لکھ کر سلیس نظم میں کھینچی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اُحد کی لڑائی میں لشکر اسلام نے فرار کیا۔ اور مدینہ میں یہ خبر مشہور ہوئی۔ کہ حضور صلعم شہید ہو گئے۔ اُس وقت مدینہ منورہ میں ایک تلاطم تھا۔ اور خانہ رسالت کی حالت حسب ذیل تھی:۔

پر فاطمہؑ نے جب یہ خبر قہر کی پائی　　　سر پیٹتی بے ساختہ باہر نکل آئی

جو پوچھتا تھا کیا ہے۔ تو کہتی تھی۔ دُہائی　　　اعدا نے مرے باپ کی تصویر مٹائی

ویران مدینہ کو اجل کر گئی۔ ہے ہے

بابا کی بلا لیکے نہ میں مر گئی۔ ہے ہے

فاطمہ زہرا کی بے قراری کی تصویر۔ اور ایک مومنہ کا وقت پر کام آنا:-

بسمل کی طرح گرتی تھی اور اُٹھتی تھی وہ آہ
یہ کہتی تھی اور دوڑتی تھی جانب جنگاہ

زہرا میں تری قاصدی اب کرتی ہوں واللہ
اک مومنہ نے عرض یہ کی آکے سرِ راہ

فرمایا کہ۔ احسان کر۔ اللہ جزا دے

اچھا۔ میں ترے صدقے۔ خبر باپ کی لادے*

بابا سے حقیقت مری سب کیجیو اظہار
گر زندہ ملیں فضلِ خدا سے شہِ ابرار

دریافت کریں دل کو۔ تو کہنا کہ ہے افگار
آنکھوں کو جو پوچھیں تو بتانا کہ ہیں خوں بار

ہاتوں کو جو پوچھیں تو بتانا یہ قرینہ

اک ہات سے سر پیٹتی ہے ایک سے سینہ

کہنا بھبھورستے میں سراسیمہ کھڑی ہے
گر پوچھیں وہ۔ کیا حجرے میں بیہوش پڑی ہے

کہنا یہ نہیں صبر و تحمل کی گھڑی ہے
فرمائیں جو بابا کہ وہ صابر تو بڑی ہے

جنگاہ میں خود آنے کو طیار ہے زہرا

پر کانپنے سے پاؤں کے ناچار ہے زہرا

اُس زمانہ کے سچے مسلمانوں کے جوش محبت اور جذبہ ایمان کی دلکش تصویر۔ یہ مومنہ کس شوق و حسن عقیدت سے جاتی ہے:-

مقتل میں جو پہنچی نہ رہی اپنی خبر بھی
یہ سُن کے پیادہ وہ چلی ڈھانپا نہ سر بھی

پہ واہ رے صبر۔ اس نے نہ کی اُن پہ نظر بھی
بسمل ملا بیٹا بھی برادر بھی پسر بھی

بھائی نے کہا۔ گود میں سر رکھ لے ہمارا

---

* اضطراب میں جیسے چھوٹے چھوٹے جملے شریف زادیاں بولتی ہیں ویسے ہی نظم کئے ہیں ۱۲ مؤلف حقیر

(بنتِ مرادی جناب فاطمہؑ و ایک مومنہ کا کام آنا)

(بابا کیلئے بیتابی)

(حسن عقیدت)

فرزند و پدر نے کیا پانی کا اشارا*

منہ پھیر کے وہ بولی۔ نہ ٹھیرونگی میں حاشا
میں سُوئے محمدؐ ہُوں فرستادۂ زہراؑ
اس وقت بھلا گود میں سر لُونگی میں کس کا
ہے خاک پہ وہ تاجِ سرِ مریمؑ و حواؑ
اب تو کسی پیاسے کی نہیں مجھ کو خبر ہے
سیدانی مری۔ تشنۂ دیدارِ پدر ہے

اب چاہئے کیا۔ دولتِ عقبےٰ ہو مبارک
جنت ہو مبارک تمہیں طوبےٰ ہو مبارک
ہمسائگی حمزہؓ کا تبا ہو مبارک
مجھ کو شرفِ خدمتِ زہراؑ ہو مبارک
ہر ایک ہے یاں فکرِ سعادت طلبی میں
میں فاطمہؑ کی راہ میں تم راہِ نبیؐ میں

القصہ نہ ٹھہری کسی کُشتے پہ وہ زنہار
آگے جو بڑھی وہ تو ملے احمدؐ مختار
استادہ تھے زیرِ علمِ حیدرؑ کرار
دیکھا جو ہراساں اُسے بولے شہِ ابرار
ہے خیر تو۔ کیوں آئی ہے۔ کھولے ہُوئے سر کو
کیا بھیجا ہے زہراؑ نے۔ تجھے میری خبر کو

وہ رو کے یہ چلائی کہ ہاں اے شہِ والا
بی بی مری رستے میں کھڑی کرتی ہیں نالا
فرمایا جبھی یاں مرا دل تھا تہ و بالا
جا فاطمہؑ کو جلد مرے پاس بُلا لا
کہنا تو ہے بیتاب ہمارے لئے زہراؑ
بابا بھی تڑپتا ہے تمہارے لئے زہراؑ

(اس جہاد میں حضور صلعم زخمی ہُوئے تھے۔ دندان مبارک بھی ٹوٹ گیا تھا۔ فرماتے ہیں):-

---

* حقیقت میں ایماندار وہی ہے۔ جس کو سب عزیزوں سے اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر حضور صلعم کی محبت ہے۔ جیسے کہ خود حدیث صحیح میں حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

(باپ بیٹی کی محبت)

لیکن مرے زخموں کا سُنا نا نہ اُسے حال — فریاد کو فوراً نہ کہیں کھول دے وہ بال
ہوگا چمن ہستی اُمّت ابھی پامال — اُلٹے ہی قدم واں سے پھری یاں وہ خوش اعمال
زہراؑ سے کہا حال شہنشاہِ عرب کا
اک مژدہ دیا خیر کا۔ اور ایک طلب کا

(باپ بیٹی کی محبت)

ساتھ اُس کے چلیں فاطمہؑ خوش خوش سرمیداں — لینے کو بڑھے واں سے نبیؐ خرّم و خنداں
آغوش کے اندر لیا مثل بدن و جاں — یہ بولے مَیں صدقے ترے وہ بولی میں قرباں
زہراؑ نے بلائیں لیں۔ پیمبرؐ نے دعا دی
دونوں نے جبیں شکر کے سجدے میں جُھکا دی[۱]

باغ کا سماں خواب میں

(۳۲) باغ کا سماں جو ایک شخص خواب میں دیکھ رہا ہے۔

شبنم کا عجب لطف ہے ہر برگ چمن پر — سجّادے پہ ہے ٹوٹ گیا سبحۂ گوہر
ہر شاخ ہے معراج بہارِ گلِ احمر — جس طرح سناں پر سرِ فاطمہؑ کا سَر[۲]
ہر غنچہ ہے دفتر غم شاہ دوسرا کا
ہر لالہ ہے محضر گل زخم شہدا کا

دیوار باغ کی صفائی

رشک ورق نقرہ ہے اُس باغ کی دیوار — ہے اُس کی سپیدی و تجلّی سے نمودار
خورشید نے مُہرہ کیا ہے صبح نے آہار — ہر خشت کے قالب میں نگہ ہوتی ہے تیار

۱؎ جس طرح کسی بات کے کہنے سے پہلے کوئی مقرر تمہید اُٹھاتا ہے یا شاعر قصیدے میں تشبیب کی بہار دکھا کر اصل مطلب پر آتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب مرحوم بعض مرثیوں میں اوّل اوّل (چہرے میں) ایسی روایات لکھ کر اصل مرثیہ شروع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جناب فاطمہؑ زہرا کا باپ سے ملنا لکھ کر اس مرثیہ میں آئندہ یہ حال کہا ہے۔ کہ اُن کی ہمنام و ہمشکل پوتی فاطمہ صغرا اپنے باپ امام حسینؑ کی انتظار و اشتیاق ہی میں رہیں۔ ورنہ امام حسینؑ کے اُن کی سناتی اور سیدانیاں مدینہ میں تھیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

۲؎ یہاں بھی ایک کنایہ مرثیت کا کہ گئے۔ یہی کمال مرثیہ گوئی ہے + ۱۲ مؤلف حقیر

باغ ارم اُس باغ کے اک خار کی قیمت
اقبالِ ہُما سایۂ دیوار کی قیمت

باغ میں فوّارہ کی حسن تعلیل

فوّارہ

فوّارہ بلندی کی طرف چھوٹ رہا تھا — پانی بھی گلستاں کے تماشے کو اُٹھا تھا
فوّارہ نہ تھا خضر کی پیری کا عصا تھا — رفعت سے ستونِ فلکِ پیر بنا تھا
ازبسکہ حباب اُس کی تجلّی میں بھرے تھے
بلّور کے پیمانۂ معکوس دھرے تھے

(۳۲۳) دعبل مدّاح اہلبیت کا انجام بخیر

(۳۲۳) دُوسری صدی میں دعبل خُزاعی ایک مشہور مرثیہ گو شاعر عرب میں گذرا ہے۔ جس کو امام رضاؑ کی مدّاحی اور اُن جناب کے حضور میں مرثیۂ امام حسینؑ پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہُوا ہے۔ اپنے زمانہ میں عرب میں یہ شاعر فرد مانا جاتا تھا۔ اس کا واقعہ مرزا صاحب نے ایک مرثیہ میں نظم کیا ہے۔ مگر دیکھئے۔ کتنا دلچسپ و مختصر ہے:۔

رخ کی سیاہی کی تاویل

مشہور ہے یہ خوار رہا دعبلِ دیندار — پر مومنوں کو پاک اُٹھاتا ہے جو غفّار
مُنہ اُس کا دمِ نزع سیہ ہوگیا اک بار — روشن کروں اُس تیرگیِ رُخ کا میں اسرار
مرنے پہ زیادہ اُسے توقیر ملی تھی
وہ رُخ کی سیاہی نہ تھی تحریر ملی تھی*
مانندِ گنہ بیٹے نے موت اُس کی چھپائی — جب شب کا گیا پردہ تو قبر اُس کی بنائی
مرقد میں علیؑ آئے پئے عقدہ کشائی — فانوس نمط قبر اُسے روشن نظر آئی

* شاعر کے واسطے جو لازمی طور پر کاتب بھی ہوتا ہے۔ سیاہی کی توجیہ کتنی معقول ہے۔ پھر اُس کے بعد (بتشبیہ) ع مانند گنہ بیٹے نے موت اُس کی چھپائی۔ ایسے شخص کے بیان میں کہ جو ایک گناہ کبیرہ (شراب خواری) کا عادی تھا کیسی معقول تمثال ہے۔ کہ ہر شخص گناہ چھپایا کرتا ہے۔
اس نے گنہگار کی موت دوستوں سے چھپائی ۱۲ مؤلف حقیر۔

مرقد میں یہ کہتے ہوئے خیر الامم آئے
مشتاق سخن کے ترے جنت سے ہم آئے

طوبےٰ لک[2] اے خاص شہ کرب و بلائی
لے مرثیہ پڑھ تو مرے مظلوم کا بھائی
دعبل نے پڑھا مرثیہ رقت انہیں آئی
چہرہ پہ کفِ دست پیمبرؐ نے پھرائی

کافور وہ ظلمت ہوئی رخسار سے ہٹ کر
سجدے کا نشاں بن گئی ماتھے پہ سمٹ کر[3]

پھر حلۂ نور اپنا پیمبرؐ نے اُتارا
یہ کہکے اُسے قامت دعبل میں سنوارا
نکلا جو ترے مرثیہ پر اشک ہمارا
اب دفتر عصیاں ترا دھویا گیا سارا

لے خاص تبرک ہے یہ احمدؐ کے بدن کا
تو مرثیہ گو ہے مرے محتاج کفن کا

(۴۳) ہند یزید کی زوجہ زندان شام میں آئی ہے۔ امام زین العابدینؑ سے بات چیت کر رہی ہے۔ اب اس کمال کو دیکھیے کہ چاروں مصرعوں میں ہے ہر مصرع میں ہند کا سوال بھی ہے اور حضرتؑ کا جواب بھی ہے یہ اختصار بلاغت کی جان ہے۔ خیر الکلام ماقلّ ودلّ مشہور مقولہ ہے:-

منہ کے سوال و جواب ایک ہی مصرع میں سوال بھی جواب بھی

۱؎ فانوس نمط کی جگہ فانوس صفت بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اُس زمانے کے فصحا کی زبانوں پر نمط زیادہ ترجاری تھا۔ لہذا مصنف مرحوم نے یہی لفظ لکھی۔ ناسخ و آتش و ذوق وغیرہم کے یہاں یہ لفظ (نمط) بہت ہے۔ اب آج کم بولا جاتا ہے۔ تو ستر اسّی برس پہلے کے کلام پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے خیر الامم جناب رسول خدا صلعم سے مراد ہے+ ۱۲ مؤلف حقیر۔

۲؎ طوبےٰ لک۔ یہ خاص فقرہ ہے۔ جو عرب میں بولا جاتا ہے لفظی معنی یہ ہیں کہ طوبےٰ درخت بہشت نصیب ہو۔ اور تہنیت کے موقع پر عرب بولتے ہیں جیسے اردو میں کہتے ہیں مبارک باد یا مبارک ہو حضور صلعم کی زبانی اس موقع پر اس لفظ کی تضمین نے کیا لطف کلام میں پیدا کیا ہے

کافور ہونا اردو کا روزمرہ دور ہونے اُڑجانے کے معنی پر ہے۔ کافور سفید ہوتا ہے ظلمت سیاہی کو کہتے ہیں ایک دوسرے کی ضد ہے صنعت تضاد ہوئی۔ پھر کہتے ہیں سجدے کا نشان بنگئی ماتھے پہ سمٹ کر کیسا عمدہ مصرف بتایا ہے۔ ایسے مضامین عالیہ میں دوسرے معاصرین میر[illegible] سے پیچھے اور نیچے رہ جاتے ہیں۔ یہ بند اُس مرثیہ کے ہیں جس کا مطلع یہ ہے ع ناجی بخدا فرقہ اثنا عشری ہے+ ۱۲ مؤلف حقیر۔

ہند[1] نے پوچھا۔ مرض کیا ہے؟ کہا بے پدری
رو کے وہ بولی۔ دوا کیا ہے؟ کہا نوحہ گری
گھر جو دریافت کیا۔ کہنے لگے۔ دربدری
بولی لیتا ہے خبر کون؟ کہا۔ بے خبری
آہ۔ کرنے کا سبب پوچھا۔ تو شرمانے لگے
تازیوں کے نشان پشت پہ دکھلانے لگے

(۳۵) یزید بعد شہادت امام حسینؑ اپنے عروج اقبال پر فخر و مباہات کر رہا ہے جیسے بعض ظالموں کی عادت ہوتی ہے۔ دیکھئے اُس کے خیالات وارندانہ کو کس کس لطیف و عبرت خیز پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور زبان کتنی پیاری ہے:۔

یزید کی جاہلانہ و ظالمانہ فخر

جلّاد کھائینگے مری تلوار کی قسم
اک بار پنجتنؑ کے گلوں کو کیا قلم
اب چرخ ہفتمین پہ علم ہے مرا علم
انسٹھ[2] برس کے بعد گرا دین کا علم
نوبت اب آئی دین نبیؐ کے مٹانے کی
ہے عرش پر صدا مرے نقارخانے کی
نمرود سے کچھ آنچ[3] نہ پہنچی خلیل کو
میں نے جلایا قلب رسولِؐ جلیل کو

---

[1] ہند کے حال میں مرزا صاحب کے کثرت سے مرثیے ہیں اور زبان نہایت سلیس ہے جنمیں اکثر جگہ محلات شاہی کی روزمرہ امثال جُوں کی تُوں ملتی ہیں مرزا صاحب کے زمانہ میں شاہی محلات میں ان کے کلام سے زبان کی سند لیجاتی تھی اور تمام ملک میں محلّات شاہی کی زبان مستند مانی جاتی تھی اس سے مرزا صاحب کی زبان کی وقعت معلوم ہوتی ہے۔ اسی بند میں ذرا غور فرمائیے۔ ایک مصرع میں فرمایا "ہند نے پوچھا" دوسرے میں کہا "رو کے وہ بولی" تیسرے میں "گھر جو دریافت کیا" چوتھے میں "بولی" لائے۔ اگر ہر مصرع میں ایک ہی لفظ پوچھا یا دریافت کیا یا اور کچھ لاتے۔ تو بلاغت کی شان نہ قائم رہتی۔ ایسے ایسے نکات بلاغت کلام دبیرؔ میں ہزاروں لاکھوں ہیں مبصر جانتے ہیں۔ کامل مانتے ہیں + ۱۲ مؤلف۔

[2] سنہ ۶۱ھ میں واقعہ کربلا ہوا۔ عروج اسلام ۲ھ ہجری سے سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے انسٹھ ۵۹ برس کہا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[3] آنچ پہنچنا اردو میں گزند پہنچنے کے معنی پر چھا درہ ہے۔ ازبسکہ نمرود نے جناب براہیمؑ کو جلانا چاہا تھا۔ اس لئے اس بیان میں اس روزمرہ نے جان ڈال دی ہے جناب ابراہیمؑ خانہ کعبہ کے بانی ہیں۔ اُن کے ذکر کے ساتھ اصحاب فیل کے کعبہ پر قابو نہ پانے کا اور جناب امیرؑ کے مولود کعبہ ہونے کا بیان سلسلہ تقریر کے واسطے کتنا مناسب ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

قابو ہوا نہ کعبے پر اصحاب فیل کو ۔۔۔ مَیں نے گرایا تاج سرِ جبرئیلؑ کو

مارا اُسے جو قبلۂ آلِ خلیل تھا

فرزندِ خانہ زادِ خدائے جلیل تھا

خدا کی شان

(خدا کی شان۔ صابروں کا امتحان۔ دُنیا کی نیرنگی۔ اہل دُنیا کی دُنیا پرستی)

جلوہ دکھا رہا ہے خدا کبریائیؑ کا ۔۔۔ ناحق بہاؤں خون میں حق کے فدائی کا

ہو میری نذر کے لئے بلوہ خدائی کا ۔۔۔ پرسا نہ جا کے دے کوئی زینبؑ کو بھائی کا

اُمت کو ناگوار بھی یہ تہنیت نہ ہو

مرجائے ابنِ فاطمہؑ اور تعزیت نہ ہو

فصل ۳ حضرت زینبؑ کا لاش حرؑ دیکھ کر مدح فرمانا۔ اور فرزندوں کو جوش بہادری و غیرت دلانا

(۳۶) جناب زینبؑ درخیمہ پر آکر حُرؑ کی لاش دیکھ کر اُس کی شجاعت و ایمانداری کی مدح فرماتی ہیں۔ اور اپنے بیٹوں کو جوش مردانگی و غیرت دلاتی ہیں۔ جب اُنھوں نے ایمان و اعتقاد کی آنکھوں سے

دیکھا کہ ہراول کا بدن خون میں تر ہے ۔۔۔ جنت میں قدم زانوئے شبیرؑ پہ سر ہے

تو اپنے بیٹوں سے خطاب فرماتی ہیں۔

پہچانو تو پیارو۔ یہ فرشتہ ہے کہ حرؑ ہے ۔۔۔ یہ وہی بہادر ہے کہ غلطاں کوئی ڈر ہے

رُخ مہر سے اللہ کی رشک مہ و خور ہے ۔۔۔ شبیرؑ کا بندہ ہوا دوزخ سے یہی حرؑ ہے*

کیا خوب دمِ جنگ نصیب اس کا لڑا ہے

مُردہ ہے یا چودھویں کا چاند پڑا ہے

کیا تختۂ تن پر چمن زخم کھلے ہیں ۔۔۔ کیا خدمت شبیرؑ کے پھل اس کو ملے ہیں

نے پیاس کے شکوے ہیں نہ فاقوں کے گلے ہیں ۔۔۔ اب آٹھ بہشت اس کی شہادت کے صلے ہیں

*مصرع اوّل میں حر نام ہے۔ اور اس چوتھے مصرع میں حر کے معنی آزاد کے ہیں۔ اگر دو معنی جدا جدا نہ ہوتے۔ تو یہ قافیہ شائگاں (ایطا) ہو جاتا ۱۲ مؤلف حقیر۔

جو مرد ہیں وہ نام پہ سر دیتے ہیں پیارو
سر دیتے ہیں اور تاج شرف لیتے ہیں پیارو
اس موت میں جینے کا مزہ مل گیا حُر کو شبیرؑ کے ملنے سے خدا مل گیا حُر کو

امام حسینؑ کے ساتھ ایک چار برس کی لڑکی خیمہ سے نکلی (تصویر)

(۳۷) بعد شہادت حضرت عباسؑ راوی نے جناب امام حسینؑ اور اُن کے ساتھ ایک چار سالہ لڑکی (سکینہ) کو گھبرا کر خیمہ سے نکلتے دیکھا۔ اُس کی مختصر تصویر۔

ہائے اُس لڑکی کا مَیں کیا کہُوں کیا عالم تھا زلفیں بکھری ہُوئیں۔ کُرتے کا گریباں پھٹا
ٹوپی اک سمت پڑی۔ ایک طرف سر کی ردا آنکھیں دریا کی طرف۔ اور بدن میں رعشا
گر کوئی پُوچھتا تھا۔ کون ترا قتل ہُوا؟
رو کے کہتی تھی۔ کہ فریاد۔ چچا۔ قتل ہُوا

جناب عباسؑ کی آمد (تصویر)

(۳۸) جناب عباسؑ علمدار کی آمد جنگگاہ کے موقع پر لشکر یزید میں غُل ہو رہا ہے۔

غُل ہے کہ علمدارو۔ علم اپنے سنبھالو ہاں پیدلو۔ ہاں راکبو۔ ہاں برچھیوں والو
یہ مشک تو سُوکھی ہُوئی نیزے پہ اُٹھالو غازی نے کہا۔ جان ہی تم اپنی بچالو
لو آؤ۔ بڑھو نیزے سنبھالو۔ تو مَیں جانُوں
کاندھے سے بھلا مشک اُٹھالو۔ تو مَیں جانُوں

(۳۹) حضرت عباسؑ کی دلیرانہ تقریر و شیرانہ تصویر

(۳۹) حضرت عباسؑ کی دلیرانہ تقریر اور دریا میں در آنے کی شیرانہ تصویر۔

دریا کے نگہبانوں کو عباسؑ نے ٹوکا لو روک لو دریا کہیں پھر ہے نہ دھوکا
وہ بولے کہ روکا ہے یہ بولے نہیں روکا وا۔ دیدۂ بنیار ہا نے ایک نہ روکا
یُوں گھوڑے کو چمکایا کہ سب غش میں پڑے تھے
عباسؑ یہاں دبیر سے دریا میں کھڑے تھے

جناب عباسؑ کی نزع کی مختصر تصویر

(۴۰) جناب عباسؑ شہید کی عالم نزع کی مختصر تصویر

یہ کہتے تھے جو نزع کی ہچکی ہُوئی طاری گردن جو ڈھلی بھائی کو دیکھا گئی باری

تن کانپا ہلیں انگلیاں پاؤں کی بھی ساری اشک آنکھوں سے اور کلمہ زباں سے ہُوا جاری
جھپکی نہ پلک بھی کہ قضا کر گئے عباسؑ
آنکھیں سُوئے مولد رہیں اور مر گئے عباسؑ

(۴۱) جناب امام حسینؑ اپنے فرزند نوجوان ہم شکل محمد مصطفٰے صلعم کی لاش اُٹھانے کو جا رہے ہیں۔

لکھا ہے وا ابتا کی جو ہیں صدا آئی حسینؑ امام کے چہرے پہ مُردنی چھائی
وہ آہ کی کہ ضریح رسولؐ تھرّائی روانہ ہو گئی اشکوں کے ساتھ بینائی
سوارِ دوشِ پیمبرؐ کی آس ٹوٹ گئی
عنانِ صبر تو تھامی۔ لگام چھوٹ گئی

تصویر واقعاتِ غم

قدم قدم پہ ٹھہرتے تھے شاہ تشنہ گلو ہَوا میں سُونگھتے تھے اپنے لال کی خوشبو
زمیں پہ بیٹھ کے گاہے بہاتے تھے آنسو تلاش کرتے تھے ہاتوں سے لاش کو ہر سُو
جو کوئی پوچھتا تھا۔ کیا حضُور ڈھونڈتے ہیں؟
تو رو کے کہتے تھے۔ آنکھوں کا نُور ڈھونڈتے ہیں

اس بند کو دیکھئے۔ کیا اس سے بہتر و مختصر کوئی شخص نثر میں بھی یہ مضمون ادا کر سکتا ہے (نظم تو درکنار)

تمہارے تیرِ جفا کا تو میں نشانا تھا بھلا نبیؐ کے مرقع کو کیوں مٹانا تھا
کہ فیضیاب زیارت سے اک زمانا تھا جو نیزہ سینے پہ مارا تھا دل بچانا تھا
گلہ۔ کسی کا نہیں۔ جو ہُوا۔ سو خوب ہُوا
بتاؤ چاند ہمارا کہاں غروب ہُوا؟

جواب سُنئے

پکارا شمر۔ یہ۔ کوئی نہیں بتانے کا بڑا ثواب ہے سادات کے رُلانے کا

(۴۱) امام حسینؑ اپنے فرزند جوان علی اکبر کی لاش اُٹھانے جاتے ہیں

تصویر واقعات غم

نثر سے زیادہ نظم سلیس

ثواب دشمنوں کا

نہ زندہ چھوڑینگے بچّے بھی اس گھرانے کا ارادہ ہے۔ علی اصغرؑ کے خُوں بہانے کا

جو تیر پار ہو ننھے گلے سے عید کریں

تمہاری گود میں شش ماہے کو شہید کریں

یہ سُن کے اَور طرف شاہ حق شناس چلے کبھی حواس میں اور گاہ بے حواس چلے

نہ تھا یہ ہوش۔ کدھر آئے کس کے پاس چلے پکارتے ہُوئے ہر سُو بحال یاس چلے

مرے جوان۔ مرے عاشق۔ مرے جگر۔ بولو

کہاں سدھارے۔ کدھر چھُپ رہے لپسر بولو

(ایک شخص نے بتا دیا)

یہ کہتے تھے۔ کہ پکارا کوئی ترس کھا کر کہ ایک شیر وہ گھائل پڑا ہے زیر شجر

کہاں کہاں؟ کہا۔ اور دوڑے سبط پیغمبرؐ دُعائیں دے کے اُسے پُوچھنے لگے سرور

بھلا نشان تو دے۔ کیا ثبوت ہوتا ہے

یہ شیر اور ہے۔ یا شیر حق کا پوتا ہے

(سراپا نئی شان کا)

وہ رو کے بولا سنو۔ لمبے لمبے گیسو ہیں ستارہ خال۔ قمر رُخ۔ ہلال ابرو ہیں

علیؑ کے زور کا سانچہ وہ گول بازُو ہیں پسینہ عطر ہے۔ کپڑے تمام خوشبو ہیں

بڑا۔ پتہ تو یہ ہے۔ وہ نبیؐ کا ثانی ہے

وداع عمر ہے۔ اور موسم جوانی ہے

(اور نشانات۔ مرثیت کے پہلو)

دہان خشک سے باہر نکل پڑی ہے زباں زباں کے ساتھ ہے انگشتری بھی مُنہ سے عیاں

کہا حسینؑ نے بس بس وہی ہے میرا جواں انہیں کے واسطے رن میں ہُوں کب سے سرگرداں

نشان لپسر کا ہمیں تجھ سے بھائی جانؔ ملا*

ایک شخص نے نشان بتائی

نئی شان کا سراپا

نشانات

* وہ شخص دشمن کی فوج کا کوئی آدمی ہے۔ مگر پھر بھی آپؑ کو بھائی جان کہ رہے ہیں۔ کہ اس نے علی اکبرؑ کا پتہ بتایا ہے۔ یہ لفظ (بھائی جان) خلق محمدیؐ کی خبر دے رہی ہے۔ جو امام حسینؑ کی طبیعت میں تھا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

امام حسینؑ آگے بڑھے

پر آج خاک میں بالکل مرا نشان ملا

(امام حسینؑ آگے بڑھے)

گئے جو زیرِ شجر اپنے گُل کی بُو پائی ۔ مگر نہ لاش مفصّل اُنہیں نظر آئی
وہ شوق دیکھنے کا اور وہ ضعفِ بینائی ۔ تڑپ تڑپ گیا دل اور رُوح گھبرائی
جدھر سے آئی تھی بُو۔ اُس طرف کو جانے لگے
پسینہ آنے لگا۔ پاؤں تھرتھرانے لگے

آخری باتیں

پُکارے گر کے۔ کدھر ہو۔ کہاں ہو اے بیٹا ۔ پسر نے ہات اُٹھایا۔ اِدھر اِدھر۔ بابا[۱]
یہ حال قبلہ و کعبہ کا آہ کب سے ہُوا؟ ۔ حسینؑ بولے۔ تمہارا مزاج ہے کیسا؟[۲]
کہا پسر نے۔ کوئی دم کی اور ایذا ہے
قدم حضُور کے دیکھے۔ غلام اچھا ہے

(سلاست و فصاحت کا کمال۔ بھلا اسکو نثر تو کیجئے)

سلاست و اختصار اور ترتیب

یہ سُن کے جانبِ آواز شاہِ تشنہ چلے ۔ قریب جاتے ہی مِلنے لگے پسر کے گلے
جبیں جبیں سے مَلی۔ لب پسر کے لب سے ملے ۔ اُٹھا کے سر کو رکھا ایک ہاتھ سر کے تلے
پُکارے ہائے غضب۔ چہرہ زرد ہوتا ہے
وہ بولے۔ میرے کلیجہ میں درد ہوتا ہے

(علی اکبرؑ کا جواب)

علی اکبرؑ کا جواب

ف۱ پسر نے ہاتھ اُٹھایا۔ ادھر ادھر بابا۔ کمالِ بلاغت یہ ہے کہ اضطراب در انتہائے ملال و درد میں جس طرح مجروح آدمی بات کرتا ہے آدھی محذوف کردیتا ہے اُسی طرح نظم کر دیا۔ یہ نہیں کہا کہ ادھر ادھر آئیے۔ یا ادھر ہیں موجود ہُوں +۱۲ مؤلف حقیر۔

ف۲ یہ تقریر امام حسینؑ کی مصیبت و محبّت کی خبر دے رہی ہے کہ علی اکبرؑ تو امام حسینؑ کا حال پُوچھتے ہیں امام حسینؑ اپنا حال کچھ نہیں بتاتے۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ تمہارا مزاج کیسا ہے۔ کیونکہ مصیبت زدہ آدمی ہر بات کا جواب نہیں دیا کرتا۔ اور محبّت کے سبب سے مجروح یا علیل ہی کا حال پُوچھے جاتا ہے +۱۲ مؤلف حقیر۔

وداع ہوتے ہیں جنت کو جاتے ہیں بابا — یہ دیکھئے۔ وہ پیمبرؐ بلاتے ہیں بابا
برہنہ سر مرے دادا ابھی آتے ہیں بابا — چچا حسنؑ بھی وہ تشریف لاتے ہیں بابا
جبیں پہ موت کا ٹھنڈا پسینہ آتا ہے
رگوں کے کھنچنے سے جی سن سنا یا جاتا ہے

خاندانِ رسالت کے شہید کی موت کی **صورت حال۔**

یہ کہہ کے کلمہ کی اُنگلی بلند کی ناگاہ — کہا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
پھرا کے آنکھوں کو کی جانبِ حسینؑ نگاہ — حسینؑ رونے لگے اور پکارے وا اسفاہ
میں زندہ بیٹھا ہوں تم میرے آگے مرتے ہو
پدر کو کلمہ کا اپنے گواہ کرتے ہو

خاندانِ رسالت کے شہید کی موت

(۴۲) امام حسینؑ بنا بر ایک روایت کے مدینہ منورہ میں اپنی ایک بیمار بیٹی فاطمہ صغرےٰ کو چھوڑ کر سفرِ عراق کو گئے ہیں۔ اُن (فاطمہ صغرےٰ) کی تنہائی و اضطرار کی **تصویر۔**

(۴۲) فاطمہ صغرےٰ کی تنہائی کی تصویر

بالوں کو کبھی کھولنا اور خاک سے بھرنا — بند آنکھیں کئے۔ دل سے بیاں باپ کا کرنا
اُٹھ بیٹھنا۔ اور بیٹھ کے سر تکئے پہ دھرنا — سنسان مکاں دیکھنا۔ اور دیکھ کے ڈرنا
خود کہنا کہ بابا سے نہ دُنیا میں ملیں گے
پھر آپ ہی سمجھانا کہ عقبا میں ملیں گے

اضطرار اور انتشار

مایوسی کے عالم میں بڑھانا کبھی زیور — یعنی نہ ملاقاتِ پدر ہو گی مُیسّر
گہنے کو پہننا کبھی اور کہنا یہ ہنس کر — اللہ کرے آتے ہوں فرزندِ پیمبرؐ
گہ ذکرِ شہِ دیں۔ کبھی عباسؑ کی باتیں
گہ یاس کی باتیں تو کبھی آس کی باتیں

سمجھاتی تھیں نانی* تو یہ کہتی تھی وہ بیمار — جو جو تھا مقدر میں وہ ہوتا ہے نمودار

* نانی سے یہاں مراد اُمّ المومنین اُمِ سلمہؓ سے ہے۔ جن کو امام حسینؑ مدینہ میں چھوڑ گئے تھے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

آگے تھا بخار اب ہؤا وحشت کا بھی آزار
اس حال سے ہوتی ہے خجالت[1] مجھے ہر بار
غفلت میں تو کیا کیا نہیں کہ جاتی ہوں نانی
پھر ہوش جو آتا ہے تو شرماتی ہوں نانی

سب رنج و قلق میرے مقدر کے لئے تھا
سوزِ تپ ہجراں تنِ لاغر کے لئے تھا
داغِ غمِ فرقت دلِ مضطر کے لئے تھا
دوراں زمانے کا مرے سر کے لئے تھا
نے دیکھنے کو شاہ کے ۔ نے سونے کی خاطر
تقدیر نے دی آنکھ ہمیں رونے کی خاطر

(۳۴) امام حسینؑ روز عاشورا درگاہ خدا میں مناجات فرماتے ہیں۔

(۳۴) مناجات امام حسینؑ

توُ نے بچپن میں کھلائے ثمرِ خلدِ بریں
اب اگر تیرا فاقہ ہے نہیں کچھ میں حزیں
چوُسی چھٹپن میں زباں نبیؐ عرش نشیں
آج اگر پینے کو پانی نہیں۔ تو خیر نہیں
ایک دن حلق تھا اور فاطمہؑ کے شبیر کی دھار
آج راضی ہوں گلے پر چلے شمشیر کی دھار

درِّ دنداں مرے نانا نے تجھے نذر دیا
لے گئیں نذر کو داغِ غمِ احمد زہراؑ
سر خوُد ہے ترے دربار میں بابا مرا
دل کے ٹکڑے مرے بھائی کے[2] گئے تجھ پہ فدا
آج شبیرؑ بھی ان سب کے مقابل ہو جائے
سر مرا گر تری سرکار کے قابل ہو جائے

پنجتن پاک

---

۱ خجالن لغۃً غلط ہے خجلت صحیح ہے مگر عورتیں خجالت ہی بولتی ہیں ورنہ اس وزن کا لفظ ندامت موجود ہے مگر اس میں وہ بات کہاں ۱۲ مؤلف حقیر۔

۲ جناب سرورِ کائنات صلعم کا دندان مبارک اُحد کی لڑائی میں شہید ہوا تھا مصرعِ اول میں اس مصیبت کی طرف اشارہ ہے مصرع دوم میں جناب فاطمہ زہراؑ کو جو صدمہ بعد وفات حضور صلعم پیش آئے انکو کنایۃً بیان فرمایا تیسرے مصرع میں جناب امیرؑ کے مسجد کوفہ میں سر پر تلوار کھانیکا اشارہ ہے کہ سر خون سے رُوئے مبارک سُرخ ہو گیا تھا چوتھے مصرع میں امام حسنؑ کے حال کو بالاجمال بیان کیا کہ زہر سے دل پارہ پارہ ہو کر تھوکنے کے ذریعے وہ ٹکڑے لگن میں گرے تھے یہ میں خوش ہوں کہ (میں بھی انہیں بزرگوں کا بقیہ یادگار ہوں) مجھے بھی انہیں کی طرح کامیاب کر دے۔ اور درجۂ شہادت عنایت فرما کتنا بڑا مضمون ایک بند میں نظم فرما دیا۔ یہ زبان پر انتہائی قدرت ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

تُو شہنشاہ شہنشاہوں کا ہے بارِ خُدا | ہیں برابر تری درگاہ میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جاں باز ہے البتّہ جُدا | اے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا

حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلّاد رہے
لب پہ ہو نام ترا۔ دل میں تری یاد رہے[1]

(۴۴) مادرِ علی اصغرؑ کا علی اصغرؑ کو قید خانہ شام میں یاد کرنا۔ (تصویر)

یاد آتے ہیں اصغرؑ مجھے اب تک نہیں بھولے | چھوٹا سا وہ قد۔ چاند سا مُنہ۔ بال جھنڈولے
ایسے گئے گہوارے میں پھر آ کے نہ جھولے | پھل تیر کا کھایا نہ پھلے اور نہ پھولے

اب جا کے مَیں اصغرؑ کو وہاں پیار کروں گی
اُس چھوٹی سی میّت کو کلیجے پہ دھروں گی

(۴۵) عہدِ حضور صلعم میں ایک ایسی عید آئی۔ کہ حسنینؑ کے پاس نئی پوشاک نہ تھی۔

القصّہ سُن کے چار طرف عید کی خبر | آئے حضورِ فاطمہؑ۔ سبطینِ نامور
باہیں گلے میں ایک نے ڈالیں اِدھر اُدھر | اک سینے سے لپٹ گیا جلدی جھکا کے سر

بولے حسنؑ۔ ہمیں پہ بہت مہربان ہیں
شبیرؑ بولے۔ واہ مری امّاں جان ہیں[2]

اب دیکھئے۔ جناب فاطمہ زہراؑ ایسا جواب دیتی ہیں۔ کہ دونوں میں سے کسی سے محبت کم نہ ثابت ہو کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

ماں بولی۔ ہم تو دونوں کے قربان جاتے ہیں | اُٹھنا نہ چاہو تم۔ مجھے وسواس آتے ہیں
حاسد کی چشم زخم سے ہم ہول کھاتے ہیں | سب سے چھُپا کے تم کو گلے سے لگاتے ہیں

(۴۳) بیت سہل ممتنع ہے

(۴۴) علی اصغرؑ کی ماں قید خانے میں علی اصغرؑ کو یاد کرتی ہیں

(۴۵) حسنینؑ کے پاس نئی پوشاک نہیں ہے اور عید آ گئی ہے ماں کا جواب دونوں بیٹوں کی برابری کی تمیز مع دلیل اور ثبوت شاعرانہ

---

[1] یہ مشہور و مقبول مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے ع جب ہُوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؑ۔ ابتدا سے انتہا تک ایسا ہی فصیح ہے جس کی مناجات کا جواب ہے۔ جلد دوم میں حقیر نے بہت سے بند انتخاب کیے ہیں۔ دفتر ماتم کی بارھویں جلد میں بھی یہ مرثیہ چھپ چکا ہے۔ یہ بیت سہل ممتنع کی صف میں آتی ہے۔ حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے۔ لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے۔

[2] بچے جس طرح ماں سے لاڈ کرتے ہیں۔ اُس کی تصویر لفظوں میں کھینچ دی ہے۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

خاصانِ حق کے خاص ہو نیکوں کے نیک ہو

مثلِ نگاہ۔ تم مری آنکھوں میں ایک ہو[1]

(۴۶) حضرت امام حسینؑ کی تنہائی اور جاں نثار جرار بھائی اور نوجوان فرزند کی یاد۔

حال کمر و چشم پہ کہتے ہیں بصد یاس — کیوں بند کمر توڑ گئے تجھ کو بھی عباسؑ

مَیں جانتا تھا بھائی سے تو رہتی ہے فقط آس — عباسؑ کو کیا روؤں کہ اکبرؑ بھی نہیں پاس

مَیں جانتا تھا دردِ جگر دے گئے اکبرؑ

کیوں چشم بصارت بھی تری لے گئے اکبرؑ

اے چشم جواں مرگ کے حق کو تو ادا کر — جس نے تجھے بے نور کیا اُس پہ بُکا کر

اے سینۂ محزون علمِ آہ بپا کر — مظلوم علمدارِ حسینی کی عزا کر

اے دل نہ تڑپ۔ یادِ سکینہ کی بھلا دے

اے خشک زباں۔ نانا کی اُمّت کو دعا دے[2]

(۴۷) عرب کی دھوپ اور گرمی ضرب المثل ہے۔ مرزا صاحب روزِ عاشورا ۶۱ھ کی گرمی کی یوں تصویر کھینچتے ہیں۔

کیا گرم ہوا قہر کی مقتل میں چلی ہے — دن ڈھل گیا ہے دھوپ نہیں دن کی ڈھلی ہے

وہ دھوپ کہ مرغان ہوا کرتے ہیں نالا — بس ہات دھرا قبضے پہ اور پڑ گیا چھالا

بریاں ہُوا دانہ بھی زراعت میں جو ڈالا — اس دھوپ میں اس لو میں کھڑے ہیں شہِ والا

پانی کے عوض آگ برستی ہے زمیں پر

پر تیروں کی بوچھار ہے جسمِ شہِ دیں پر[3]

(۴۶) تنہائی میں امام حسینؑ کا بیٹے اور بھائی کو یاد فرمانا

(۴۷) گرمی اور دھوپ

[1] آدمی کی آنکھیں دو ہوتی ہیں مگر نگاہ ایک ہوتی ہے۔ دونوں نور چشموں کا ایک ہی مرتبہ ہونا کس خوبی سے ثابت کیا ہے کیا حسن تعلیل اس سے بہتر ہو سکتی ہے تمام عرب و عجم کے دیوان چھان ڈالئے ایسے مضامین نہیں ملینگے۔ یہ مرثیہ بھی دفتر ماتم کی تیرھویں جلد میں چھپ چکا ہے جس کا مطلع مشہور ہے ع سرتاج کائنات حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ مؤلف حقیر

[2] دفتر ماتم کی تیرھویں جلد میں یہ مرثیہ چھپ چکا ہے اس کا مطلع یہ ہے ع تسبیح امامت جو گری خاک شفا پر۔ اچھا مرثیہ ہے۔ مؤلف حقیر۔

[3] دفتر ماتم کی چودھویں جلد میں یہ مرثیہ چھپ چکا ہے اس کا مطلع یہ ہے ع جب سبکہ زن اشرفیٔ مہر ہُوا روز۔ مؤلف حقیر۔

سایہ کے تجسّس میں بشر پھرتے ہیں ششدر سایہ تہِ دیوار و شجر بیٹھا ہے چھپ کر
سب لیتے پناہ اپنے ہی سایہ میں مقرر پر دھوپ نے سایہ ہی جلا ڈالا سراسر

مضمون عدم سایہ کا یہ مَیں نے نکالا
سایہ نے بھی آج آپ کو دریا میں ہے ڈالا

نایاب ہیں مرغانِ ہوا صورتِ عنقا بیٹھے ہیں سراسیمہ چرندے لبِ دریا
بالائے فلک ایک پرندہ نہیں پیدا پر اوجِ امامت کا ہُما رن میں ہے تنہا

کیا قہر[1] ہے۔ سایہ نہیں[2]۔ اور دھوپ[3] کڑی ہے
کیا ظلم[1] ہے۔ پانی نہیں[2]۔ اور پیاس[3] بڑی ہے

سرسام فلک کو ہُوا ہے گرم ہوا سے شب ہو تو ملے شیرِ کواکب کفِ پا سے
کافور قمر اُڑ گیا ہے دارِ شفا سے گرمی یہ ہے اور عابدؑ بیمار ہیں پیاسے

بالائے زمیں دھوپ کی زردی سے عیاں ہے
گردوں کو ہے سرسام زمیں کو یرقاں[2] ہے

اب ایک ایسے مرثیہ میں سے تحت کے چند بند لکھتا ہوں۔ جو نہ تقسیم ہُوا ہے۔ نہ چھپا ہے۔ بلکہ اس کتاب کی رونق و عزت بڑھانے کے واسطے جناب استاذی و ملاذی حضرت اوج مدظلہ نے یہ چند بند عنایت فرمائے ہیں۔ کہ یہ سب کلام حسب وصیت جناب دبیر مرحوم محفوظ ہے۔ مَیں جناب ممدوح کے شکریہ کے ساتھ ان جواہرات کو ناظرین جوہر شناس کے روبرو پیش کرتا ہوں۔

تنہا کھڑے ہیں رن میں امامِ فلک جناب گرمی دکھا رہا ہے قیامت کی آفتاب

ف[1] یہ ٹیپ مسجع ہے کہ ہر مصرع کے تین تین جزو بالمقابل وزن میں آئے ہیں۔ مگر کس قدر بے ساختہ پن ہے + ۱۲ مولف

ف[3] علم طب کے ماہر اس بند کو بغور دیکھیں اور اس تخئیل کی داد دیں۔ یہ تینوں بند بھی اُسی مرثیہ سے لئے ہیں۔ جس کا مطلع اُوپر لکھ چکا ہوں۔ ع لتسبیح امامت۔ جو گری خاکِ شفا پر + ۱۲ مولف حقیر۔

بے آگ مرغ قبلہ نما ہوتے ہیں کباب خطِ غبار سے ہے لپی - ابر ہی سحاب

چھالا ہے آفتاب کا - گردن کے پاؤں میں

خود چھپ رہی ہے دھوپ درختوں کی چھاؤں میں

مٹی خراب چرخ پہ ہے برج آب کی رنگت ہے برج حوت میں ماہی کباب کی

دریا میں آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی حدت ہے موج موج میں تیرِ شہاب کی

فوارے کو نہ حوض میں گرمی سے کل پڑی

پانی کی بھی زبان دہن سے نکل پڑی[1]

آتش بدل بھنور ہیں تو موجیں ہیں شعلہ وش آتے ہیں مچھلیوں کو حرارت سے غش پہ غش

سوزِ جگر سے مردم آبی ہیں نالہ کش نوحہ ہے تین روز کے پیاسوں کا العطش

نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں

تر دامنی سے شہروں میں زاہد وضو کریں[2]

جو نخل سایہ دار ہیں وہ بے نشان ہیں بالائے سر کھنچے ہوئے نو سائبان ہیں[3]

اک سایۂ حسینؑ میں دونوں جہان ہیں چوگرد سات چتر لئے آسمان ہیں

---

[1] مولوی شبلی صاحب نے موازنہ میں شعر مرزا صائب کا صفحہ ۱۳۵ پر لکھا ہے۔ نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوضہا کردہ است از تشنگی بیروں زبان خویش آب۔ شعرا جانتے ہیں کہ اس قسم کا اکثر توارد ہو جاتا ہے اور جو شخص نیک طینت تجربہ کار رہتا ہے وہ ضرور ایسا خیال کرتا ہے۔ در جو دوسری طرح کی طبیعت رکھتا ہے وہ سرقہ کی تہمت لگا دیتا ہے۔ حقیر ایک سلام میں کہتا ہے جو نیک ہیں وہ سمجھتے ہیں نیک اور رکھو خیال جیسا ہے ویسا ہی خوب دیکھتے ہیں۔ غالباً مرزا صاحب کو مرزا صائب کے شعر کا علم نہ ہو گا یا بہمہ دونوں میں ایک باریک فرق بھی ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں پانی نے اپنی زبان نکال دی گویا یہ فعل اختیاری ہوا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ زبان دہن سے نکل پڑی یہ فعل پانی کا اضطراری ہے جو پانی میں پیاس کی کمال شدت کو ظاہر کرتا ہے کہ گرمی و پیاس کی شدت میں بے اختیار زبان منہ سے نکل پڑتی ہے اس بنا پر دبیر مرحوم کا شعر صائب سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ ابھی تک میری نظر سے یہ شعر دیوان صائب میں نہیں گذرا ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] زہد کو بے آبرو کرنے کی وجہ کیسی عمدہ نکالی ہے کہ تر دامنی یعنی گناہ سے وضو کریں مطلب یہ ہے کہ اس قدر (عالم میں) ریاکاری بڑھ گئی ہے کہ زاہدان بانی گناہ کو ہی ذریعہ عبادت الٰہی کرنا چاہتے ہیں۔ یہی حال و اتنی سنہ ۶ھ میں عام مسلمانوں کا تھا ۱۲ مؤلف حقیر۔

[3] نو سائبان سے مراد نو آسمان ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

قامت کی زیب گیسوئے شاہ جلیل ہیں
پر کھولے۔ ایک سدرے پہ۔ دو۔ جبرئیل ہیں*

(۴۸) عرب آج بھی اپنے گھوڑوں سے باتیں کرتے ہیں۔ اور گھوڑے زبان اشارہ سے جواب دیتے ہیں۔ اس مضمون کو دیکھئے کیسی سلاست و نفاست سے مرزا صاحب ادا کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کے حال میں

راکب پہ کبھی مرکب پہ کبھی ہے تبسّر افاقا — بند آنکھیں ہیں ہوار کی اور غش میں ہیں آقا
فرصت نہ انہیں ضعف سے نے اُس کو افاقا — دُنیا میں ہیں۔ لیکن نہیں دُنیا سے علاقا
مولا کے رکابوں سے قدم چھوٹ چکے ہیں
اتنا بھی فقط گھوڑے کے روکے سے رُکے ہیں

مرکب کا ہے یہ حال کہ جب ہوش میں آنا — راکب کی طرف خوں بھری گردن کو پھرانا
اور دیکھ کے بے حال انہیں یہ حرف سُنانا — آقا مجھے بے صاحب و وارث نہ بنانا
مولا مرے سنبھلو کہ مجھے خوف بڑے ہیں
تم غش میں ہو اور ناک میں جلّاد کھڑے ہیں

شہ کہتے ہیں مجھ کو غم اکبرؑ ہے گراتا — گھوڑے میں سنبھلتا ہوں پہ سنبھلا نہیں جاتا
طاقت میں بھلا پاتا تو گردن کو جھکاتا — اس وقت میں۔ ملنے کو سکینہ سے نہ جاتا
جانے وہی جس پر یہ بلا آئی ہے گھوڑے
مجبوری ہے۔ ناچاری ہے تنہائی ہے گھوڑے

* ایک سدرہ پر دو پر کھولے ہوئے جبریل ہیں۔ اس میں قامت امام حسینؑ کو مصنف نے سدرۃ المنتہےٰ قرار دیا۔ اور دونوں گیسوے امامؑ کو جبرئیلؑ کے دو پروں سے تعبیر کیا۔ اس میں دُو کی لفظ ضرور اپنے مقام سے کچھ ہٹی ہوئی ہے۔ مگر ایسی تعقیب سے کسی شاعر کا کلام خالی نہیں ہے۔ اور ہر شاعر وزن و قافیہ کی رعایت سے نظم میں الفاظ آگے پیچھے لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو۔ تو نظم و نثر میں پھر فرق ہی کیا ہے۔ ع والعذر عند کرام الناس مقبولُ ۱۲ مؤلف حقیر

اعدا کا اگر ہوش بجا ہے تو بجا ہے — اُن کا علی اکبر سا پسر کون ہُوا ہے

بچّوں کے لئے سایہ ہے پروا نہیں کیا ہے — یاں دُھوپ میں لاشہ مرے اصغر کا پڑا ہے

ناموس عدو خیمہ میں بے رنج و محن ہے

اور در پہ وہ سر ننگے کھڑی میری بہن ہے[۱]

(۴۹) دربار یزید میں جس وقت اور شہیدوں کا ذکر ہوتے ہوتے علی اصغر کا ذکر ہوا۔ تو ایک قاتل (حرملہ بن کاہل) نے کہا۔ کہ اُس دُودھ پینے بچّے کو میں نے تیر سے مارا تھا۔ اُس موقع پر کہتے ہیں۔

زانو پہ ہات مار کے چلّایا وہ شریر — بچّہ کا کیا قصور تھا کیوں مارا اُس کو تیر

اُس نے کہا خوشی کیلئے تیری۔ اے امیر — حاضر ہے سر بھی پھول میں اٹکا ہے اب تک بھرا تیر

بولا یزید عذر و سماجت کرونگا میں

لا بے خطا کے سر کی زیارت کرونگا میں

جب سر علی اصغر روبرو آیا۔ اُس موقع کی تصویر دیکھئے

دیکھا بہت یزید نے ششماہے کا جمال — وہ بھولی بھولی شکل وہ بکھرے ہوئے بال

آنکھوں کو ڈبڈبا کے کیا شمر سے نقال — پھولوں کے ساتھ ہوگئیں کلیاں بھی پائمال

میرے تو ہوش دیکھ کے یہ سر بجا نہیں

بتلا کہیں گُڑھا تھا نہ اُدل بھی یا نہیں

(۴۹) دربار یزید میں علی اصغر کا بیان

تصویر مختصر لفظوں میں

---

[۱] یہ بند بھی اُسی مرثیہ میں سے ہیں۔ ع جب سکۂ زن اشرفی مہر ہوا روز + ۱۲ مؤلف بے بضاعت۔

[۲] اگر یورپ کی طرح آج ہمارا ملک بھی علوم و فنون کا قدردان ہوتا۔ اور وہاں کے شعرا کی طرح شعرائے اردو کے الفاظ کی بھی چھان بنان کی جاتی۔ تو معلوم ہوتا۔ کہ مرزا دبیر مرحوم نے سب شعرائے اردو سے زیادہ الفاظ خوش سلیقگی سے نظم کئے ہیں۔ کیونکہ واقعات ہر قسم کے ان کے مرثیوں میں ہیں۔ میرے خیال میں روزمرۂ "آنکھوں کو ڈبڈبا کے" بھی اوّل اوّل مرزا صاحب نے باندھا ہے۔ اور اس مصرع کا تو جواب ہی نہیں ع پھولوں کے ساتھ ہوگئیں کلیاں بھی پائمال جس مرثیہ سے یہ بند لئے ہیں وہ بھی ابھی تک نہیں چھپا۔ میرے پاس قلمی ہے مطلع اس کا یہ ہے ع اے آسمان زمین عدم میں نہاں ہو آج + ۱۲ مؤلف حقیر

عشق خدا کا بار

(۵۰) جس مضمون کو میں ذیل میں ایک مرثیہ غیر تقسیمی سے لکھنا چاہتا ہوں یہ ایک مشہور مضمون ہے۔ اور قریب قریب اکثر شعرا نے اس کو مختلف طریقوں سے نظم کیا ہے۔ اور آیہ کریمہ تحت سے یہ مضمون لیا ہے یانا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا۔[۱] جس کا مفہوم ظاہری یہ ہے۔ کہ اُس بار امانت خدا کو صرف انسان نے اُٹھایا ہے جس کے اُٹھانے سے آسمانوں۔ زمینوں۔ پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا تھا۔ بار امانت سے مراد علما نے راہ خدا میں مصیبت اُٹھانے سے لی ہے[۲]۔ حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

آتش مرحوم فرماتے ہیں ؎

ہو رہے ہیں ظلم ہفت افلاک کے امتحاں ہیں ایک مشت خاک کے

کتاب کے حجم بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ تو اور بھی شعرا کے کچھ اشعار یہاں میں لکھتا۔ خیر اب مرزا صاحب مرحوم کی نظم اُس بزرگوار کے حال میں سُنئے جس سے بڑھ کر روئے زمین پر کسی نے خدا کے واسطے مصیبتیں نہیں اُٹھائیں۔ مثل مشہور ہے۔ کہ حصہ بقدر جثہ۔ از بسکہ امام حسینؑ پر مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ فلہذا حضرت سب سے بڑے امانت دار خدا کے ہوئے۔ اس امانت کو مصنف ممدوح نے عشق خدا سے تعبیر کیا ہے۔ اور کمال یہ کیا ہے۔ کہ اسی لفظ (عشق خدا) سے مرثیہ شروع کیا ہے۔

عشق خدا کا بار
نئے غیر تقسیمی مرثیہ کا مطلع

مطلع

عشق خدا کا بار نہ کہسار سے اُٹھا افلاک سے نہ عرش ضیا بار سے اُٹھا

---

[۱] لفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہو سکتا ہے کہ تحقیق کہ ہم نے امانت کو زمینوں اور آسمانوں اور پہاڑوں پر عرض کیا مگر سبھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ اس لئے کہ وہ ظلوم و جہول ہے ۱۲ مؤلف ہیچمدان۔

[۲] جس کو عشق حقیقی و عشق خدا اور آزمائش و امتحان و بلا بھی کہتے ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

یہ کیا۔ نہ انبیائے خوش اطوار سے اٹھا لیکن حسینؑ بےکس و بےیار سے اٹھا

رُخ زرد۔ آدم و ملک و جن کا ہو گیا

یہ ہو گئے خدا کے خدا ان کا ہو گیا[1]

اللہ رے حُسن عقل کہ عشقِ خدا لیا لُبِّ لبابؔ[2] چشمۂ آبِ بقا لیا

نعمت وہ لی کہ دل کی زباں نے مزا لیا تریاق زہرِ تشنگیِ کربلا لیا[3]

بارِ گراں عشق کے حامل حسینؑ ہیں

شاہد خدا ہے عاشقِ کامل حسینؑ ہیں

خود بیں نہیں۔ ازل سے خدا بیں حسینؑ ہیں چشم مبیں۔ صاحبِ لیسیں حسینؑ ہیں

گلزارِ حُسن کے گلِ رنگیں حسینؑ ہیں پرحق کے باغِ عشق کے گلچیں حسینؑ ہیں

شیشکوں کی مثال

---

[1] اس موقع پر خود مصنف مرحوم نے حاشیہ پر ایک حدیث قدسی لکھی ہے جو اسلام کے دو بڑے فرقوں سُنّی و شیعہ میں متفق علیہ پائی جاتی ہے میں بھی اسکو لکھ دوں جس سے اس بند کا لطف زیادہ ہو جائیگا۔ یہ بند بھی عطیہ حضرت اوج مدظلہ ہے۔ من طلبنی فطلبتہ۔ ومن طلبہ فوجدنی ومن وجدنی نعرفنی۔ ومن عرفنی فعشقنی۔ ومن عشقنی فعشقتہ۔ ومن عشقتہ فقتلتہ۔ ومن قتلتہ فانا دیتہ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ (خدا فرماتا ہے) جو میرا طالب ہوا میں بھی اس کا طالب ہوا اور جو میرا طالب ہے اُس نے مجھے پایا۔ اور جس نے مجھے پایا اُس نے مجھے پہچانا۔ اور جس نے مجھے پہچانا وہ مجھ پر عاشق ہوا۔ اور جو مجھ پر عاشق ہوا میں بھی اس کا عاشق ہوا اور جس کا میں عاشق ہوا اُس کو میں نے قتل کیا۔ اور جس کو میں نے قتل کیا اُس کا خون بہا میں خود ہوں گویا میں نے اپنی ذات کو اُس کے اختیار میں دیدیا جو اُس میرے معشوق کی رضا ہے وہی میری رضا ہے۔ اس بنا پر مصنف مرحوم نے کہا ع یہ ہو گئے خدا کے خدا ان کا ہو گیا + ۱۲ مؤلف۔

[2] یہ بھی ویسی ہی لفظ معلوم ہوتی ہے جس کو شاید مرزا صاحب کے زمانہ تک کے شعراء مستند میں سے بجز ان کے کسی نے نظم نہیں کیا۔ لُبِّ لباب یعنی منتخب میں کا انتخاب کیا ہوا جیسے پھول خوشبودار ہوتا ہے اُس کا عطر بنایا پھر عطر کی رُوح کھینچی مصنف کہتے ہیں کہ امام حسینؑ جو شہید راہ خدا ہو کر زندہ جاوید ہو گئے تو انہوں نے چشمۂ آب بقا کا لُبِّ لباب لیلیا جو لوگ مرزا صاحب کے کلام میں اس بنا پر کلام کرتے ہیں کہ وہ دقیق لفظ بہت لاتے ہیں ان سے آپ میری طرف سے ذرا پوچھئے تو کہ جناب اس جگہ آپ اُردو یا فارسی کے دوسرے لفظ تو عرفاً بتائیے جس میں حُسن و ربط اثر ہو اور یہ مطلب ادا ہو سکے + ۱۲ مؤلف۔

[3] اسی طرح تریاق زہر تشنگی کربلا کو دیکھئے کہ اس کا مرادف دوسرا لفظ شاید نہ ملیگا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

کی طاعت خُدا و خدا کے فدائی نے

جو مان لی خدا کی خُدائی۔ خُدائی[1] نے

اب یہ مسئلہ مصنف ممدوح بیان فرماتے ہیں کہ عشقِ خدا تو ہر ایک شخص میں پایا جاتا ہے۔ مگر درجات کا فرق ہے۔ سب سے اعلےٰ درجہ امام حسینؑ کو ملا ہے۔ کہ وہ جناب امتحان میں پُورے اُترے۔

ہر جزو و کُل کو عشق خدا ہے بقدر حال
پر امتحانِ عشق کی برداشت ہے محال

وہ کیا ہے یاس و حسرت و رنج و غم و ملال
شمعِ مراد گُل۔ گُلِ امید پائمال

یہ بار قابلِ شہِ عالی تبار تھا
ہوگا۔ نہ ہے۔ نہ ایسا کوئی بُردبار تھا

مصائب کی فہرست بالاجمال

اب مصنف اُن مصائب کی (جن میں امام حسینؑ کا امتحان ہُوا) بالاجمال گویا فہرست بیان کرتے ہیں۔

وہ بار کیا تھا ہجرتِ یثرب۔ سفر کا داغ[2]
سوزش عطش[3] کی دل میں اور اُس پر جگر کا داغ[4]

اکبرؑ[5] کا داغ مثلِ قمر۔ عمر بھر کا داغ
بھائی[6] کا داغ شکل میں مرگِ پدر کا داغ

یہ داغ کس نبیؐ نے سہے کس رسُولؐ نے
غم کے پہاڑ اٹھا لئے زہراؑ کے پھول نے[7]

وہ بار کیا تھا دربدری اہلبیتؑ کی
بے وارثی[8] و بے پدری اہلبیتؑ کی

بچوں[9] کی موت نوحہ گری اہلبیتؑ کی
درباروں[10] میں برہنہ سری اہلبیتؑ کی

سے ۱ خدا اور خدائی یعنی دونوں لفظوں کی تکرار نے جان ڈال دی ہے خدا کے فدائی نے اپنے خدا کی عبادت کی کہ خدا کی خدائی (معبودیت) کو تمام خدائی یعنی مخلوقات نے مان لیا ایک لفظ خدائی کو دو معنی پر ایک ہی مصرع میں لانے سے الفاظ مضمون بن گئے ہیں ۔ ۱۲ مؤلف۔

سے ۲ یہ نازک خیالی ہر شاعر کے خیال میں نہیں آتی ہے سہل ممتنع ایسی نظم کو کہتے ہیں جیسی یہ ہے حق تو یہ ہے کہ تعریف سے زبان قاصر ہے دل جو لطف آتا ہے اُس کے بیان کرنے سے زبان مجبور ہے اگر دل کو خدا نے ایک علیحدہ زبان دی ہوتی تو شاید اس کی خوبی وہ بیان کر سکتا آیۂ کریمہ کو پر جب غور کیجیگا تو معلوم ہوگا کہ اس بار کے اٹھانے سے زمینوں اور آسمانوں نے انکار کیا اور انسان ضعیف نے اُسکو اُٹھا لیا تو ایسی عظیم الشان زمین و آسمان کے مقابلہ میں انسان بمنزلہ ایک پھول کے ہے اور وہ بار گویا پہاڑ ہیں بس غم کے پہاڑ اٹھا لئے زہراؑ کے پھول نے یہ مضمون سچا اور لاجواب مصرع ہے گو بظاہر مبالغہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں مبالغہ نہیں ۔ مؤلف ہیچمدان۔

گریاں سکینہؑ۔ شاہ مدینہ کے واسطے
تسکین کو طمانچہ سکینہ کے واسطے

(امام حسینؑ کی کارگذاری)

امام حسینؑ کی کارگذاری

ہمت یہ کی حسینؑ نے اُمت کے واسطے
سر پر لیا یہ بار شفاعت کے واسطے
باندھا کمر کو چُست شہادت کے واسطے
سب کچھ کیا محبوں کی راحت کے واسطے
غربت میں ننھے بچوں سے آکر بچھڑ گئے
اُمت کو عافیت دی[1]۔ خود آفت میں پڑ گئے
یہ بار جب پسند شہ کربلا ہُوا
ارشاد ذوالجلال کا یہ برملا ہُوا
احسنت اے حسینؑ بہت خوش خدا ہُوا
پر خون کی دیت میں بھی سب کچھ عطا ہُوا
ہر شے پہ اختیار ہمیشہ رہا ترا
تو فدیۂ خدا ہے۔ خدا خوں بہا[2] ترا

[1] عافیت اور آفت دو لفظوں کے ایک مصرع میں آنے سے جان پڑ گئی ہے۔ جو دونوں بظاہر ملتی جلتی ہوئی ہیں۔ مگر معنی میں گویا متضاد ہیں۔ صنائع ایسی سلاست سے نظم ہوں جب قابل تعریف ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] حدیث قدسی جو اُوپر میں لکھ چکا ہوں۔ وہ اس موقع پر پھر پڑھ جانا چاہئے خصوصاً یہ فقرہ "فَاَنَا دِیَتُہٗ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں خود اس بندۂ مظلوم و مقتول کا خون بہا ہوں۔ اسی کا مضمون اس ٹیپ میں نظم ہے +

یہ پچاس[۵۰] نمونے اس مقام پر میں نے لکھ دئے ہیں علاوہ اس کے اور کلام جابجا متفرق درج ہے مسلسل کلام جن صاحب کو دیکھنا ہو۔ وہ اس کتاب کی جلد ثانی ملاحظ فرمائیں جو انشاء اللہ جلد اوّل کے بعد ہی چھپیگی بالکل طیار لکھی ہوئی ہے۔ یا اصل بیس جلدیں دفتر ماتم کی جو لکھنؤ چوک۔ میر عبد الحسین صاحب تاجر کتب سے دس[عللہ] روپیہ میں ملتی ہیں منگا کر ملاحظ فرمائیں۔ آپ لوگوں کی آسانی کے خیال سے میں نے جابجا مرثیوں کے مطلع لکھکر لکھ دیا ہے۔ کہ وہ مرثیہ کس جلد میں چھپا ہے۔ آپ اصل مرثیہ اُسی جلد میں دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ جو انتخاب کلام غیر مطبوعہ و غیر تقسیمی کا میں نے اُوپر کیا ہے۔ وہ اُن جلدوں میں نہیں ملیگا۔ بلکہ انشاء اللہ وہ کلام حیات دبیر جلد ثانی میں آپ کے ملاحظ سے گذریگا + ۱۲ مؤلف حقیر +

ناظر:بن حق ہیں!! اچھا اب میں اُن چیزوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو مرثیہ میں جناب مرزا مرحوم نے ایجاد فرمائی ہیں+

بابِ نہم۔ ایجاداتِ دبیرؒ

فصل ۱

یہ بات اس کتاب کے دیکھنے والے سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ مرزا صاحب نے تخمیناً بارہ برس کی عمر میں مرثیہ پڑھنا اور کہنا شروع کیا ۱۲۱۸ھ کی اُن کی پیدائش تھی ۱۲۳۰ھ میں تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کا زمانہ تھا۔ تین چار برس میں مرزا صاحب کو لکھنؤ میں شہرت ہو گئی۔ کہ مجالس عزا کا بہت چرچا تھا۔ تصنیف کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا ۱۲۳۵ھ ہجری میں غازی الدین حیدر کو بادشاہ کا خطاب ملا۔ ادھر بادشاہ اودھ کا سکہ پڑا۔ ادھر دلوں پر اس شاہ نظم کا سکہ بیٹھ گیا۔ اُس زمانہ میں جو مرثیہ گو شاعر تھے۔ اُن میں سے ضمیرؔ۔ خلیقؔ۔ دلگیرؔ۔ فصیحؔ اُستاد مانے جاتے تھے۔ پس مرزا صاحب کے پرانے مرثیوں کو اُن بزرگواروں کے مرثیوں سے ملانے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے بہت سی باتوں میں ایجاد و اختراع کی۔ ان چاروں مرثیہ گو شاعروں کی موجودگی میں ہی ملک نے مرزا صاحب کو مستند مرثیہ گو مان لیا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر فسانۂ عجائب کی عبارت سے (جو عہد غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر میں کئی برس کی محنت شاق کے بعد مسجع و مقفےٰ عبارت میں لکھا گیا) ثابت کر چکا ہوں میر انیس صاحب جو آج مرزا صاحب کے مدمقابل سمجھے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی شاعری و شہرت کے عرصۂ دراز ۲۵ یا ۳۰ سال کے بعد عہد امجد علی شاہ میں فیض آباد سے لکھنؤ میں تشریف لائے۔ اُس زمانہ تک مرزا صاحب کو اس قدر مقبولیت ہو چکی تھی۔ کہ شاہزادوں اور شاہزادیوں اور شرفا و اہل علم میں سے ہزاروں ان کے شاگرد تھے۔ شاگردوں کے شاگرد بھی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ

مرزا صاحب کی شہرت و زمانہ ترقی کے اساتذہ

تذکرہ سراپا سخن میں صفحہ ۴۴ پر شاہزادہ والا گوہر قیصر (شاہزادہ دہلی) کو شیخ گوہر علی صاحب مشیر مرحوم کا شاگرد لکھا ہے۔ جناب ناسخ مرحوم اور حضرت آتش مغفور کے شاگردوں میں بھی جو صاحب مرثیہ کہنا چاہتے تھے۔ وہ اُن بزرگواروں کے حکم وارشاد سے مرثیہ اپنا مرزا صاحب کو دکھاتے تھے۔ چنانچہ منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر مرحوم شاگرد ناسخ مرحوم اور مولوی بہادر حسین صاحب وحید تلمیذ آتش مغفور اور بہت سے بزرگوار ایسے نظر آتے ہیں۔ اسی خیال سے مَیں نے ایک مستقل باب میں تلامذۂ مرزا صاحب کے حالات لوگوں سے دریافت کر کے لکھے ہیں +

اس تمام تمہید سے میرا مطلب یہ ہے۔ کہ جو باتیں میر ضمیر و میر خلیق و منشی دلگیر و مرزا فصیح مرحومین کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔ اور دبیرؒ وانیسؒ کے کلام میں موجود ہیں۔ اُن کا شرف ایجاد واختراع غالباً مرزا صاحب کو حاصل ہے۔ خصوصاً ایسے مرثیوں میں جو میری تحقیق کے موافق عہد امجد علی شاہ سے پہلے مرزا صاحب کہہ چکے ہیں۔ مگر یہ امر میرے اکثر احباب کو جو میر صاحب کے شاگرد یا طرفدار ہیں سخت ناگوار ہوگا۔ اور وہ غالباً اس بات کو مشکل سے قبول فرمائینگے۔ کہ یہ مرثئے عہد امجد علی شاہ سے پہلے کی تصنیف ہیں۔ اس خیال سے اور نیز اس خیال سے کہ شاید کوئی بات اِدھر مرزا صاحب نے لکھنؤ میں اُدھر میر صاحب نے فیض آباد میں ایجاد کی ہو۔ اور ایک کو دُوسرے کی ایجاد واختراع کی خبر نہ ہو[۲]۔ مَیں ایسے ایجادوں میں (جو میر صاحب و مرزا صاحب کے یہاں نظر آتے ہیں) (میر و مرزا) دونوں بزرگواروں کو

[۱] کتاب سراپا سخن عہد امجد علی شاہ میں شروع اور عہد واجد علی شاہ مرحوم میں ختم ہوئی۔ اور جناب میر انیسؒ مرحوم کے لکھنؤ میں آنے اور شہرت پانے کا بھی یہی زمانہ ہے۔ اس زمانے میں میر صاحب مرحوم لکھنؤ میں آ چکے تھے۔ مگر سراپا سخن میں اُن کا کلام و نام نہیں ہے۔ حالانکہ اُن کے والد ماجد اور بھائیوں کا نام و کلام ہے۔ اُس وقت مرزا صاحب مرحوم کو اس قدر مقبولیت ہو چکی تھی۔ کہ اُن کے شاگردوں کے شاگرد ایسے ایسے ذی علم صاحب کمال شاہزادے نظر آتے ہیں۔ جیسے شاہزادہ والا گوہر قیصر مرحوم + مؤلف حقیر۔

[۲] کیونکہ میر صاحب لکھنؤ میں آنے سے پہلے فیض آباد میں مرثیہ تو کہتے ہونگے مشہور نہ ہونا دوسری بات ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

شریک قرار دیتا ہوں۔ اور ایسے ایجادوں کو اس باب میں بیان نہیں کرتا۔ اگر زندہ رہا۔ اور یہ کتاب دوبارہ چھپی۔ تو مَیں ایک ایسا باب بڑھاؤنگا۔ جس سے وہ تمام ایجادات و اختراعات معلوم ہوں۔ جو میر و مرزا کے قبل نہ تھیں۔ اور انہیں کے کلام میں ہیں +

اس موقع پر صرف وہ ایجادات بیان کرتا ہوں جن کے موجد یقیناً مرزا صاحب ہیں۔ اور جو چیزیں میرے علم میں میر صاحب کے کلام میں نہیں ہیں۔ اور ان ایجادوں کو مَیں چند نمبروں میں لکھتا ہوں :-

مرثیہ میں حمد و نعت

(۱) مرثیہ کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا۔ اور بادشاہ و مجتہدین عصر کی بھی مدح فرمائی۔ یہ مرثیہ بہت مشہور ہے۔ اور دفتر ماتم کی جلد اوّل میں سب سے اوّل چھپا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے۔ ؎ طغرا نویس کن فیکون ذوالجلال ہے +

چہاردہ معصومین کے حال پر مرثیے

(۲) چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حال میں علیحدہ علیحدہ مرثیے کہے۔ چنانچہ دفتر ماتم کی چودہ جلدوں میں یہ ترتیب مبارک ہے۔ کہ ہر جلد ایک معصومؑ کے حال کے مرثیہ سے شروع ہوئی ہے۔ ان مرثیوں کی تصنیف کی نسبت استادی حضرت اوج مدظلہ فرماتے تھے۔ کہ نواب نادر مرزا صاحب فیض آبادی* نے مرزا صاحب کو فیض آباد میں زمانہ شاہی اودھ میں بلوایا تھا (یہ بزرگوار خاندان امرائے نیشاپور کے ایک معزز ممبر تھے۔ چودہ ہزار روپیہ ماہوار وثیقہ پاتے تھے۔ خود بھی اعلےٰ درجہ کے شاعر تھے۔ غزل میں جناب آتش مرحوم کے اور مرثیہ میں جناب مرزا صاحب مغفور کے شاگرد تھے) اور فرمائش کی تھی۔ کہ چودہ معصوموں کے حال میں مجھے مختصر مختصر مرثیے کہد یجئے۔ کہ ہر معصوم کی وفات کے دن مَیں مجلس کیا کرتا ہوں۔ پڑھا کرونگا۔ مرزا صاحب فیض آباد سے جب چلے ہیں۔ تو اُن کے چند نوکر ہمرکاب آئے تھے۔ مرزا صاحب پالکی میں آئے تھے۔ راستہ میں

*: پروفیسر جناب آزاد مرحوم نے آب حیات کے صفحہ ۴۱۲ پر تلامذہ آتش مغفور کے ذکر میں ان کا نام لیا ہے۔ اور نامور شاگرد لکھ کر لکھا ہے۔ کہ رتبۂ اُستادی رکھتے تھے + مؤلف حقیر۔

یہ تمام مرثئے کہتے آئے تھے۔ لکھنؤ آکر جب اُن کے ملازم رخصت ہوئے۔ تو وہ تمام
مرثئے مرزا صاحب نے اُن کے ہاتھ نواب صاحب کو بھجوا دئے۔ از بسکہ یہ مرثئے روا روی
میں بہت جلد و مختصر کہے تھے۔ مرزا صاحب کا ارادہ یہ تھا۔ کہ ہر معصوم کے حال میں
ایک ایک مرثیہ طُولانی اور کہونگا[1]۔ چنانچہ امام موسٰی کاظمؑ کے حال میں ایک مرثیہ بہت بڑا
کہا۔ جو حسبِ وصیت محفوظ ہے۔ مگر چند مرتبہ خود اُن مرحوم نے پڑھا تھا۔ اُس کی یہ
ایک ٹیپ بہت مشہور و مقبول ہے۔ جس کو مرزا عبد التقی مرحوم نے بھی اپنی کتاب
احسنا[2] میں لکھا ہے۔

(امام موسٰی کاظمؑ کے باب میں کہتے ہیں)

حضرت پر انتہائے اسیری گذر گئی — زندان میں جوانی و پیری گذر گئی

مرثیے میں حال ولادت

(۳) حال ولادت جناب امیرؑ و جناب امام حسینؑ میں تو اور بھی معاصرین مرزا صاحب
کے مرثئے ہیں۔ مگر حال ولادت جناب عباسؑ میں مرزا صاحب نے مرثیہ فرمایا جس کا
مطلع مشہور یہ ہے۔ ؎ انجیل مسیحؑ لب شبیرؑ ہیں عباسؑ[3] اور حال ولادت
جناب علی اکبرؑ میں یہ مرثیہ فرمایا۔ ؎ جب رونق مرقع کون و مکاں ہوئے[4]

مرثیہ میں حال شادی

(۴) جناب امیرؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ کی شادی کا حال مرثیہ میں نظم فرمایا جس کا مطلع

۱؎ پنجتن پاکؑ کے حالات میں اُس کے بعد چند مرثئے کہے۔ جو دفتر ماتم میں چھپے ہیں۔ باقی ائمۂ اطہارؑ کے حالات میں پھر شاید مرثئے کہنے کی نوبت نہیں آئی۔ صرف امام موسٰی کاظمؑ کے حال میں مرثیہ فرمایا۔ جو نہ تقسیم ہُوا ہے نہ چھپا ہے۔ اور ایک لاجواب مرثیہ سُنا جاتا ہے+

۲؎ احسنا ناظرہ کی ایک مشہور و مقبول کتاب ہے۔ جو مرزا عبد التقی صاحب مینجر رسالہ "روشنی" نے لکھی ہے۔ یہ مرحوم بھی ہمارے اُستاد بھائی اور عنایت فرما تھے۔ نہایت ذکی و ذہین تھے جس کی جھلک روشنی کے پرچوں میں ہے+ ۱۲ مؤلف ہیچمدان۔

۳؎ جلد دویم میں (دفتر ماتم کی) یہ مرثیہ (انجیل مسیح لب شبیر ہیں عباسؑ) چھپ چکا ہے+

۴؎ یہ مرثیہ جب رونق مرقع الخ جلد اول دفتر ماتم میں چھپا ہے+

مشہور یہ ہے۔ ؎ جب فاطمہؑ سے عقد شہ لافتےٰ ہوا[1]۔ اسی طرح حال عقد جناب امیرؑ جو حمیدہ ام البنین سے ہوا تھا۔ مرثیہ مذکورہ (؎ انجیل مسیحؑ لب شبیرؑ ہیں عباسؑ) میں نظم فرمایا۔ اور حضرت عباسؑ کے عقد کا حال اس مرثیہ میں نظم کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎ جب اختر یعقوب پہ کی مہر خدا نے[2]۔ یہ مرزا صاحب کا کمال قابل داد ہے۔ کہ حال ولادت یا حال شادی وغیرہ میں ہر مقام پر مرثیت کے پہلو نکالتے گئے ہیں۔ اور گویا ثابت کرتے گئے ہیں۔ کہ دُنیا میں شادی وغم توام ہے +

فصل ۲ مرثیہ میں مناظرہ

(۵) مرزا صاحب کے زمانے میں ایک شخص نے بڑی شدّومد سے تعزیہ داری کا ردّ لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اُن کے ردّ میں ایک مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے ؎ اے شمع قلم انجمن افروز رقم ہو[3]۔ اور اس ایجاد کے ذریعہ سے فن مناظرہ کو بھی گویا مرثیہ میں داخل کر دیا۔ اس میں بھی یہی کمال کیا ہے۔ کہ مرثیت کو قائم رکھا ہے +

واقعہ قتل عام کربلا میں

(۶) مرزا صاحب کے عہد میں ترکوں نے کربلائے معلّےٰ میں قتل عام کیا تھا جس میں بعض علمائے اسلام بھی شہید ہو گئے تھے۔ ازبسکہ علما کا قتل بالخصوص اہل علم کے دلوں پر بہت صدمہ پہنچاتا ہے۔ اُسی عالم غم و رنج میں مرزا صاحب نے بھی (کہ اہل علم میں سے تھے) ایک مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎ اے قہر خدا رومیوں کو زیر و زبر کر[4]۔ یہاں رُومیوں سے وہی رُومی مراد تھے۔ جنہوں نے روضۂ اقدس میں یہ ظلم کیا تھا۔ عام رُومی مراد نہیں ہو سکتے۔ کہ جو شریکِ ظلم نہ تھے۔ (عام رُومیوں کو مرزا صاحب کب ظالم کہہ سکتے

---

[1] یہ مرثیہ "جب فاطمہؑ سے عقد" الخ دفتر ماتم کی چودھویں جلد میں چھپا ہے +

[2] "جب اختر یعقوبؑ" الخ۔ یہ مرثیہ دفتر ماتم کی نویں جلد میں چھپا ہے +

[3] "اے شمع قلم انجمن" الخ یہ مرثیہ دفتر ماتم کی تیرھویں جلد میں چھپا ہے +

[4] "اے قہر خدا" الخ۔ یہ مرثیہ دفتر ماتم کی بارھویں جلد میں ہے +

تھے۔ کیونکہ اُن میں تو اہلِ انصاف و اہلِ ایمان و اہلِ درد بھی تھے) اس مرثیہ میں بھی مرثیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور جو جو واقعات اُن کو معلوم ہوتے تھے نظم کر دئیے +

بطور حالات تاریخی

(۷) بطور حالاتِ تاریخی ایک مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎۱ فہرست یہ شبیرؑ کے لشکر کی رقم ہے ؎۱۔ اس مرثیہ میں جناب علی اکبرؑ کی عمر کی نسبت لکھا ہے۔ کہ بعض مؤرخوں نے پچیس ۲۵ سال کی بھی عمر لکھی ہے۔ مگر مشہور اٹھارہ ۱۸ سال ہے پچیس سال کی عمر پر بہت لوگوں نے کان کھڑے کئے تھے۔ مگر علمانے مرزا صاحب کی تائید کی۔ اُس زمانے میں کتابیں نہ عام طور پر ملتی تھیں۔ نہ ایسے فارسی و اُردو میں ترجمے ہوئے تھے۔ اب تو علامہ ابن شہر آشوب مازندرانیؒ کی کتاب مناقب بھی بمبئی میں چھپ کر مشتہر ہو چکی ہے۔ جس میں جناب علی اکبرؑ کی عمر کی نسبت دونوں روایتیں موجود ہیں۔ اس تحریر سے غرض یہ ہے۔ کہ بہت سی باتیں جو عربی کی نایاب و کمیاب کتابوں میں مقفل و محفوظ تھیں۔ مرزا صاحب کے اُردو مرثیوں کی بدولت ہندوستان میں مشہور ہوئیں +

حضرت زینبؑ کی زبانی امام حسینؑ کی کہانی

(۸) مرثیوں میں طرزِ بیان کے ہزاروں نئے نئے پہلو نکالے۔ چنانچہ دو مرثیوں میں (یکے بعد دیگرے) قید خانۂ شام میں جناب سکینہؑ کے سو جانے کے لئے جناب زینبؑ کا کہانی کہنا بیان کیا ہے۔ اور وہ کہانی خود امام حسینؑ کی ہے۔ ایک مرثیہ کا یہ مطلع ہے ؎۲ جب کہ زنداں میں نبیؐ زادیوں کو رات ہوئی۔ دوسرے کا یہ مطلع ہے ؎۳ جس دم اسیرِ عترتِ مشکل کشا ہوئی ؎۳۔ مرثیۂ اوّل الذکر چست ہے۔ زبان اس کی سلیس و فصیح اور بیان دلکش زیادہ ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا

؎۱ "فہرست یہ" الخ۔ یہ مرثیہ دفترِ ماتم کی تیسری جلد میں مطبوع ہوا ہے +

؎۲ یہ مرثیہ "جب کہ زنداں میں" الخ دفترِ ماتم کی چھٹی جلد میں چھپا ہے +

؎۳ یہ مرثیہ "جس دم اسیرِ عترت" الخ دفترِ ماتم کی آٹھویں جلد میں چھپا ہے +

کوئی بی بی کہانی کر رہی ہیں +

(۹) بہت سی روایتیں نظم کی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تواریخ و سیر و مقاتل وغیرہ کی کتابیں کثرت سے مرزا صاحب نے دیکھی تھیں چنانچہ یہ مرثیہ ؎ "جب رن میں بعد فتح عدو ایک شب[۱] رہے" ایسا سلیس و فصیح ہے اور کربلا کے میدان وحشت ناک کا ایسا سماں دکھایا ہے۔ جس کو سُن کر آدمی محو حیرت ہو جاتا ہے۔ روایت یہ نظم کی ہے۔ کہ ایک نصرانیہ تاجرہ کربلا میں امام حسینؑ کی شہادت کے دو تین روز بعد آنکلی ہے۔ اُس نے لاشوں کو دیکھا ہے۔ جب اس عورت نے علی اصغرؑ کی لاش دیکھی ہے۔ اُس موقع پر کہتے ہیں ؎

لب پر انگوٹھا منہ سے تبسم ہے آشکار + گویا پکارا چاہتا ہے ماں کو شیر خوار

جب دریا کے کنارے پر جناب عباسؑ کی لاش دیکھی ہے۔ تو کہتے ہیں ؎

مشکیزہ سوکھا ننھا سا سینے پہ برقرار گویا ہوا ہے داغ کلیجہ کا آشکار

اسی طرح ایک دوسرے مرثیہ میں جس کا مطلع یہ ہے ؎ "واجب ہے شش جہت پہ تولائے[۲] پنجتن" ایک دیندار باہمت عاشق حسینؑ کی حکایت نظم کی ہے۔ کہ جس نے اس عزم بالجزم پر کمر ہمت چُست باندھی تھی۔ کہ سر امام حسینؑ شام سے لاکر نجف میں دفن کرونگا۔ مگر یہ شخص مفلس تھا۔ اس کی ناداری کو مرزا صاحب ایک نئے طرز سے بیان فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎ نادار اس قدر تھا کہ تھے اقربا بھی کم۔ سچ ہے۔ امیر آدمی کے سو عزیز بن جاتے ہیں۔ غریب کے عزیز قریب بھی رشتہ داری سے انکار کر جاتے ہیں۔ المختصر یہ شخص شام میں پہنچا۔ یزید کا نوکر و مقرب ہوا۔ اور آخر کار اُس کنوئیں کا محافظ (پاسبان) ہو گیا۔ جس میں سر امام حسینؑ مقید تھا۔

ا؎ دفتر ماتم کی جلد دوم میں یہ مرثیہ چھپا ہے ؎ جب رن میں بعد فتح الخ +

۲؎ واجب ہے شش جہت پہ الخ یہ مرثیہ دفتر ماتم کی دسویں جلد میں چھپا ہے +

روایات کثیرہ

اور ایک رات وہ سر کنوئیں سے نکال لیا۔ اُس موقع پر کہتے ہیں۔ ؎

اُس چاہ سے نکالا سرِ شاہِ نیک ذات ہات اپنا دھو کے ابرو وجاں سے ایک رات

اور آبرو دے ہر دو جہاں آئی اُس کے ہات بے آبرو زمیں میں ہوا چشمۂ حیات

سر ابنِ فاطمہؑ کا کنوئیں سے جدا ہوا

نورِ خدا کا شعلہ دھوئیں سے جدا ہوا

(لطفِ تشبیہات)

نکلی دہن سے شیشے کے نکہت گلاب کی یا چاہ مشرقی سے کرن آفتاب کی

یا آب و تابِ دُرج سے دُرِّ خوش آب کی یا نافۂ بہشت سے بو مشکِ ناب کی

ذرّوں نے مہر سے کہا ماہی نے ماہ سے

شمعِ نبیؐ جدا ہوئی فانوس چاہ سے

پھر آگے جا کر لکھا ہے۔ کہ یہ با ہمّت سر امام حسینؑ لا رہا تھا۔ کہ رستہ میں وہاں آ کر اُترا۔ جہاں ایک تاجرہ عیسائی مع اپنی چالیس لونڈیوں کے فروکش تھی۔ اُس نے اوّل حضرتِ عیسےٰؑ کو خواب میں دیکھا۔ پھر سر امام حسینؑ دیکھ کر مسلمان ہوئی۔ یہ تمام مرثیہ نہایت سلیس و فصیح ہے۔ ہر واقعہ کی تصویر کھینچ کر دکھائی ہے۔ ہر موقع پر آمد معلوم ہوتی ہے۔ اور رو کا گویا کہیں نام نہیں ہے۔ واقعات کی تصویریں دیکھنا ہو۔ تو ناظرین اس مرثیہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ دو مرثئے بطور نمونہ میں نے لکھے ہیں۔ اسی طرح بہت سے مرثئے ہیں۔ جن میں بہت سی روایات نظم کی ہیں۔ پس کسی واقعہ کے نظم کرنے والے شاعر کو جو کلام دبیرؔ سے مدد ملتی ہے۔ دُوسرے کسی شاعر کے کلام سے نہیں مل سکتی۔ اور مختلف روایتوں کے نظم کرنے کے سبب سے جس کثرت سے الفاظ دبیرؔ نے نظم کئے ہیں۔ دُوسرے کسی شاعر نے نہیں کئے[1]۔

[1] چنانچہ حال شہادت محمدؑ بن عباس علمدار میں مرزا صاحب کا مرثیہ ہے۔ جس کا یہ مطلع ہے۔ ؎ عباس گل ہر دو صفہ سدرۃ کی عنایت

(۱۰) پانی اور آگ کا مناظرہ عجیب عمدہ پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ اور ان دونوں عنصروں کے سبب سے جو ظلم اہلبیتؑ پر ہوئے۔ اُن کو بیان کیا ہے۔ اس مرثیہ کا یہ مطلع ہے ؎ آتش سے سبب دشمنی آب کا کیا ہے[۲]

(۱۱) امام حسینؑ کے قتل کے بعد ہی اُن مسلمانوں نے جو دل سے آل محمدؐ کے دوست تھے فاتلان امام حسینؑ کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ طوفان انتقام پانچ چھ برس تک اُٹھتا رہا۔ جس سے یزید وغیرہ بنی اُمیہ کی سلطنت کو بہت صدمہ پہنچا۔ ان بدلہ لینے والوں میں سے سیب وسلیمان صرو وغیرہ کئی صحابی مقبول تھے۔ اور بعض اصحاب علی وحسنین علیہم السلام سے تھے۔ سب سے زیادہ جس دلیر جانباز کو کامیابی ہوئی۔ وہ مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی ہیں۔ جنہوں نے ۶۷ھ کے قریب قریب ایک لشکر فراہم کر کے ابراہیم ابن مالک اشتر کو سپہ سالار فوج بنا کر قریبًا تمام قاتلان حسینؑ واصحاب حسینؑ کو قتل کیا۔ اور خوب ہی بدلا لیا۔ اس حال میں بھی مرزا صاحب نے ایک مرثیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے۔ کہ ؎ جب تیغ انتقام برہنہ خدا نے کی۔ ازبسکہ اس حال میں یہی ایک مرثیہ کہا گیا تھا۔ اور مرزا صاحب نے سخت محنت وکوشش سے کہا تھا۔ تمام مرثیہ لاجواب ہے۔ مرزا صاحب سے اکثر شاگردوں اور دوستوں نے مانگا۔ مگر اُنہوں نے نہ دیا۔ اب شاگردوں نے یہ تدبیر کی

(بقیہ نوٹ نمبر ۱) جلد ششم دفتر ماتم میں چھپا ہے۔ حال جناب زینب بنت امیرالمومنینؑ یہ مرثیہ اُنھیں علیہ دفتر ماتم میں ہے۔ جب دختر خاتون قیامت کی پیدا۔ جناب علی اکبر کے ساتھ ایک رئیس عرب نے اپنی دختر کی شادی چاہی تھی جس کا مطلع یہ ہے۔ جب دولت مرضع کون ومکاں ہوئی۔ یہ جلد اول دفتر ماتم میں ہے۔ تربت بھر میں لکھا مرثیہ مرزا صاحب نے کہا تھا ایک لاجواب مرثیہ ہے۔ راہ شام میں ایک راہب سر امام حسینؑ دیکھ کر مسلمان ہوا اس حال کو اسی مرثیہ کے اخیر میں نظم کیا ہے جس کا مطلع آتش سے سبب دشمنی الخ ہے[۵]۔ دکھیل سلطان روم عیسائی جو دربار یزید میں حاضر تھا اور سر امام حسینؑ واہلبیتؑ کو دیکھ کر یزید سے حالات پوچھ کے مسلمان ہو کر شہید ہوا۔ اس کا حال اس مرثیہ میں نظم کیا ہے۔ دختر کا ماہ محرم گذر گیا۔ یہ مرثیہ دفتر ماتم کی بارھویں جلد میں چھپا ہے[۵]۔ راہ شام میں جناب زینب نے ایک حرم سے ملاقات کی جس نے اپنی دختر کا نام زینب رکھا تھا۔ اس مرثیہ کا یہ مطلع ہے۔ فاطمہ کی کا قصد اجب الفراغ کیا۔ مختصر یہ کہ بعض کثرت سے مرزا صاحب نے روایات نظم فرمائی ہیں کسی مرثیہ گو نے نہیں نظم کیں ۱۲ مؤلف۔

[۲] مرثیہ "آتش سے سبب دشمنی" الخ جلد سوم دفتر ماتم میں چھپا ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

کہ جابجا سے چند بند یاد کر لئے۔ اور ایک مجمع نے اور بند کہکر جابجا لگا لئے۔ اور وہ پنچایتی مرثیہ لوگوں میں اس مطلع سے تقسیم ہوا سے جب نخل انتقام میں تیغوں کے پھل لگے۔ اس کارستانی کی مرزا صاحب کو بھی خبر ہوئی۔ انہوں نے جو بند نکل گئے تھے۔ اُن کے عوض اور بند کہے۔ جو پہلے بندوں سے بھی زیادہ چست ہیں۔ اکثر مرزا صاحب کے شاگردوں کا یہ خیال ہے۔ کہ مرزا صاحب کے اور تمام مرثیے جو شائع ہو چکے ہیں۔ ایک طرف اور یہ ایک مرثیہ ایک طرف ہے۔ مَیں نے بھی اس کے چند بند جناب استاذی حضرت اوج مدظلہ سے ایک مجلس میں (جو صفر ۱۳۳۰ھ میں بمقام لکھنؤ حسین آباد۔ رئیس منزل ہوئی تھی) سُنے۔ میرا خیال بھی یہ ہے۔ کہ اگر تمام مرثیوں کے برابر نہیں۔ تو ایک چوتھائی تصنیف کے برابر ضرور یہ ایک مرثیہ ہے۔ ازبسکہ جناب اوج مدظلہ نے بھی ایک مرثیہ حال مختار میں کہا ہے۔ مَیں نے جناب ممدوح سے عرض کیا۔ کہ اب جناب مرحوم والا مرثیہ تقسیم فرما دیجے۔ کہ اُن کے زیادہ کمالات کا ملک میں اظہار ہو۔ فرمایا کہ وصیت جناب مرحوم کی مانع ہے۔ میرا مصنفہ مرثیہ تو چاہے۔ تو مَیں تجھ کو دے سکتا ہوں۔ المختصر اس حال میں بھی پہلے پہل مرثیہ کہنے کا فخر جناب مرحوم کو حاصل ہے۔

(۱۲) اصحاب امام حسینؑ میں سے صرف حضرت حُرِ ریاحی کے حال میں عام طور پر مرثیہ گویوں نے مرثیہ کہے ہیں۔ مگر حضرت حر کا سراپا پہلے پہل مرزا صاحب نے فرمایا۔ چنانچہ خود وہ اس دعوے کو نظم فرما گئے ہیں ؎

اب تک کسی نے حر کا سراپا نہیں کہا گنجینۂ فیض سے ہے خدا کا بھرا ہوا
مضمون میرے حصّہ کا یہ تنہا دھرا ہوا

علاوہ اس ایجاد کے حالات حبیب ابن مظاہر اسدی و زہیر ابن قین بجلی و وہب بن عبداللہ کلبی میں کہ یہ سب بزرگوار امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے مرزا صاحب نے مستقل مرثیے کہے۔ اور عام طور پر مشتہر ہوئے۔ اور چھپے[۱]۔ مگر خود مرزا صاحب نے حبیب ابن مظاہر کے

[۱] حال حبیب ابن مظاہر کے مرثیہ کا یہ مطلع اوّل ہے سے ہر دو نگہ دشت شہنشاہ قلم ہے۔ دفتر ماتم کی چھٹی جلد

مرثیہ میں فرمایا ہے۔ کہ یہ ایجاد اُن کے اُستاد حضرت ضمیر مرحوم کی ہے۔ البتہ روایت جو اس حال میں نظم کی ہے۔ اُس کا مَیں موجد ہُوں*

(۱۳) میر ضمیر (مرحوم) کے زمانے سے پہلے عموماً چھوٹے چھوٹے بینیہ مرثئے کہے جاتے تھے۔ اور اکثر مرثیہ گو اپنے مرثئے سوز خوانوں سے پڑھواتے تھے۔ بعض خود بھی پڑھتے تھے تو بتاتے نہ تھے۔ میر ضمیر صاحب نے منبر پر ہاتھ اور اشارات چشم و ابرو سے بتانا شروع کیا۔ اور مرثیہ میں سراپا۔ لڑائی۔ رجز وغیرہ بڑھایا۔ اور عموماً مرثیوں کو ان چار بحروں میں کہا۔ رمل۔ ہزج۔ مضارع۔ مجتث[۲]۔ کیونکہ مختلف راگوں کے سبب سے مختلف بحروں میں مرثئے زیادہ تر سوز خواں ہی کہواتے تھے۔ اب گویا وہ ضرورت باقی نہ رہی۔ کہ میر ضمیر صاحب اپنا مرثیہ خود پڑھتے تھے۔ اُس زمانہ کے سوز خواں یا شعرائے سابق سکندر۔ سودا۔ احسان۔ افسردہ وغیرہ کے مرثئے پڑھتے تھے۔ یا خلیق و دلگیر مرحوم کے۔ ان چار بحروں کے خاص کر لینے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی۔ کہ تحت لفظ پڑھنے میں جس قدر ان بحروں میں رنگ ہوتا ہے۔ دُوسرے بحروں میں نہیں ہوتا۔ دُوسرے اکثر ایسے شاگرد بھی مرثیہ کہتے تھے۔ جو علم عروض سے ناواقف ہوتے تھے۔ اور ان بحروں میں وہ شخص جو بالطبع موزون ہو بغیر علم عروض پڑھے ہُوئے بھی مرثیہ کہہ سکتا ہے۔ دُوسرے بحروں میں یہ بات مشکل ہے۔ اب جبکہ مرزا صاحب کی شہرت کمال ہُوئی۔ اور سوز خواں پُرانے مرثیہ پڑھتے پڑھتے

(بقیہ حاشیہ نوٹ نمبر ۱) میں یہ مرثیہ چھپا ہے۔ اور حال زہیر بن قین بجلی میں یہ مرثیہ ہے ؎ جب نقش کُن سے زینت لوح لقا ہوئی۔ دفتر ماتم کی گیارھویں جلد میں یہ مرثیہ چھپا ہے۔ اور حال وہب ابن عبداللہ میں یہ مرثیہ ؎ مومنو بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ۔ دفتر ماتم کی پانچویں جلد میں ہے* ۱۲ مؤلف حقیر۔

[۲] بحر رمل ؎ جب ہُوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیرؑ۔ بحر مجتث ؎ روانہ نہریں کو جو شبیر خوار ہُوا۔ بحر ہزج ؎ اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے۔ بحر مضارع ؎ فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے* ۱۲ مؤلف حقیر۔

اُکتا گئے۔ تو اُنھوں نے مرزا صاحب کو آ گھیرا۔ اور مختلف راگ رگنیوں کے اُتار چڑھاؤ کے لحاظ سے مختلف بحروں میں مرثیہ چاہے۔ مرزا صاحب ایک تو قدرتی شاعر۔ دُوسرے علم عروض سے بخوبی ماہر تھے (چنانچہ وہ خود اس کا فخر بہ اشارہ ایک مرثیہ میں کرتے ہیں ؎ ہر بحر میں ہے بحر طبیعت کی روانی) اس لئے مختلف بحروں میں بنھی سوز خوانوں کو مرثیہ کہدئے۔ چنانچہ چار معروف بحروں کے علاوہ حسب ذیل مرثیہ مختلف بحروں میں (مرزا صاحب کے) ہیں :-

مختلف بحور مرثیہ

نمبر	مطلع مرثیہ	نمبر جلد دفتر ماتم کا جس میں یہ مرثیہ چھپا ہے
۱	روز و ہم کا یہ ماجرا ہے	جلد سوم
۲	عزیزو آج پہلی رات ہے ماہ محرم کی	ایضاً
۳	جب رہے میدان میں تنہا حسینؑ	جلد چہارم
۴	جعفر صادقؑ کا رُتبہ خلق میں مشہور ہے	جلد ہشتم
۵	جب شب عاشور سے نور سحر پیدا ہُوا	ایضاً
۶	جب اہلبیتؑ آئے لاشوں پہ اقربا کے	ایضاً
۷	جب صف آرائی کی میدان میں سپاہ شام نے	جلد دوازدہم

مسدس مرثیہ از سکندر و سودا

سکندر و سودا کے وقت میں مرثیہ عموماً مربع (چو مصرع) کہے جاتے تھے۔ پہلے پہل سکندر نے یہ مسدس مرثیہ کہا ؎ ہے روایت شترا سوار کسی کا نھا رسول۔ اور سودا نے بھی ایک مسدس مرثیہ نہ معلوم اس سے قبل یا بعد کہا۔ ضمیر و خلیق و فصیح و دلگیر کے مرثئے عموماً مسدس ہیں۔ مرزا صاحب سے کسی سوز خواں نے فرمائش کی۔ کہ اس سودا کے مربع مرثئے پر مربع مرثیہ کہدیجئے۔

مربع مرثیہ از دبیر مرحوم

مرزا صاحب نے یہ مرثیہ مربع کہا۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎ ؎ یارو سنو تو خالق اکبر کے واسطے لازم نہ تھا یہ چرخ ستمگر کے واسطے۔ مگر مقطع میں سودا مرحوم کے فضل تقدم کا صاف اعتراف کیا۔ کہتے ہیں۔ بس اے دبیر سینہ ہے بریاں جگر کباب۔ سودا کے مرثئے کا تو ممکن نہیں جواب۔

بفضل حق سے مرثیہ یہ بھی ہے انتخاب - کافی ہے تجھ کو بخشش محشر کے واسطے - یہ مرثیہ بھی دفتر ماتم کی چوتھی جلد میں چھپا ہے +

ایک مرثیہ میں جا بجا کئی مطلع

(۱۴) یہ بھی ایجادات مرزا صاحب سے ہے - کہ ایک ایک مرثیہ میں جا بجا رخصت لڑائی شہادت وغیرہ کے موقع پر کئی مطلع کر دیتے ہیں - اس سے حسب ذیل فائدے ہوئے :-

(۱) مجلس مختصر میں جس مطلع سے چاہو - چند بند پڑھ دو - اچھا رنگ ہو جائیگا - گویا ایک اُستاد کامل فن کی (طلائی حلقہ دار) زنجیر بنائی ہوئی ہے - کہ جس جس حلقہ پر کاریگر نے نشان کر دیا ہے - وہاں سے چاہو - تو ان حلقوں کو نکال کر ایک زنجیر کی کئی خوشنما زنجیریں بنا کر کام میں لاؤ +

(۲) اگر ایک ہزار مرثئے مرزا صاحب نے کہے - تو خواہ مخواہ پانچ ہزار یا چھ ہزار مرثئے مشہور ہو گئے +

(۳) اکثر سوز خوانوں کو طیار مرثئے ملے - کہ ایک مطلع سے انہوں نے چند بند لے لئے - اور پڑھ دئے - یہی وجہ ہے - کہ مرزا صاحب کا کلام سوز میں بھی جس کثرت سے پڑھا جاتا ہے - دُوسرے مرثیہ گو شاعر کا کلام نہیں پڑھا جاتا +

احکام ذبیحہ

(۱۵) شرع اسلام میں ذبیحہ (عید اضحےٰ) کے واسطے جس قدر شرائط کتب فقہ میں ہیں - سب کو ایک مقام پر بطور تمہید بیان فرما کر (صاحب ذبح عظیم) امام حسینؑ کی تشنہ دہنی اور مصائب ذبح وقتل کا مقابلہ کیا ہے - اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے - ؎

آہوئے کعبۂ قربانی داور ہے حسینؑ[1] - اور زیارت ناحیہ مقدسہ کے اکثر فقروں کا اس مرثیہ میں مطلب بیان کیا ہے ؎ کیا شان روضۂ خلف بوتراب ہے[2] +

سلام میں حالات مسلسل

(۱۶) سلام میں بھی مرزا صاحب نے ایک خاص بات ایجاد کی - وہ یہ کہ کسی واقعہ مسلسل کو دس پندرہ بیس شعروں میں (بطور قطعہ) نظم کیا - جیسے حضرت حر اور ابن سعد کی گفتگو

---

[1] آہوئے کعبہ الخ - یہ مرثیہ جلد دویم دفتر ماتم میں چھپا ہے +

[2] کیا شان روضہ خلف الخ - یہ مرثیہ چوتھی جلد دفتر ماتم میں چھپا ہے + ۱۲ مؤلف -

یا جناب زینبؑ اور ہند زوجہ یزید کی قید خانہ شام میں بات چیت یا اور کوئی واقعہ +
چنانچہ اُن کے اور اُن کے شاگردوں کے سلاموں میں ایسے قطعے کثرت سے پائے
جاتے ہیں ※ ۔ اور جب ذاکر اس قطعہ کو مسلسل طور پر ایک سانس میں پڑھتا ہے تب اور
بھی یہ نظم مجلس عزا میں خوش نما معلوم ہوتی ہے +

اس زمانہ کے بعض مغربی تعلیم یافتہ (اہل علم) ہماری غزل پر یہ اعتراض کرتے
ہیں کہ مسلسل مضامین غزل میں نہیں ہوتے ۔ ہرچند اس کا فیصلہ مشکل ہے ۔ کہ غزل
کے ہر شعر کا مضمون علیحدہ ہونا بہتر ہے ۔ یا مسلسل ہونا ۔ کیونکہ جس طرح ایک قسم کے
کھانے سے آدمی اُکتا کر چاہتا ہے ۔ کہ دُوسرے مزہ کا اب طعام ملے ۔ اُسی طرح ایک
ہی حال مسلسل کو دیکھتے دیکھتے دل چاہتا ہے ۔ کہ اب دُوسرا حال دیکھوں ۔ بہرحال
سلام میں (جو گویا غزل کی ایک شاخ ہے) یہ ایجاد مرزا صاحب مرحوم ہی نے اپنی طبع
موزون سے فرمایا ۔ کہ اُن کے معاصر شعرا قطعہ کو عجز طبیعت شاعر سمجھے ہوئے تھے ۔
(کہ جب ایک شعر میں مضمون نہ آسکتا تھا ۔ تو دُوسرے اور تیسرے شعر میں کہتے تھے)
مگر مرزا صاحب اور اُن کے شاگردوں نے لمبے لمبے قطعے عمداً مختلف واقعات کے نظم
کر دئے ۔ اور بتا دیا ۔ کہ یہ بھی شاعر کی کمال کی دلیل ہے ۔ عجز طبیعت نہیں ہے +

باب دہم ۔ تعداد کلام مرزا صاحب

فصل ۱

مرزا صاحب کا یہ کمال تمام ملک میں مشہور و مسلّم ہے ۔ کہ وہ بہت جلد اور کثرت سے
کہتے تھے ۔ اور پھر اچھا کہتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ تھی ۔ کہ خدا نے اُن کو شاعر پیدا کیا تھا ۔

※ میر عبدالوہاب (وہاب) رئیس حیدرآباد مرحوم نے ایک سلام کے قطعہ میں جناب علی اکبر کا میدان میں آنا اور جز پڑھنا ۔ رزم سب کچھ نظم کر کے
اخیر میں بین کے کئی شعر کہکر ختم کیا ہے ۔ گویا پورا ایک مرثیہ ایک قطعہ میں ہے ۔ یہ سلام دفتر ماتم میں چھپ چکا ہے اور مرزا صاحب مرحوم کا اصلاحی ہے ۔ مجھے اس کا ایک
شعر بہت پسند ہے جس کا مضمون بالکل اچھوتا ہے ۔ وہ یہ ہے ۔ کسی کو یاں نہیں آسودگی میں بھی آرام ۔ دہن میں رزق ہے اور گردش آسیا کیلئے + ۱۲ مولف

لیکن کسی ناقل یا تذکرہ نویس نے اُن کے کلام کی صحیح تعداد نہیں بیان کی کسی نے اُن کے فقط مرثیوں کی تعداد دس ہزار لکھ دی[۱]۔ کسی نے تین ہزار۔ اس تین تیرہ میں اصلی مقدار کلام کی ابتک نہ معلوم ہوسکی۔ مگر قبل اس کے کہ مَیں موجُودہ کلام کی مقدار لکھوں یہ کہنا چاہتا ہُوں۔ کہ مرزا صاحب کے ہزاروں مرثئے مشہور ہونے کی چند وجوہ ذیل ہیں:۔

مرزا صاحب کے ہزاروں مرثئے مشہور ہیں اسکی وجوہ

(۱) وہ جب کبھی طبیعت حاضر ہوتی تھی۔ تو دو دو چار چار گھنٹہ میں ستر ستّر۔ اسّی اسّی بند کہکر اُٹھتے تھے۔ اس سماں کے دیکھنے والے (اہل بصیرت) بحمد اللہ ابتک موجود ہیں جیسا کہ مَیں نے اسی کتاب میں ایک جگہ اپنے محسن ڈپٹی حاجی سیّد جعفر حسین صاحب لندنی جعفری پہرسری کے خط کے حوالہ سے میر باقر حسین صاحب پہرسری وکیل ریاست جے پور کی زبانی ایک اُن کی چشم دید حکایت لکھی ہے۔ کہ ان کے روبرو دو کاتبوں کو چار پانچ گھنٹے میں ۱۲۰ بند کہکر لکھوا دئے تھے۔ پس ایسے واقعات دیکھنے والے ضرور یہ خیال فرماتے ہیں۔ کہ ہزاروں مرثئے کہے ہونگے۔ کہ اُنہوں نے تمام عمر گویا یہی کام کیا[۲]+

۶۲ برس زمانۂ تصنیف

(۲) مرزا صاحب نے ۷۴ برس کی عمر پائی۔ بارہ[۱۲] برس کی عمر سے مرثیہ کہنا شروع کیا۔ ۶۲ برس کامل اس کام کو کیا۔ برسوں یہ ربط رہا۔ کہ ہر مہینے میں کم سے کم ایک مرثیہ ضرور کہکر اپنی گھر کی مجلس میں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ مَیں مفصّل ایک دُوسرے مقام پر لکھ چکا ہُوں۔ اور بعض مہینے میں دو دو تین تین مرثئے کہ لیتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے زائد

[۱] آب حیات کے صفحہ ۵۵۴ پر حضرت آزاد مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے اس مدت عمر ۷۲ سال میں کم سے کم تین ہزار مرثیہ کہا ہوگا۔ سلاموں اور نوحوں اور رباعیوں کا کچھ شمار نہیں۔ پھر صفحہ ۵۵۷ پر مضامین مرثیہ کی تفصیلی حالت لکھکر (جناب میر انیس مرحوم کے حالات لکھتے ہُوئے جناب آزاد مغفور) تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مرزا دبیر مرحوم نے کم سے کم دس ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا۔ اور سلاموں کا کوئی شمار ہے۔ رباعیاں تو باتیں تھیں + ۱۲ مُولّف حقیر۔

[۲] پروفیسر آزاد مرحوم نے بھی غالباً کسی معتبر ذی علم راوی سے ایسی ایسی غلط حکایتیں سُن کر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ دس ہزار مرثئے ضرور کہے ہونگے + ۱۲ مؤلف۔

مرثئے اس سے بھی زیادہ۔ اس خیالی حساب سے بھی نوبت سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں پر پہنچتی ہے +

رات بھر میں ایک مرثیہ کہا

(۳) بعض موقع پر رات بھر میں مرثیہ کہا۔ اور پڑھ دیا۔ جیساکہ اس مرثیہ کی نسبت مشہور ہے ؎ جب رونق مرقع کون و مکاں ہوئی۔ اس کا واقعہ بھی میں ایک جگہ مفصّل لکھ چکا ہوں +

تین چار گھنٹے میں ایک مرثیہ کہا

(۴) بعض موقع پر تین چار گھنٹہ میں ایک مرثیہ کہا اور پڑھ دیا۔ چنانچہ ایک مرثیہ کے مقطع میں خود کہتے ہیں ؏ کل چار ساعتوں میں ہے یہ مرثیہ کہا +

مرثیے کہکر دوسروں کا تخلص ڈال دیا

(۵) اکثر دوستوں اور شاگردوں کی فرمائش سے کبھی مرثیہ کہکر اُنہیں کا تخلّص ڈال دیا کرتے تھے۔ اور اُن مرثیوں میں اُن پابندیوں کا لحاظ بھی کم رکھتے تھے۔ جو اپنے خاص مرثیوں میں رکھتے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں ۱۹۱۲ء میں تحقیق کرنے پر بعض رشتہ داران و متوسلین سلطان عالیہ مرحومہ کے پاس مرزا صاحب کے ساٹھ ستّر مرثئے ایسے فصیح و سلیس سُننے گئے۔ کہ بعض بند کے بند گویا نثر معلوم ہوتے تھے۔ مَیں نے چاہا بھی۔ کہ کچھ روپیہ صرف کرکے اس دُرِ بے بہا کو لے لوں۔ اور مُلک کے سامنے پیش کردوں۔ کہ وہ مرثئے جناب مرزا اوج صاحب قبلہ کے پاس بھی نہیں ہیں۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسی طرح جناب میر دستور علی صاحب بلگرامی سلمہ اللہ و ابقاہ منصرم جی و پرائیویٹ سکرٹری راجہ صاحب جہانگیر آباد کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ مرزا صاحب کی تصنیفات سے اُن کے پاس ایک

دفتر پریشان

ایسا مجموعہ ہے۔ جو نہ مرزا اوج صاحب کے پاس ہے۔ نہ اور کہیں۔ اس مجموعہ کا نام "دفتر پریشان" ہے۔ وہ سب ایک بحر میں ہے۔ اُس میں ۲۰ بیس چہرے۔ ۲۰ بیس رخصتیں۔ ۲۰ بیس لڑائیاں۔ ۲۰ بیس رجز۔ ۲۰ بیس سراپا۔ ۲۰ بیس بین و بیان شہادت نظم ہیں۔ تاکہ ذاکر جب چاہے ایک مرثیہ نیا ترتیب دے لے۔ اور پڑھ دے۔ میر صاحب ممدوح کے والد ماجد مرزا صاحب کے شاگرد اور اُن کے دادا جناب میر ضمیر مرحوم کے شاگرد تھے مرزا صاحب نے

یہ مجموعہ اُن کے دادا (اپنے اُستاد بھائی) کو دیا تھا۔ جو اب تک اُن کے پاس چلا آتا ہے۔ میر صاحب نے باتوں باتوں میں اُس مجموعہ خوبی کے بعض مصرع سُنائے تھے۔ جو مَیں نے لکھ لئے تھے۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ایک موقع پر جہاں ایک پہلوان کی (امام حسینؑ سے) لڑائی نظم کی ہے۔ امام حسینؑ کی زبانی کہتے ہیں۔ (اے کاش) یہ معرکہ شبیہ پیمبرؐ بھی دیکھتے۔ لڑنا ضعیف باپ کا اکبرؑ بھی دیکھتے۔ اسی موقع کے قریب کا ایک بند حسب ذیل سُنا تھا ؎

تلوار کی چمک سے ہلا دشت ہولناک ‏ نابین تھیں اُس کی رشتہ تسبیح خاک پاک
جب جوہروں پہ اُس کے جمی کربلا کی خاک ‏ غل تھا کہ بس عدوئے امام اب ہوئے ہلاک

کاٹو نگی سر قسم یہی کھائی ہے تیغ نے
تسبیح خاک پاک اُٹھائی ہے تیغ نے

ایک ٹیپ یہ بھی پڑھی تھی ؎

مشکل کشا کا ذکر قوی ہیکلوں میں ہے ‏ پہلے سے آب تیغ کی گرمی گلوں میں ہے

اسی طرح وہ مرثیہ جو مرزا صاحب نے جناب مجتہد العصر علامۂ جائسی مولوی سید علی حسن صاحب قبلہ کو دیا تھا۔ اور جس کا ایک مصرع اُن جناب نے یہ تحریر فرمایا ہے۔ ع اے طبع دلیر آج دکھا شیر کے حملے۔ نہ اب جناب کے پاس ہے۔ نہ مرزا اوج صاحب کے یہاں ہے۔ نہ اور کہیں ملتا ہے٭۔ پس اس طرح سینکڑوں یا ہزاروں مرثئے مرزا مرحوم کی طبعی سخاوت و بے پروائی کی نذر ہو گئے۔ بہت کلام غدر ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا۔ سیکڑوں مرثئے

٭ مرزا صاحب کے بہت سے مرثئے اس طرح بھی تلف ہوئے۔ کہ مرثیہ پڑھ کر وہ منبر سے اُترے اور کسی ایسے دوست یا شاگرد نے مانگ لیا جن کا سوال رد کرنا مرزا صاحب کی خوش خلاقی کے خلاف تھا۔ مرزا صاحب نے کہدیا نقل کرکے دو دن میں واپس دیجیگا۔ وہ کسی مجبوری میں مبتلا ہو گئے اور مرثیہ واپس نہ کر سکے اور وہ مرثیہ تلف ہو گیا۔ یہ تو خوش معاملہ لوگوں کا ذکر تھا۔ اب ہے وہ لوگ جو مرثیہ لیکر دینا ہی بد خلاقی سمجھتے ہیں اور مرثیہ و تسبیح کو مال وقف سمجھے ہوئے ہیں ان سے تو مرثیہ واپس ملنا ہی محال ہے۔ مجھے خود ایسے لوگوں کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور بعض مرثئے ایسے احباب نما غارتگروں کی نذر کر چکا ہوں ۱۲ مؤلف حقیر۔

دُوسروں کے نام سے شائع و مشتہر ہو کر تلف ہو ہو گئے۔ مگر سخاوت کا عوض ضرور ملتا ہے۔ اس کا بدلا بظاہر یہ ملنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج بہت سے مرزا صاحب کے شاگردوں کے مرثئے اُن کے نام سے مشہور ہیں۔ از بسکہ یہ سب قلمی ہیں۔ کچھ دنوں میں یا تلف ہو جائینگے۔ یا دُوسرے مرثیہ گو شعرا وغیرہ کچھ تغیر کر کے اپنے نام سے منسوب کرینگے۔ اسی خیال سے میرا عزم ہے۔ کہ اس حیات دبیر کی تالیف و طبع سے فارغ ہو کر بشرط حیات مرزا صاحب کے تلامذہ کے مرثیوں کی چند جلدیں چھپوا دوں٭

(۶) ایک ایک مرثئے میں پانچ پانچ چھ چھ مطلع کہنے کے سبب سے بھی مرزا صاحب نے اگر ایک ہزار مرثئے کہے ہونگے۔ تو پانچ سات یا دس ہزار مشہور ہو گئے٭

بہرحال اب جو مرزا صاحب کا کلام میرے علم میں موجود ہے۔ وہ حسب ذیل دو قسم کا ہے۔ (۱) **مطبوعہ** (۲) **غیر مطبوعہ**۔ مطبوعہ کی بھی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مطبع اودھ اخبار میں دو جلدوں میں چھپا ہے۔ دُوسرا وہ جو اور مصنفوں کے کلام کے ساتھ یا علیحدہ علیحدہ مرثئے چھپے ہیں۔ ان سب مرثیوں میں اکثر کلام غلط اور ایسا پیوندی کلام شامل ہے۔ جس کا چھانٹنا دشوار ہے۔ بلکہ مطبع اودھ اخبار کی جلدوں میں تو بعض مرثئے ایسے ہیں۔ جن کا ایک بند بھی کلام مرزا صاحب سے نہیں ہے جیسے یہ مرثیہ ٥ ہمراہ علم ہے یہ عزاخانہ ہے کس کا۔ مرزا نظیر برادر مرزا دبیر مرحوم کی تصنیف ہے۔ پیوندی مرثیوں میں اب یہ امتیاز کرنا کہ کون سا بند مرزا صاحب کا ہے کونسا دُوسرے کا ہے بہت مشکل ہے۔ پیوندی یا اصلی مرثیوں کی یہ کیفیت ہے۔ کہ ذاکروں میں یہ عادت جاری تھی۔ اور اب بھی ہے۔ کہ پانچ سات مرثیوں کے چُست چُست بند چھانٹ کر ایک مرثیہ کسی ذاکر نے بنا لیا۔ اور پڑھا۔ ظاہر ہے کہ معمولی مرثیہ سے زیادہ اُس پر مجلس میں رنگ ہوگا۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ (مثل مشہور ہے)۔ اب جو دُوسرا ذاکر ذاکر اول کا مدمقابل منبر پر گیا۔ تو اُس نے بھی یہ سمجھ کر کہ معمولی مرثئے پر شاید یہ رنگ نہ ہو۔ ایسا ہی پیوندی مرثیہ

پڑھ کر کامیابی حاصل کی۔ کبھی کبھی مَیں خود بھی ایسے جرم اخلاقی کا مرتکب ہُوا ہُوں۔ مگر کب جب کہ دُوسرے ذاکر نے پیوندی مرثیہ پڑھا۔ مَیں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ قدیر الدولہ قدیر مرحوم اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں ؎

اپنا ہی کلام ہم تو پڑھتے ہیں قدیر ✢ اور یاروں کا ہر مرثیہ پیوندی ہے

تیسری قسم کلام مطبوعہ کی وہ بیس[۲۰] جلدیں دفتر ماتم کی ہیں۔ جو یکجائی میر عبد الحسین صاحب دس روپیہ میں بیچتے ہیں۔ ان میں بھی بعض کلام غیر (بعض مرثئے کے مرثئے اور بعض بند کلام غیر کے) شامل ہے۔ جن کا امتیاز مشکل ہے۔ مَیں آگے چل کر دفتر ماتم کے بعض مرثیوں کی نسبت مع دلیل یہ رائے ظاہر کرونگا۔ کہ وہ مرزا صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔ البتہ بند جو جا بجا مخلوط ہیں۔ اُن کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرنے سے مجبور ہُوں۔ کہ اتنی چھان بنان کا وقت و فرصت نہیں ہے۔

ایسے مرثئے چھپ جانے کی وجہ یہ معلوم ہُوئی۔ کہ جب یہ مرثئے چھپنا شروع ہوئے۔ تو مرزا اوج صاحب قبلہ کے پاس بہت تھوڑے مرثئے تھے۔ اُنہوں نے جا بجا سے مرثئے منگواکر مطبع کو دئے۔ وہ اکثر شاگردوں کے پاس کے تھے۔ جن میں شاگرد پیوند لگا چکے تھے۔ اُن کا علیحدہ کرنا امر دشوار تھا۔ وہ اسی طرح چھپ گئے۔ یہ حال مجھے یُوں معلوم ہُوا۔ کہ اُسی زمانے میں مرزا اوج صاحب نے کچھ مرثئے میرے نانا ظہیر (مرحوم) سے بھی منگائے تھے۔ ان اکثر مرثیوں میں ترتیب اصلی وقت تصنیف کی قائم نہیں رہی۔ اور بعض مقام سے بعض مرثئے غیر مسلسل نظر آتے ہیں ✢

ان دفتر ماتم کی ۲۰ جلدوں کے مرثیوں کی تعداد ۲۶۶ ہے حسب شرح تحت ہے۔ اور یہ سب بجز ایک مرثیہ مربع کے (جس کا مطلع یہ ہے ؎ لازم[۱] نہ تھا یہ چرخ ستمگر کے واسطے) مسدس ہیں ✢

[۱] دفتر ماتم جلد چہارم ص ۵۰ پندرھواں مرثیہ ہے

فصل ۳ تعداد مراثی دفتر ماتم

تفصیل و تعداد مرثیہ ہائے دفتر ماتم جلد وار

نمبر شمار	تعداد مرثیوں کی	نمبر شمار	تعداد مرثیوں کی
۱	۲۵	۲	۲۵
۳	۲۹	۴	۲۷
۵	۲۷	۶	۲۹
۷	۲۵	۸	۳۰
۹	۲۶	۱۰	۲۷
۱۱	۲۵	۱۲	۲۹
۱۳	۲۳	۱۴	۱۹
میزان			۳۶۶

تفصیل جلد ۱۵ و سلام

دفتر ماتم کی پندرھویں جلد میں مثنوی ہے۔ جس کا نام احسن القصص ہے۔ اس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالات ولادت و فضائل و معجزات کو نظم کیا ہے۔ معراج نامہ بھی اس میں ہے۔ اس مثنوی کی نسبت میری یہ رائے ہے۔ کہ مرزا صاحب مرحوم نے بہت رواروی میں کہی ہے۔ اور بندش و زبان سے ابتدائی مشق کی تصنیف پائی جاتی ہے۔ کہ جو شان اُن کے اعلےٰ درجہ کے مرثیوں میں ہے۔ وہ اس مثنوی میں نہیں نظر آتی۔ اور میری رائے میں اُن کے شاگرد رشید منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر مرحوم کی مثنوی معراج المضامین مرزا صاحب کی مثنوی سے بہتر ہے۔ دفتر ماتم کی سولھویں (۱۱۰) سترھویں (۱۲۴) اٹھارھویں (۹۸) جلد میں الف سے لیکر ی تک ۳۳۲ مسلسل بردیف وار سلام ہیں۔ ان میں بعض بعض مرزا صاحب کے شاگردوں کے بھی سلام ہیں۔ جن کا حال مقطع سلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس ہیچمدان کے بھی تین چار سلام ہیں۔

ان سلاموں میں بھی چُست و سُست ہر قسم کا کلام ہے۔ اور سب سے زیادہ سُست میرا کلام ہے۔ اُنیسویں جلد میں ۴۶ مخمس سلاموں پر ہیں۔ اسی میں وہ مخمس بھی ہے۔ جو ہفت بند ملا کاشی علیہ الرحمہ پر فارسی میں مصرع لگاکر مرزا صاحب نے مخمس کیا ہے۔ اور جو اس سے پہلے شمس المشرقین کے نام سے چھپ چکا تھا۔ مصرع اکثر ایسے اچھے لگائے ہیں۔ کہ پانچوں مصرع ایک شخص کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہی حال اکثر مخمسوں کا ہے۔ اور یہی کیفیت ہفت بند ملا کاشی کے خمسہ کی نظر آتی ہے۔ اہل زبان (ایرانی) کے کلام پر ایسے مصرع لگانا کہ جو کل کلام اہل زبان کا معلوم ہو۔ بیشک کمال مرزا مرحوم کا ہے۔ اور یہ بات ہر ہندی شاعر کو نصیب نہیں ہوتی* +

رباعیاں نوحے وقطعات وغیرہ

دفتر ماتم کی بیسویں جلد میں ردیف وار رباعیاں اور نوحے اور واقعات اور تضمینیں اور مناجات و قطعات وغیرہ متفرق کلام ہے۔ جن کی تعداد سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں پہنچی ہے۔ ان میں بھی چُست و سُست کلام ہر رنگ کا ہے +

قصیدہ

دفتر ماتم میں کوئی قصیدہ مرزا صاحب کا نہیں چھپا۔ مگر جناب مرزا اوج صاحب قبلہ نے اپنی کتاب علم عروض (مقیاس) میں جو ایک قصیدہ مرزا صاحب مرحوم کا بجواب قصیدہ رشید وطواط لکھا ہے۔ اُس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ قصیدہ اوسط درجہ کا کہتے تھے۔ اور اگر اُن کو زیادہ قصائد کہنے کا موقع ملتا۔ تو غالباً جمیع اصناف سخن سے وہ قصیدہ بہتر کہتے۔ کیونکہ اُن کے بعض مرثیوں میں بھی بعض موقع پر قصیدہ کی اعلےٰ الشان نظر آتی ہے +

مرثیے جو مرزا ... نہیں ... ہیں و روقت ... ہیں

ازبسکہ میں کلام مطبوعہ کا حال لکھ رہا ہوں۔ اس لئے اس موقع پر وہ فہرست بھی پیش

* ایرانیوں کے ساتھ برسوں رہنے اور بولنے کے بعد یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کے ایک اُستاد مجتہد مازندرانی تھے۔ جن کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ غالباً یہ انہیں کے تلمذ و صحبت کا فیض ہے۔ بعد اس قدر لکھنے کے مجھے جناب استاذ مکرم حضرت اوج مدظلہ سے معلوم ہُوا۔ کہ شمس المشرقین پر اُن مجتہد مازندرانی (طاب ثراہ) کی اصلاح ہے۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

کروں۔ جو مرثئے سرسری نظر سے دیکھنے پر مجھے مرزا صاحب کے نہیں معلوم ہوئے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

نمبر	مطلع مرثیہ کا	کس جلد میں ہے	کیفیت
۱	جو زائر حسین علیہ السلام ہو	۲	مرزا مرحوم کی زبان نہیں معلوم ہوتی اس لئے اُن کا کلام نہیں ہے۔
۲	شیر خدا کا شبیر ہے آہوئے مصطفےٰ	۵	ایضاً
۳	عباسؑ کو جو سبط نبیؐ نے علم دیا	۷	نہ مرزا صاحب کی زبان ہے نہ طرز بیان ہے۔ غالباً اُن کے کسی شاگرد کا ہے۔
۴	شاہوں سے کم نہیں ہیں غلامان مرتضےٰؑ	۸	زبان سے بھی مشیر مرحوم کا معلوم ہوتا ہے۔ اور مجھے تحقیق بھی ایسا ہی ہوا ہے۔
۵	یارو غم حسینؑ کی عزت عظیم ہے	۹	مرزا صاحب کی زبان نہیں۔ غالباً مشیر مرحوم کا ہے۔
۶	کیا ذات ذوالجلال غفور و رحیم ہے	۱۱	مرزا صاحب کی زبان نہیں معلوم ہوتی

مرثئے جو زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کے ہیں

اب یہ بھی لکھ دوں۔ کہ میرے علم میں جس قدر مرثئے دفتر ماتم میں چھپے ہیں۔ بجز پانچ مرثئے مندرجہ تحت کے سب زمانہ غدر ۱۸۵۷ء سے قبل کی تصنیف ہیں:۔

نمبر	مطلع	حال
۱	اے صبح وفا کون ترا شمس ضحےٰ ہے	حضرت عباسؑ کے حال میں جلد اوّل دفتر ماتم میں چھپا ہے۔
۲	انجیل مسیحؑ لب شبیرؑ ہیں عباس	حال حضرت عباسؑ میں ناتمام مرثیہ ہے۔ جلد دوم میں چھپا ہے

نمبر	مطلع	حال
۳	یا رب مجھے مرقع خلد بریں دکھا	حضرت امام حسینؑ کے حال میں جلد پنجم میں ہے۔
۴	پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی	عونؑ و محمدؑ کے حال میں ہے۔ جلد اوّل میں چھپا ہے۔
۵	گل گشت گلستاں اجل کرتے ہیں اکبرؑ	حال شہزادہ علی اکبرؑ میں ہے۔ جلد دویم میں چھپا ہے۔

تاریخ گوئی

تاریخ گوئی میں بھی مرزا صاحب کو کمال تھا۔ چند منٹ میں اکثر تاریخ کر دیتے تھے۔ ہزاروں تاریخیں کہی ہیں۔ مگر دفتر ماتم میں ایسی تاریخیں نہیں چھپیں۔ یہانتک کہ میر انیس مرحوم کے انتقال کی تاریخ بھی دفتر ماتم میں نہیں چھپی +

غزل

غزل۔ سُنا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے تین دیوان مکمل تھے۔ مگر انہوں نے خود مشتہر نہیں کئے۔ جس زمانہ میں اُن کے داماد میر بادشاہ علی صاحب بقا مرحوم (پسر میر وزیر علی صبا مغفور) ابتداءً غزل کہتے تھے۔ مرزا صاحب سے مانگ کر ایک یا دو دیوان وہ لے گئے۔ برسوں اُن کے یہاں رہے۔ پھر ایک زمانہ میں اُن کے یہاں آگ لگی۔ وہ دیوان بھی سُنا ہے کہ اور اسباب کے ساتھ جل گئے۔ بعض غزلیں جو مرزا صاحب کے تخلص سے ایک آدھ تذکرہ میں پائی جاتی ہیں۔ نہ معلوم اُن کی ہیں یا نہیں +

نثر اردو

نثر اُردو۔ مرزا صاحب خط تو ہمیشہ فارسی میں لکھا کرتے تھے۔ اور بہت کم لکھتے تھے۔ اس لئے اُن کا اُردو کا (بلکہ فارسی کا بھی) کوئی خط ابتک نہیں ملا۔ البتہ ایک اُردو نثر کی کتاب مصائب میں مطبع یوسفی دہلی میں چھپی ہے جس کا نام ابواب المصائب ہے۔ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ سے بر سبیل تذکرہ معلوم ہوا۔ کہ اس کا اصل مسودہ مرزا صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ پس یہ کتاب بالتحقیق انہیں کی تصنیف پائی جاتی ہے۔ میرے کرم فرما سید صغیر حسین صاحب شمس مالک مطبع یوسفی دہلی و مینجر اخبار اثنا عشری دہلی کی

فصل ۴

شعاع توجہ و مہربانی سے یہ کتاب مجھے پہنچی۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کے عہد میں یہ کتاب مرزا صاحب نے لکھی۔ حضرت یوسفؑ کے واقعات جا بجا لکھ کر حالات امام حسینؑ کا پیوند لگایا ہے۔ باوصفیکہ اب اسّی پچاسی سال پہلے کی تصنیف ہے۔ مگر زبان سلیس ہے۔ عبارت میں اُس زمانہ کی روش کے موافق فارسی و عربی کے الفاظ بہت ہیں۔ مگر عبارت کو خواہ مخواہ مقفےٰ نہیں بنایا ہے۔ اس لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے +

مرثئے جو اب تک نہیں چھپے

اب مَیں اپنے علم کے موافق اُن مرثیوں کے مطلع بھی لکھ دُوں۔ جو اب تک چھپے نہیں ہیں:۔

نمبر	مطلع	کیفیت
۱	جب حرم قلعۂ شیریں کے برابر آئے	ایک پُرانا مرثیہ ہے۔ میرے پاس بھی موجود ہے۔ نہایت فصیح و سلیس نظم ہے۔
۲	اے آسمان زمین عدم میں نہاں ہو آج	اہلبیتؑ کے دربار یزید میں آنے کے حال کو نظم کیا ہے۔ یہ بھی میرے پاس اور بہت صاحبوں کے پاس ہے۔ شانِ نظم اور زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد شاہی کی تصنیف ہے۔ عمدہ مرثیہ ہے۔
۳	کس کے گل حدوث میں خوشبو قدم کی ہے	یہ ایک بہت بڑا مرثیہ ایک ہزار بند کے قریب سنا جاتا ہے۔ سُنا ہے۔ کہ اکثر اقربائے امام حسینؑ کے حالات نظم فرمائے ہیں۔ میرے پاس ایک ٹکڑہ اس کا ہے جو شاید ساٹھ ستر بند کا ہوگا۔ یہ بھی عہد شاہی کی تصنیف عمدہ مرثیہ ہے۔

نمبر	مطلع	کیفیت
۴	مہر علم سرور اکرم ہُوا طالع	یہ بے نقط مرثیہ ڈیڑھ سو بند سے کچھ اُوپر سُنا جاتا ہے۔ اس صنعت میں یہ لاجواب مرثیہ قابل دید ہے مگر بوجہ وصیت مصنّف تقسیم نہیں ہُوا۔
۵	آمد ہے خداوند شجاعان زمن کی	امام حسینؑ کے حال میں ایک لاجواب مرثیہ ہے۔ بعد غدر ۱۸۵۷ء کی تصنیف اور غیر تقسیمی ہے۔
۶	ہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے	امام حسینؑ کی مدینہ منوّرہ سے روانگی اور فاطمہ صغریٰ سے مفارقت نظم کی ہے۔ یہ بھی بعد غدر ۱۸۵۷ء کی تصنیف اور لاجواب غیر تقسیمی مرثیہ ہے۔
۷	اے کلک رقم سلک قلمداں سے جُدا ہو	بس یہی ایک مصرع سُنا ہے۔ اور یہ سُنا ہے کہ لاجواب مرثیہ ہے۔ اور حال معلوم نہیں۔
۸	جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی	مختار کے حال میں ایک غیر تقسیمی مرثیہ ہے جسکی نسبت مرزا صاحب کے شاگردوں وطرفداروں کا یہ خیال ہے۔ کہ تمام تصنیفات مرزا صاحب کی ایک پلّہ میں اور یہ مرثیہ دُوسرے پلّہ میں رکھنے پر بھی شاید یہی پلّہ جھکتا ہُوا ہوگا۔ میں اس کا حال اُوپر بھی لکھ چکا ہُوں۔ مرثیہ بہت اچھا ہے۔
۹	کیوں چرخ میں گردوں کی طرح رن کی زمیں ہے	حال حضرت امام حسینؑ میں لاجواب مرثیہ ہے طِنلع بدائع میں اکثر بند ہیں جن میں سے بعض بند جناب استاذی اعرج مدظلہ نے مجھے عنایت فرمائے۔ اور میں نے اس کتاب میں لکھ دئے ہیں۔

نمبر	مطلع	کیفیت
۱۰	قبضہ ہے علقمہ کی ترائی پہ شیر کا	مطلع کے مصرع کی طرح تمام مرثیہ حال حضرت عباسؑ میں شاندار اور لاجواب ہے مگر مشتہر نہیں ہُوا۔
۱۱	....	مطلع مجھے یاد نہیں رہا۔ حال حضرت امام موسیٰ کاظمؑ میں لاجواب مرثیہ ہے۔ جس کا کچھ ذکر مَیں نے ایک جگہ اس کتاب میں لکھا ہے۔

مرزا صاحب کے مرثیے میر صاحب سے بہت زیادہ ہیں

ناظرین! آپ مجھے معاف فرمائیگا۔ میر انیس صاحب مرحوم کی کسی طرح تنقیص (معاذاللہ) مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مؤرخی کی شان مجھے اس کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ کہ جب ملک نے میر صاحب کو مرزا صاحب کا مدِّمقابل مان لیا ہے۔ اور مرزا صاحب و میر صاحب کا کمالات میں مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو مَیں اپنے علم کے موافق یہ بھی عرض کروں کہ ان کے مقابلہ میں میر صاحب کے کلام کی تعداد کس قدر ہے۔ کیونکہ عام طور پر لوگ یہی کہدیتے ہیں۔ کہ ان کے بھی ہزاروں مرثئے ہیں۔ اُن کے بھی ہزاروں ہیں۔ حالانکہ واقعی ایسا نہیں ہے۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ میر صاحب کے سَوا سَو (۱۲۵) مرثیوں سے زیادہ نہیں ملتے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں عرض کروں۔ کہ میر صاحب کی کل ۶ جلدیں چھپی ہیں۔ اور مرزا صاحب کی ۲۰ جلدیں کچھ کلام غیر ان میں بھی شامل ہے۔ اُن میں بھی ہے سا اس کے ساتھ اور ایک بات بھی سُن لیجئے۔ میر ضمیرؒ۔ میرزا فصیحؒ۔ منشی دلگیرؒ۔ ان سب کے مرثیوں کی جلدیں چھپ گئیں۔ انہیں صاحبوں کے معاصر و ہم پلّہ میر خلیق مرحوم تھے۔ (جو میر انیس مرحوم کے والد ماجد اور اُستاد تھے)۔ اُن کے مرثیوں کی کوئی جلد نہیں چھپی۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ اُن کے مرثئے کہاں مر گئے۔ اگر مولوی شبلی صاحب کی تحقیق صحیح ہے۔ (جیسا کہ اُنہوں نے مفصّل و مدلل موازنہ انیسؒ و دبیرؒ کے صفحہ پندرہ پر لکھا ہے)۔ تو یہ

نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ بعض مرثئے جو آج میر انیس مرحوم کے نام سے مشہور ہیں (اور وہ بھی ان چند جلدوں میں ہیں) وہ درحقیقت میر خلیق مرحوم کی تصنیف ہیں۔ پس جو لوگ بے تعصّبی سے دبیرؒ و انیسؒ کا مقابلہ کرنا چاہیں۔ وہ اس بات پر بھی خیال فرمائیں۔ کہ ایک شاعر کثیر الکلام کے ساتھ ایک قصیر الکلام شاعر کا مقابلہ ہے*۔ ایک ہی قسم کا مضمون اگر ایک ابتدائی مشق کے مرثیہ میں مرزا صاحب کے یہاں سُست بندھا ہُوا ہے۔ تو وہی یا ویسا ہی مضمون ایک دُوسرے درمیانی مشق کے زمانہ کے مرثیہ میں (مرزا صاحب کے یہاں آپکو چُست ملیگا۔ پس اگر آپ کی طبیعت میں انصاف ہے۔ تو میر صاحب کے ہم مضمون نظم کو مرزا صاحب کے اُسی نظم سے نہ ملائیے۔ جو ابتدائی زمانہ کی ہے۔ بلکہ دونوں زمانوں کی نظم سے ملائیے۔ اور انصاف فرمائیے۔ کہ مرزا صاحب باوصف اس قدر پرگو ہونے کے کس قدر اچھا کہتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر جو شعرا پرگو ہوتے ہیں۔ اُن کا کلام اکثر سُست ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کا جتنا کلام مطبوعہ اس وقت موجود ہے۔ اُتنا کلام بھی کسی مشہور شاعر عرب یا عجم یا ہند کا مجھے تو نظر نہیں آتا۔ اور کثیر الکلام شاعر کے کلام میں سُست و چُست کلام ہونا ایک لازمی بات ہے۔ بلکہ جو شاعر پھونک پھونک کے قدم رکھتے ہیں۔ بار بار کاٹتے اور بناتے ہیں۔ اُن کا بھی کلام چُست و سُست نظر آتا ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے اُستاد بھائی مخدومی پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے کا ایک شعر یاد آیا ہے۔ جو ایسے محتاط شاعروں کی شان میں ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ ؎

شعر اپنے جب نہ بھائے الفاظ کچھ بنائے ✤ پیوند تو لگائے پیراہن کہیں میں

---

* پروفیسر آزاد مرحوم نے بھی آب حیات میں انیسیوں اور دبیریوں کی فرضی بحث میں اس کا اشارہ کیا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ دبیری کہتے تھے "کس کا منہ ہے۔ جو رات کو بیٹھے اور سو بند کہکر اُٹھے۔ برس دن تک خامہ فرسائی کی۔ اور محرم پر دس پندرہ مرثئے لکھ کر لا اُٹھائے۔ تو کیا کئے۔ وہ بھی داد اور بھائیوں کے مشورے ملا کر۔ اور مباحثوں کے پسینے بہا کر" ۱۲ مؤلف حقیر۔

انتخاب کلام جناب غالب و جناب سحر

جن شاعروں نے اپنا سُست کلام نکال دیا ہے۔ اُن میں سے مَیں مثال کے طور پر دُو مسلم الثبوت شاعروں کو پیش کرتا ہُوں۔ ایک بزرگوار دہلی کے دُوسرے لکھنؤ کے ہیں۔ دہلی کے جناب غالب مغفور اور لکھنؤ کے سحر مرحوم ہیں+

مرزا غالب مرحوم نے اپنے اردو کے بڑے کلیات میں سے ہزاروں اشعار حذف کر کے ایک بہت مختصر دیوان اردو باقی رکھا جس پر خود اُن کا قول شاہد عادل ہے سے

کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ + شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

یہاں تک اشعار دیوان سے نکال دئے۔ کہ وہ مشہور سہرہ بھی۔ جس پر شیخ ابراہیم صاحب ذوقؔ سے جھگڑا ہُوا تھا۔ دیوان اردو میں نہیں ہے* (اور جس کو پروفیسر آزاد مرحوم نے اپنی آزادی یا اپنے اُستاد کی طرفداری کے خیال سے کہ ذوق کا سہرہ غالب کے سہرہ سے چُست معلوم ہوتا ہے۔ آب حیات میں آب و تاب سے لکھا)۔ غالب مرحوم نے تو عاشقوں کے فرضی گریبان کی طرح سہرہ کا تار تار الگ کر کے ایسا پھینک دیا تھا۔ کہ آج شاید اُس کا ایک تار یا سُوکھا ہُوا ایک پھُول بھی ہم کو نہ ملتا۔ مگر آب حیات نے یہ جان بخشی کی۔ کہ دونوں سہروں کے مقابلہ کا آج موقع مل گیا۔ بہرحال اس کثرت سے اشعار نکال دینے کے بعد بھی دیوان اردوے غالب مرحوم میں بہت سُست شعر موجود ہیں۔ اسی طرح شیخ امان علی صاحب سحر مرحوم نے اپنا پُرانا دیوان جس میں رعایت لفظی بہت اُبھری ہُوئی تھی۔ اُس رنگ کو ناپسند کر کے پھاڑ پھینکا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں سے

سودا ہے نئی بات کا لے جان پُرانا + سب پھینک دیا پھاڑ کے دیوان پُرانا

گو اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے۔ کہ سحر مرحوم نے مضمون کو رعایت لفظی خصوصاً اُبھری ہُوئی رعایت لفظی پر مقدم رکھا جس سے وہ ایک صحیح المذاق شاعر معلوم ہوتے ہیں۔

* حالانکہ اُس کی معذرت میں جو نظم کہی تھی۔ وہ دیوان میں موجود ہے۔ جس کا ایک شعر لاجواب یہ ہے سے قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں۔ ہے شُکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے + ۱۲ مؤلف

اور جس شخص نے اتنے بڑے دیوان کو تلف کر دیا۔ اُس سے یہ بھی بعید نہیں۔ کہ جو شعر سُست سمجھے ہوں۔ اُن کو بھی نکال دیا ہو۔ پھر بھی ان کے دیوان میں چُسپت و سُست اشعار موجود ہیں۔ ان پر کیا منحصر ہے۔ ہر شاعر کے یہاں چُسپت و سُست کلام (چاہے وہ کتنا ہی کلام کاٹ چھانٹ کر باقی رکھے) ضرور ملتا ہے۔ ع یہی ہے فرق بندے اور خدا میں۔ بات میں سے بات نکلتی ہے۔ اس میری تحریر کو دیکھ کر کوئی صاحب یہ نتیجہ نہ نکالیں۔ کہ معاذ اللہ مرزا غالب مرحوم قصیر الکلام تھے۔ نہیں بلکہ وہ بہت پر گو تھے۔ اُن کا فارسی کا کلیات بہت بڑا موجود ہے۔ اُردو میں علاوہ نظم کے نثر کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اور وہ خود عود ہندی کے ایک رقعہ میں اپنے پُر گو ہونے پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ اور یہ ناز و فخر اُن کا بیجا نہیں ہے۔ درحقیقت جس شخص کا کلام بہت ہے اور پھر اچھا بھی ہے۔ وہ ضرور فخر کریگا۔ اور فخر اُس کو زیبا بھی ہے +

نقل متعلق جناب مصحفی

ناظرین! جب کہ میں نے اس کثرت کلام کی بحث میں اس قدر آپ کا وقت لیا ہے۔ تو ایک نقل بُڈھے شاعر گر شاعر* میاں مصحفی کی بھی سُنا دوں:۔

مصحفی سے ایک شاگرد نے کہا۔ اُستاد آپ بُرا نہ مانئے۔ تو میں ایک بات عرض کروں +

میاں مصحفی۔ کہو +

شاگرد۔ بعض شعر تو آپ کا ایسا پھڑکتا ہؤا ہوتا ہے۔ کہ دل کو تڑپا دیتا ہے۔ جیسے ؎

اے مصحفی میں رووں کیا اگلی صحبتوں کو + بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

*حضرت مصحفی کو میں شاعر گر شاعر اس لئے کہتا ہوں کہ اکثر لکھنؤ کے معزز شاعر اس شاعر مشاق کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں جیسے آتش ضمیر خلیق۔ انیس۔ دبیر۔ انیس۔ امیر مینائی وغیرہ وغیرہ۔ پس جن بزرگوار کے ایسے ایسے تعلیم یافتہ و فیض یافتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ (شاعر) شاگرد ہوں۔ اُسکو شاعر گر کہنا کچھ بیجا نہیں ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

مگر بعض شعر آپ ایسے سست فرماتے ہیں۔ کہ شاید مجھ جیسا مبتدی بھی کہ لے۔ میر انشا کا یہ حال نہیں ہے۔ یہ کیا بات ہے؟

مصحفی۔ (ذرا تیور بدل کر) سنو بھئی۔ کوئی شاعر کنوآں ہے۔ اُس کا فائدہ اُسی گھر والوں تک محدود ہے۔ کوئی اندارہ ہے۔ کہ محلہ بھر پانی بھرتا ہے۔ اسی طرح کوئی تالاب۔ کوئی رجبہ۔ کوئی نہر۔ کوئی دریا ہے۔ تمہارا بڈھا مصحفی سمندر ہے سمندر۔ پھر سمندر میں تو کوڑہ کرکٹ بھی نکلیگا۔ موتی بھی۔ عنبر بھی۔ مونگا بھی۔ اور ہزاروں چیزیں مختلف قیمت کی سمندر میں ملتی ہیں۔ میرا اور ایسے شاعروں کا کیا مقابلہ۔ جو ایک کنوئیں یا تالاب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ کہ جس میں ایک رنگ اور ایک ذائقہ کا پانی نکلتا ہے۔ اللہ اللہ۔ خیر سلّا (خیر وصلاح)

اس حکایت کے لکھنے سے میرا مقصود صرف اتنا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا اس کثرت سے کلام ہے۔ اس پر بھی اُن کا کلام اس قدر چُست ہے۔ یہ اُن کے ممدوحوں محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی تائید ہے۔ اور یہ بھی خدا کی قدرت یا ممدوحوں کی مدح کی برکت ہے۔ کہ مرزا صاحب کے یہاں ہر رنگ کا کلام کثرت سے ملتا ہے۔ جیسا کہ میں اُوپر ثابت کر چکا ہوں۔ اور جلد دوم (حیات دبیر) میں ہر قسم کے کلام کے اکثر نمونے میں نے پیش کر دئے ہیں۔ اور جس کا فخر خود مرزا صاحب اس شعر میں کرتے ہیں ؎

اک طرز کی تصنیف میں ہم کو ہے کلام ✤ ہر رنگ میں جو خوب کہے خُوب ہے وہ

ناظرین!! اب میں دبیر مرحوم کے چند قدر شناس اہل کمال کا ذکر کرتا ہوں

باب یازدہم۔ دبیر مرحوم کے قدر شناس اہل کمال

مثل مشہور ہے کہ دُنیا مُردہ پرست ہے۔ اکثر مصنفوں و شاعروں کے مرنے پر زمانہ قدر کرتا ہے۔ مگر کبھی کسی کامل کی قدر (زمانہ) اُس کی زندگی میں بھی کرتا ہے۔ چنانچہ

جناب مرزا صاحب کی جو عزت و توقیر اہل زمانہ نے اُن کے زمانے میں کی۔ اور اب تک قدر کر رہا ہے۔ وہ بھی شاید ہی کسی شاعر و مصنف کو نصیب ہوئی ہوگی۔ ہزاروں اُمرا اور اہل علم مرزا صاحب کے کمال کے معترف اور بعض فدائی ہو گئے تھے۔ میں اس باب میں اگر سب کا بیان کردوں۔ تو یہ ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ لہذا یہاں صرف چند سربرآوردہ اہل کمال و اہل علم کا بیان کرتا ہوں +

فصل ۱ مجتہد العصر علامہ جائسی مدظلہ العالی

(۱) مجتہد العصر علامۂ جائسی جناب مولوی سید علی حسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ یہ بزرگوار بمصداق مثل مشہور اِنّ اھل الفضل یعرف اھلہٗ* مرزا صاحب کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ اور اس قدر جناب مرحوم سے محبت ہے۔ کہ اس کمال ضعیفی میں میری معروضہ کو قبول فرمایا۔ اور مرزا صاحب مرحوم کے حالات اپنے شاگرد اور برادر زادہ منشی سید احمد رضا صاحب جائسی سے لکھوا کر مرحمت فرمائے۔ جو اس کتاب میں موقع موقع سے میں نے لکھ دئیے ہیں۔ اور کچھ اس موقع پر لکھنا چاہتا ہوں۔ اور جناب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ ہمارے سر پر ان کا سایہ رہے۔ اور منشی صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں + جناب فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب مرحوم کا جو اعزاز اُن کے کمال کے سبب سے خاندان عالی شان اجتہاد میں تھا۔ اُسی نظر سے وہ جناب حضرت زبدۃ العلما معین المومنین سید تقی صاحب مرحوم (خلف الصدق سید العلما طاب ثراہ) کی مجلس میں پڑھا کرتے تھے۔ اُس مجلس میں خاندان اجتہاد کے تمام مجتہد اور لکھنؤ کے قریباً تمام اہل کمال شریک ہوتے تھے۔ یہ عزت تمام اعزازوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

(جناب فرماتے ہیں ۱۲)

مجلس سویم فرزند اکبر سید العلما

اور (۲) جب زبن العلما عضد الدین سید علی ابن الحسین فرزند اکبر جناب سید العلما نے انتقال فرمایا۔ تو اُن کے سویم کی مجلس میں مرزا صاحب نے مرثیہ اور مرثیہ سے پہلے قطعہ تاریخ وفات پڑھا تھا۔ اُس کا یہ ایک شعر اب تک یاد ہے۔

---

* کامل کامل کو پہچانتا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

مرگِ فرزند علیؑ۔ واقعۂ اکبر بود ✦ رفت از مرگ علیؑ۔ راحت و آرام حسینؑ ✲

(۳) جناب علیین مکان (سید العلما میرن صاحب طاب ثراہ) کی مجلس سویم میں جناب مرزا صاحب مرحوم کے اشارے سے جناب سلطان العلما (سیّد محمد صاحب) کی حضوری میں مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد شیخ گوہر علی صاحب مشیر (مرحوم) نے اپنی تصنیف ایک مرثیہ پڑھا تھا جس میں اوّل اوّل صفات حمیدہ و خلق عادات جناب علیین مکان کے نظم کئے تھے۔ مطلع اُس کا یاد نہیں۔ البتہ ایک شعر یاد ہے۔ جس موقع پر میرن صاحب مبرور کے غم میں سلطان العلما کی اشکباری کی تصویر کھینچی ہے۔ اُس موقع پر کہتے ہیں۔

آنسو رواں تھے غیرتِ الیاسؑ کے لئے ✦ شبیرؑ یوں ہیں روئے تھے عبّاسؑ کے لئے

خاندان اجتہاد نے اس مرثیہ کی یہ قدردانی فرمائی تھی۔ کہ یہ مرثیہ ایک بیاض میں نقل کر کے کتب خانہ جناب ممتاز العلماء سیّد تقی صاحب قبلہ میں بحفاظت رکھا گیا تھا۔ اور تمام علمائے کرام نے اس نظم کو پسند فرمایا تھا۔ یہ امر بھی فضیلت جناب مرزا صاحب کی ایک روشن دلیل ہے۔ کہ اُن کے ایک شاگرد کی بھی اہل علم میں اس قدر قدر و عزّت کی جاتی تھی ✦

مشیر مرحوم

(۲) شمس العلما جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ فی الجنان باوصفیکہ ان جناب سے بقول صاحب رد واقعات انیس جناب میر انیس مرحوم اپنے مرثیہ پر اصلاح لیتے تھے (جیسا کہ خود ان جناب نے عظیم آباد میں چند صاحبوں کے رُوبرو بیان فرمایا)

فصل ۲

✲ میں کہتا ہوں کہ اس شعر میں صنعت ایہام ہے کہ جناب سید العلما میرن صاحب قبلہ کا نام (سید) حسین تھا اور ان کے فرزند اکبر کا نام علی تھا۔ اور جناب امام حسینؑ کے فرزند اکبر کا نام علیؑ تھا۔ اور مشہور علی اکبرؑ نام ہے جنکی شہادت کے بعد مظلوم کربلا نے فرمایا تھا۔ علی الدنیا بعدک العفا تیرے بعد دُنیا پر خاک ہے پس دونوں واقعات میں سے جس پر چاہئے یہ شعر چسپاں ہو سکتا ہے! اور مقصود شاعر واقعہ انتقال زین العلما ہے حضرت علیؑ کو فرزند اکبر امام حسینؑ اُس روایت کے مطابق بعض علما سمجھتے ہیں جس میں اُنکی عمر وقت شہادت ۲۵ سال کی منقول ہے کیونکہ اُس وقت امام زین العابدینؑ ۲۳ سال کے تھے اس لئے وہ امام حسینؑ کے فرزند اکبر تھے۔ جیسا کہ مناقب ابن شہر آشوب سے ظاہر ہے ✦ ۱۲ مؤلّف حقیر۔

اور مجھ سے وزیر صاحب (سید محمد صاحب پیش نماز اکبر اولاد جناب مفتی صاحب) ایک دن برسبیل تذکرہ بمقام آگرہ شاہ گنج ناقل تھے۔ کہ جناب میر صاحب نے اوّل یہ مصرع یُوں فرمایا تھا۔ ع جب حملہ ور امام کریم النفس ہُوئے۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ ع جب حملہ ور امام مسیحا نفس ہُوئے۔ میر صاحب نے یُوہیں دُرستت کرلیا۔ مگر ان جناب نے شان عدالت والنصاف کو پیش نظر رکھ کر دبیرؔ و انیسؔ کے باب میں جو فیصلہ فرمایا ہے۔ وہ ان کی کتاب عشرۂ کاملہ میں مسطور اور تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ یہ مسئلہ مولوی ابوالقاسم صاحب عرف مولوی مقرب علی خاں صاحب (ہمشیر زادہ ارسطوجاہ منشی رجب علی خاں صاحب مرحوم میر منشی چیف کمشنری پنجاب) سابق ہیڈ مولوی ضلع اسکول ریواڑی و مؤلف ذریعۃ النجات نے پُوچھا ہے۔ خلاصہ سوال یہ ہے۔ کہ بعض اہل ہند میر انیس مرحوم کو مرزا دبیر مغفور پر اور بعض میرزا صاحب کو میر صاحب پر شاعری میں ترجیح دیتے ہیں۔ آپ فیصلہ فرما دیجیے۔ کہ کون صاحب افضل و اکمل ہیں۔ اس کے جواب میں جناب ممدوح ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ میر صاحب کا کلام فصیح و شیریں ہے۔ مرزا صاحب کا کلام دقیق و نمکین ہے۔ پس جب ہر ایک کا ذائقہ مختلف (اور ہر شخص کا مذاق مختلف) ہے۔ تو ایک کو دُوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی*۔ یہ بات بھی اس موقع پر قابل ذکر ہے۔ کہ ایک عظیم آبادی بزرگوار نے مرزا صاحب کے اس بیت پر اعتراض فرمایا تھا ؎

اس رخش کے منہ پر کوئی دن چڑھ نہیں سکتا　　٭　　سُرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہیں سکتا

اور اپنے نزدیک اس قسم کے مبالغہ کو خلاف عقل و مہمل سمجھ کر جناب مفتی صاحب قبلہ سے پُوچھا تھا۔ مفتی صاحب نے اُن کو مدلّل و معقول جواب دے کر اسی کتاب عشرۂ کاملہ میں یہ

(حاشیہ: باب میں دبیرؔ و انیسؔ کے فیصلہ مفتی صاحب کا)

(حاشیہ: کسی عظیم آبادی کا کلام مرزا صاحب پر اعتراض اور جناب مفتی صاحب کا جواب)

---

* ملاحظہ ہو عشرۂ کاملہ کتاب مسائل میں (مطبوعہ مطبع اثنا عشری لکھنؤ)۔ اس میں سائل کا نام مولوی سید مقرب علی خاں صاحب مرقوم ہے۔ مگر میرے عنایت فرما منشی سید علمدار حسین صاحب واسطی ملازم ریاست پٹیالہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ دراصل خلیفہ سید محمد حسین مرحوم صاحب اعجاز التنزیل نے پُوچھا تھا۔ ممکن ہے کہ اُن جناب نے مولوی صاحب ممدوح سے خط لکھوایا ہو ۱۲۔ مؤلف حقیر

مسئلہ بھی چھپوا دیا ہے۔ ہر چند یہ سوال وجواب فارسی میں ہے۔ اور طالبان فن کے واسطے ایسے زمانہ میں کہ فارسی ہند میں لب بام ہے۔ شاید زیادہ مفید نہ ہو۔ مگر میں یہاں لکھے دیتا ہوں کہ ایک تو یہ مفتی صاحب کی تحقیق بمنزلہ تبرک ہے۔ دوسرے جب اس قسم کے مبالغہ کے اشعار کوئی صاحب تلاش کرنا چاہینگے۔ تو ان کو ایک جگہ مل جائینگے +

(ماحصل اُردو میں اُردو خوانوں کے لئے)

عرض کیا جاتا ہے۔ کہ مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ کے ایک بند میں تعریف وتوصیف تیز رفتاری اسپ مبارک (امام حسینؑ) کی بیان فرمائی ہے۔ اس طرح کہ اسپ مبارک بسبب تیزی رفتار کے صاحب سن نہیں ہوا۔ جیسا پیدا ہوا تھا۔ ابتک ویسا ہی ہے۔ اس کے بعد ٹیپ میں فرمایا ہے ؎

اس رخش کے منہ پر کوئی دن چڑھ نہیں سکتا
سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہیں سکتا

اس شہر کے نکتہ رسوں اور معنی سنجوں اور اہل علم میں سے کسی کی سمجھ میں اس بیت کے معنی نہیں آئے۔ بلکہ اکثر تو مہمل بتاتے ہیں۔ اس لئے کہ امتداد زمان (زمانہ کا گزرنا) حرکت فلک کو کہتے ہیں۔ اور سن کا تعلق امتداد زمانہ سے ہے۔ اگر شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ تیزی رفتار اسپ کے مقابلہ میں آسمان حیرت یا رشک سے

سوال

عرض می شود۔ کہ جناب مرزا دبیر صاحب قبلہ دریک بند مرثیہ تعریف وتوصیف تیز رفتاری اسپ مبارک بیان فرمودہ اند۔ بدیں نمط کہ اسپ مبارک حضرتؑ بسبب سرعت رفتار خود صاحب سن نگشتہ۔ چنانچہ خلق شدہ بود۔ ہنوز ہم چنانست۔ بعد ایں مضمون مصرع ٹیپ درآں بند چناں فرمودہ اند۔ ؎

اس رخش کے منہ پر کوئی دن چڑھ نہیں سکتا
سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہیں سکتا

معنی ایں بیت دریں شہر ہیچکس از نکتہ رساں ومعنی سنجان وذی علماں بالفہم درنمی آید۔ بلکہ اکثرے میگویند کہ مہمل است۔ چہ امتداد زماں مقدار حرکت فلک را گویند۔ وسن تعلق بامتداد زماں دارد۔ اگر مقصود قائل ایں باشد۔ کہ بمقابل سرعت رفتار اسپ فلک از حیرت یا از رشک ساکن گشتہ۔

سکون ہو گیا۔ تو اس صورت میں امتداد
زمان ہی نہیں پایا جاتا۔ اور جب امتداد
زمانہ نہ پایا گیا۔ تو گھوڑے کی موجودگی
کہاں۔ بلکہ کوئی چیز بھی نہ پائی جائیگی۔
اور اس صورت میں گھوڑے کی موجودگی
کہاں سے آئی۔ اور اگر شاعر کی یہ غرض
ہے۔ کہ گھوڑے کی رفتار کی تیزی کے مقابلے
میں آسمان کی حرکت گویا بمنزلہ عدم کے ہے۔
تو اس صورت میں آسمان نے جتنی حرکت کی۔
تھوڑی یا بہت۔ امتداد زماں حاصل ہوتا
ہے۔ جب امتداد حاصل ہوا۔ تو صاحب
سن ہونا گھوڑے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔
اور اگر شاعر کا یہ خیال ہے۔ کہ اس شعر میں
غلو ہے۔ جو حسب عقل و عادت محال ہو۔
تو اس صورت میں بھی نفی سن پر ثبوت چاہیئے۔
جیسا کہ نظامی نے فرمایا ہے۔

زسم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

چھ ہونا زمین کا اور آٹھ ہونا آسمان کا اس
شعر میں مصرع اوّل سے ثابت ہے۔ یعنی
زسم ستوراں دراں پہن دشت

دریں صورت امتداد زماں یافتہ نمی شود۔ وہرگاہ
امتداد زماں یافتہ نشد۔ وجود اسپ
چہ۔ بلکہ وجود ہیچ چیز ہم یافت نمی گردد۔
و دریں حال وجود رفتار است از کجا
آمد۔ و اگر مقصود قائل ایں باشد۔ کہ
مقابل سرعت رفتار اسپ حرکت
فلک گویا بمنزلہ عدم است۔ پس
دریں صورت فلک ہر قدر کہ حرکت
کرد۔ خواہ اندک خواہ بسیار۔ امتداد
زماں حاصل می شود۔ ہرگاہ امتداد
حاصل شد۔ صاحب سن گشتن اسپ
نیز ثابت می شود۔ و اگر قائل برآں
رفتہ۔ کہ دریں شعر غلوست۔ کہ
بحسب عقل و عادت ہر دو محال باشد۔
دراں صورت ہم اثبات ادعا یعنی ثبوت بر نفی
سن میباید۔ چنانچہ نظامی فرمودہ۔

زسم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

شش شدن زمین و ہشت گشتن آسمان دریں
شعر از مصرع اوّل ثابت شد۔ یعنی
زسم ستوراں دراں پہن دشت

اور مرزا صاحب کی بیت بلکہ تمام بند میں کچھ
ثبوت اپنے دعوے پر نہیں ہے۔ از بسکہ
آپ جامع علوم اور فن شاعری میں اُستاد
کامل ہیں۔ لہذا عرض ہے۔ کہ اگر یہ شعر
حقیقت میں مہمل ہو۔ تو ویسا ہی تحریر
فرمائیے۔ تاکہ عبث اس کے معنی کی تلاش
میں فکر نہ کی جائے۔ اور یہ امر مرزا صاحب
ممدوح سے بہت دُور معلوم ہوتا ہے۔
کہ وہ مہمل فرمائیں۔ اور اگر یہ شعر بامعنی ہو۔
اور اس جگہ کوئی اُس باریکی کو نہیں پہنچا ہو۔
تو جناب اس کے معنی مشرح و مفصل بدلائل
تحریر فرمائیں۔ خواہ دُوسرے کاغذ پر خواہ اسی
فرد کی پُشت پر۔ تاکہ لذّت مطلب سے جناب کی
بدولت ہم بھی کامیاب ہوں۔ اور منکروں کو
ساکت کریں۔ اور یہ خیال مرزا صاحب کے
اس شہر (عظیم آباد) سے تشریف لے جانیکے
بعد دلوں میں آیا ہے۔ ورنہ خود مرزا صاحب
قبلہ سے پُوچھ لیا جاتا۔ یہ کاغذ بہت جلدی
میں لکھا گیا ہے۔ عجب کیا بلکہ یقین ہے۔
کہ جا بجا غلطی ہو گئی ہو۔ ملامت نہ فرمائیگا۔
زیادہ حد ادب۔ عظیم آباد سے +

و در بیت مرزا صاحب قبلہ بلکہ در تمامی بند
ہیچ ثبوت بر ادّعائے مقصود نیست۔ چوں
آں جناب جامع علوم اند و در فن شاعری اُستاد
کامل لہذا استدعا اینکہ اگر ایں شعر
در حقیقت مہمل باشد۔ ہمچناں قلمی فرمایند۔
تا عبث بتلاش معنی آں فکر کردہ نشود۔ و
ایں بسیار از مرزا صاحب ممدوح بعید
می نماید۔ کہ مہمل فرمایند۔ و اگر ایں شعر
بامعنی باشد۔ و دریں جا کسے بداں
باریکی نمی رسد۔ آں جناب معنی آنرا
مشرح و مفصل بدلائل قلمی فرمایند۔
خواہ بر کاغذ دیگر خواہ بر ظہر ایں فرد۔
تا از لذّت معنی بطفیل آں جناب کامیاب
شویم۔ و منکراں را ساکت گردانیم۔
و ایں خیال بعد از تشریف بردن
جناب مرزا صاحب و قبلہ ازیں شہر
مردماں را بدل آمد۔ ورنہ خود از مرزا صاحب
و قبلہ استفسار نمودہ می شد۔ ایں کاغذ در
عجلت نوشتہ شد۔ عجب چہ بلکہ یقین است۔
کہ جا بجا غلطی شدہ باشد۔ ملامت نخواہند فرمود۔
زیادہ حد ادب۔ از عظیم آباد* +

* کاتب معترض کا نام نہیں لکھا۔ خدا جانے۔ کون چھپے رستم ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

جواب۔ شاعروں نے ایسے قول بہت کہے ہیں۔ (کیا نہیں دیکھا تو نے کہ وہ ہر جنگل میں پھرتے ہیں) اور امر محال کا دعوے کرنا شاعروں میں شائع ہے۔ سعدیؒ کہتے ہیں آسمان کی دُہری (جھکی ہوئی) پیٹھ خوشی سے سیدھی ہو گئی جب کہ مادر ایام نے تجھ ایسا لڑکا جنا۔ عرفیؒ کہتے ہیں۔ وہ سبک سیر (گھوڑا) کہ جب تو اُس کو تیز بھگائے۔ ازل سے ابد کو اور ابد سے ازل کی جانب آ جائے۔ چلنے میں پسینے کے قطرے جو اس کے ماتھے سے ٹپکیں۔ تو شبنم (اوس) کی طرح وقت واپسی کے بیٹھیں کفل میں۔ اگر وہ گھوڑا دم بھر کو اپنی تیزی سورج کو دیدے تو برج ثور سے منزلوں کو بہ ترتیب طے کرتا ہُوا (سورج) برج حمل میں آ جائے۔ پھر عرفی کہتے ہیں۔ زمانوں کے منہ پر اگر گھوڑا اپنی آستین جھاڑ دے۔ تو تموج کی کوشش سے زمانۂ حال (جو حادث ہے) قدیم ہو جائے۔ اور یہ بھی عرفی کا شعر ہے۔ اگر ایک مرتبہ آواز سے یہ گھوڑا بولے۔ تو اُس کی جوانی کی میں تعریف کروں اور اگر ایک نقطے پر چلے۔ تو اُس رفتار کا نام میں طے ارض رکھوں۔ ناصر علی کہتے ہیں۔ ملک فنا

جواب۔ شعرا ازیں مقولہ بسیار گفتہ اند۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ۔ وادّعاے امر محال شائع و ذائع است۔ سعدیؒ گوید۔ ؎

پشت دوتاے فلک راست شد از خورمی
تا چو تو فرزند زاد مادر ایام را

عرفیؒ گوید۔ آں سبک سیر کہ چوں گرم عنانش سازی از ازل سوے ابد و از ابد آید بازل۔ قطرہایش سم رفتن چکد از پیشانی۔ شبنم آسا ش نشیند گو رجعت بکفل۔ گر بخورشید دہد سرعت خود در یک دم۔ آید از ثور بہ ترتیب منازل بحمل۔ وایضا بروے از منہ گر آستین برافشاند شود بسعیِ تموج زمانِ حال قدیم۔ ولہ گر صیحہ زند بجوانی ستائمش۔ ور نقطۂ رود کنمش نام طی ارض۔ و ناصر علی گوید در ملکِ فنا ہمہ نمودیم اقامت۔ از بسکہ علی تیز جہاندیم فرس را۔ و ناسخ گفتہ۔ ؎

ہے یہ اپنے ضعف راہ و رز جدائی میں اثر
شام ہے اور دھوپ چڑھ سکتی نہیں دیوار پر

میں بھی ہم نہ ٹھیرے۔ ازبسکہ ہم نے اپنا
فرس تیز بھگایا۔ ناسخ فرماتے ہیں ؎
ہے یہ اپنے ضعف کا روز جدائی میں اثر
شام ہے اور دھوپ چڑھ سکتی نہیں دیوار پر
پس اگر مضامین شعر کی بنا حکمت اور دلائل
فلسفہ پر رکھی جائے۔ تو اس قسم کے اشعار کی
صحت میں کلام ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ
آسمان مستدیر ہے۔ اس کے سیدھے ہونیکا
دعوے درست نہیں۔ اسی طرح ترک حادث
یومی ازل سے چاہئے۔ اس کا الٹا ممکن نہیں۔
اور وہ بھی اس تیزی سے کہ جبتک ماتھے کا پسینہ
زمین پر ٹپکے۔ اس سے بھی کم زمانہ میں۔ اسی
طرح سورج کی حرکت دم بھر میں برج ثور سے برج
حمل تک۔ اور اسی طور پر انقلاب زمانہ حال کا قدیم
سے یا قدیم کا حال سے محال ہے۔ اور حرکت تدریجیہ
گھوڑے کے نقطہ پر کسیطرح ممکن نہیں خاص کر ایسی تیز حرکت کہ
جس کو طے ارض کہا جائے۔ اور اسیطرح باقی شعروں کا حال ہے۔
خلاصہ یہ کہ شاعر صاحب براق صلعم کے
فرزند کے گھوڑے کی تعریف کرتے ہیں۔
اور ظاہرا یہ دعوے ہے۔ کہ باوصفیکہ گھوڑا
زندہ ہے مگر صاحب سن نہیں ہوتا۔ اور مسن ہونے

پس اگر بنائے مضامین شعر بر
قوانین حکمیہ و براہین فلسفیہ گذاشتہ
شود۔ در صحت امثال این اشعار
سخنے میرود۔ چہ فلک مستدیر است۔
دعوے راست شدنش غیر مستقیم
وہم چنیں ترک حادث یومے از
ازل با بد۔ و بالعکس فی نفسہ ممکن
نیست۔ وانگہے باین سرعت کہ زماں
از زماں وصول عرق جبیں تا زمیں
اقل بودہ باشد۔ و ہمیں نہج حرکت
شمس از ثور بحمل در یک دم و ہمیں
سیاق انقلاب حال بقدیم۔ یا قدیم
بحال۔ محال و حرکت تدریجیہ اسپ
بر نقطہ اصلاً ممکن نیست۔
علے الخصوص چناں سریعہ کہ
طے الارض نامیدہ شود۔ و البواقی
علٰے ہذا القیاس +
خلاصہ مقصود قائل کہ فرس خاصہ
فرزند صاحب براق صلعم را می ستاید۔
ظاہرا دعائے این معنی است کہ آں اسپ
باوجود بقا صاحب سن نمی شود۔ و از عیب

کے عیب سے بری ہے۔ اور وجہ ثبوت اس
امر محال کی سرعت قرار دی ہے۔ یعنی اُس کی
تیزی اس حد کی ہے۔ کہ کوئی چیز اُس پر سبقت
نہیں لے جاتی۔ یہانتک کہ سن۔ اور اردو میں بڑھنے
کے دو معنی ہیں۔ ایک زیادہ ہونا۔ اور دُوسرے
کسی چیز سے حرکت میں گزرنا۔ پس اس لفظ
(بڑھ) میں ایک صنعت مثل صنعت ایہام کی رکھی
ہے۔ اس طور پر کہ واسطہ سے نفی سبقت کے
بسبب شرکت لفظ کے ازدیاد کو ثابت کیا ہے۔
(یعنی ایک یہ معنی ہوئے کہ گھوڑے سے سن بھی آگے
بڑھ نہیں سکتا۔ وہ بھی پیچھے رہتا ہے۔ کیونکہ تیز گھوڑا
دوسرے کو آگے نہیں بڑھنے دیتا) جیسے شیخ علی حزیں
نے یہ شعر کہا ہے مشکیں شدست رنگ نوائے خط سبز
فام۔ ازبس در آفتاب رخ یار گشتہ (یعنی مشکین
(سیاہ) پڑ گیا ہے تیرا رنگ اے خط سبز فام۔
اس لئے کہ تو رخ یار کے آفتاب یا دھوپ میں
گھوما ہے یا متحرک ہوا کیا ہے) اس لئے کہ آفتاب
کے دو معنی ہیں۔ ایک خرم خورشید جس سے رخسار
کو تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ دُوسری شعاع جس کو دھوپ
کہتے ہیں۔ اسی طرح گشتن عموماً حرکت کے معنی پر بھی
آیا ہے۔ اور استدارت کے معنی خاص کر اطلاق

مُسن بودن مبرا است۔ و وجہ ثبوت این
امر محال سرعت را قرار دادہ۔ یعنی سرعتش
بحدیست۔ کہ ہیچ چیز برا و سبقت نمی گیرد
حتٰے کہ سن۔ و لفظ بڑھنا در ہندی
بدو معنی می آید۔ یکے افزودن و دیگر
بیشی گرفتن و گذشتن از چیزے در حرکت
پس دریں لفظ صنعتے بشبیہ ایہام بکار
بُردہ۔ بایں معنی کہ بواسطہ نفی سبقت
بسبب اشتراک لفظ نفی ازدیاد را
ثابت کردہ۔ چنانچہ شیخ علی حزیں
گفتہ ۔ ع

مشکیں شدست رنگ نوائے خط سبز فام
ازبس در آفتاب رخ یار گشتہ

چہ آفتاب دو معنی دارد۔ یکے جرم
خورشید کہ باں رخسار را تشبیہ
می دہند۔ و دیگرے شعاع آں۔
کہ در ہندی دھوپ می گویند۔
و ہم چنیں گشتن بمعنی حرکت عموماً
آمدہ۔ و ہم بر استدارت خصوصاً
اطلاق می شود۔ و تحقق و استدارت
خط در آفتاب بمعنین دیگر و انطباق

ہوتا ہے۔ اور تحقق اور راستدارت خط آفتاب میں
دو اور معنول پر ہے۔ اور منطبق ہونا دلیل کا دوسرے
دو معنیوں کی نظر سے ہے۔ اس پر غور کرو اور سمجھو
یا یہ دعوے ہے کہ توسن فلک (سورج) اس گھوڑے
کے ساتھ ساتھ چلنے سے تھک گیا۔ اور یہ گھوڑا
سرعت سیر کے سبب زمانہ اور زمانیات اور فلک و
فلکیات سے گزر کر عالم بالا میں پہنچ گیا۔ کہ جس عالم میں
بقا بغیر عمر بڑھنے کے حاصل ہے۔ مجرّد ہو گئی ہیں۔
عقلیں نزدیک اعلےٰ درجہ کے حکیموں کے۔ خالی زمانہ سے
اور امتداد زمانہ سے۔ اور اللہ اعلم ہے اپنے بندوں
کی مراد سے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ سببیت و مسببیت کا
دعوے دو قسم پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اصل چیز
موجود ہو۔ اور اسکی سببیت ادّعائی ہو۔ دوسرے
یہ کہ معدوم چیز کو موجود فرض کر کے اُس کے واسطے
مسببیت قرار دیں شیخ حزیںؒ کا شعر قسم اوّل سے
ہے۔ اور فردوسی و سعدی و مرزا دبیر کے اشعار قسم
دویم سے ہیں۔ اس لئے کہ سبز فامی خط محبوب کے
موجود و متحقق ہے۔ اگرچہ اُس کی علت کہ کیونکر
سیاہ ہو گیا ادّعائی ہے۔ بخلاف آسمان کے
چھ طبق و زمین کے آٹھ طبق ہو جانے اور
آسمان کے سیدھے ہونے اور سن کے مؤخر

دلیل لنظر بمعنیین دیگر ست۔ فافہم۔
یا ادّعاے این کہ توسن فلک
از ہم عنانی آں رخش واماندہ۔
و رخش مذکور بسبب سرعت سیر
از زمان و زمانیات و فلک و فلکیات
گذشتہ بعالم بالا رسیدہ۔ کہ
بقا در آں عالم بغیر ازدیاد عمر
حاصل ست۔ کہ جرّد العقول
عند الحکماء الفحول مخلوۃ
عن الزمان و امتدادہ واللہ
الاعلم بمراد عبادہ۔ پوشیدہ
نماند۔ کہ ادعاے سببیت و مسببیت
بر دو قسم ست۔ یکے آنکہ اصل شے
موجود باشد و مسببیت آں ادعائی بود
دویم آنکہ شے معدوم را موجود فرض کردہ
مسببیت براے آں قرار دہند۔ و شعر شیخ حزیں
از قسم اوّل و شعر فردوسی و سعدی و ما نحن فیہ
از قسم دویم ست۔ چہ سبز فامی خط محبوب
متحقق است۔ اگرچہ علتش ادّعائی ست
بخلاف شش گشتن زمین و ہشت گشتن
آسمان و استقامت فلک و تاخر سن

ہونے کہ ان میں وجود سببیت و مسببیت دونوں ادّعائی ہیں +	کہ وجود سببیت و مسببیت ہر دو ادّعائی ست[1] +

(۲۳) سیّد المتکلمین آیۃ اللہ فی العالمین شمس العلما مولٰینا سید حامد حسین صاحب بارک اللہ رمسہ و ثراہ ہیں[2]۔ جن کی وسعت نظر بر استقصاء الافحام و عبقات الانوار دو لاجواب کتابیں شاہد عادل ہیں۔ یہ بزرگوار بھی مثل جناب مفتی صاحب (اعلی اللہ مقامہ) کے میر و میرزا دونوں شاعران اہلبیتؑ کے قدر شناس و مدّاح تھے۔ چنانچہ صاحب ردّ الموازنہ نے بحوالہ مولوی حسن مرزا صاحب مرحوم کے کتاب مذکور میں لکھا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی اس ٹیپ کو جو اسپ امام حسینؑ کی شان میں ہے۔ وہ جناب پڑھ کر فرماتے تھے۔ کہ یہ مضمون تو فارسی میں بھی نہیں دیکھا گیا۔ (ٹیپ یہ ہے) ؎

طے ہر قدم پہ ایک مہینے کی راہ ہے + رویت ہلال نعل کی اس پر گواہ ہے

یہ ظاہر ہے۔ کہ ائمہ اطہارؑ اپنے شاعروں کی عزت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ اور علماء اُن حضرات کے نائب ہیں۔ اس امر میں بھی یہ بزرگوار اپنے آقاؤں (ائمہ اطہارؑ) کے قدم بقدم رہے ہیں۔ یہی حال آیۃ اللہ فی العالمین کا تھا۔ اور اب اُن کے جانشین صدر المحققین مولانا ناصر حسین صاحب و قبلہ مدظلہ العالی ویسی ہی عزت افزائی میر و میرزا کے جانشینوں اور اولاد کی اور اور شعرائے اہلبیتؑ کی فرماتے ہیں۔

[1] یہ رسالہ عشرہ کاملہ ۱۰ جمادی الاول ۱۲۹۷ہجری کو مطبع حسینی اثنا عشری لکھنؤ میں چھپا ہے۔ اور میرے کرم فرما میر علی محمد صاحب (عارف) کی اس پر تاریخ بھی ہے۔ مگر عارف صاحب اُس زمانہ میں علی تخلص کرتے تھے کہ مشق سخن کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اب ماشاء اللہ شاعر کامل بلکہ عارف کامل ہیں۔ اور خاندان جناب میر صاحب میں اُن سے بہتر مرثیہ گو شاعر حقیر کے نزدیک اب نظر نہیں آتا ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] حقیر نے جو وقت انتقال تاریخ وفات جناب آیۃ اللہ فی العالمین کہی تھی۔ وہ اودھ اخبار و اخبار المومنین و وطنی ہند وغیرہ بہت سے اخباروں میں اُسی زمانہ میں چھپی تھی۔ مادہ کا مصرع یہی کہا تھا ع بارک اللہ رمسہ و ثراہ۔ اس میں سے بلا کسی قسم کے تعمیہ کے پورے سنین وفات ۱۳۰۶ہجری نکلتے ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

فصل ۲۳ سید المتکلمین سید حامد حسین صاحب بارک اللہ رمسہ

اور اُن بعض مجالس میں کہ جن میں جناب مرزا اوج صاحب قبلہ مدظلہ یا میر عارف صاحب یا میر رشید صاحب یا دولہ صاحب پڑھتے ہیں تشریف لے جا کر داد نظم کا خلعت فاخرہ عطا فرماتے ہیں۔ اور ایسا ہی شعار اور علما کا ہے۔ خدا علما کا سایہ ہمارے سر پر رکھے۔ اور ہم کو اُن کی تعمیل احکام کی توفیق عطا فرمائے +

فصل ۴ مولوی سید علی حسن صاحب قبلہ شمس طاب ثراہ

(۴) مولوی سید علی حسن صاحب قبلہ شمس جو لکھنؤ میں ایک مستند عالم و ادیب مانے جاتے تھے ہائی کورٹ کے وکیل بھی تھے۔ مگر ایسے محتاط و متقی کہ لکھنؤ میں یہ بات مشہور ہے کہ کبھی نہ کسی سُودی مقدمہ میں وکیل ہوئے۔ نہ اُس فریق کے وکیل بنے۔ جس کا باطل پر ہونا اُن کو ثابت ہو گیا۔ اور وکیل کو اکثر بات چیت کرنے پر موکل سے اُس کا حق یا باطل پر ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ ان کے فضل و کمال پر ان کا وہ لاجواب قصیدہ عربی شاہد عدل ہے۔ جس کے اشعار کئی ہزار ہیں۔ اور ایک قصیدہ میں تمام واقعات اختصاراً عہد جناب رسالت مآب صلعم سے لیکر شہادت امام حسینؑ کے بعد تک کے نظم فرما دئے ہیں۔ یہ قصیدہ اُن کے کامل و فاضل فرزند مولوی غلام جبّار صاحب وکیل ہائی کورٹ نظام دکن نے چھپوا دیا ہے۔ حقیر کے پاس موجود ہے*۔ اور اس قصیدہ کے علاوہ اور بھی بعض ان کی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔ جو اِن کے ادیب اکمل ہونے پر برہان قاطع ہیں۔ یہ بزرگوار بھی مدۃ العمر مرزا صاحب کے فضل و کمال کے مداح رہے۔ کہ جس سے معمر اہل لکھنؤ واقف ہیں +

فصل ۵ علامہ کنتوری مدظلہ العالی

(۵) مولانا السید غلام حسنین صاحب قبلہ کنتوری مدظلہ العالی جن کی لاجواب کتابیں

---

* قلائد الغرائد اس قصیدہ کا نام ہے۔ عربی میں یہ قصیدہ ہے پہلا شعر یہ ہے۔ لک الحمد یا رب البناء المشید۔ و رب الرواسی البساط الممھد۔ ولادت حضور صلعم سے قصیدہ شروع کیا ہے ۳۴۴ صفحہ ہیں۔ اور ہر صفحہ میں زیادہ سے زیادہ پندرہ اور کم سے کم آٹھ دس شعر ہیں اگر دس شعر فرض کیجئے تو تین ہزار سے اوپر اشعار ہوئے۔ یہ ایک ہی قصیدہ دلیل کمال ہے بمطبع مطلع الانوار لکھنؤ میں ۱۳۱۶ ہجری میں یہ چھپا ہے۔ خدا کی شان ہے۔ ایسے ایسے اکمل فن بھی ہو گئے ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

ماتین و انتصار الاسلام ولائف زبان حال سے کہہ رہی ہیں۔ کہ مرزا دبیر کے کلام و کمال کا سکّہ ان کے دل پر پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ماتین میں جابجا مرزا صاحب کی تصنیفات[1] پر اشارے فرما گئے ہیں۔ اور کبھی کبھی میر صاحب و مرزا صاحب کے اشعار آبدار سے اپنی لاجواب تصنیفات کو رونق بخشتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کوئی مصنف کسی شاعر کا کلام اپنی تصنیف میں اُسی حالت میں لائیگا جب اُس کو پسند کریگا۔ ۱۸۷۲ء کے قریب قریب مدرسہ ایمانیہ لکھنؤ کے یہ بزرگوار منتظم اعلےٰ تھے[2] اور ازبسکہ اُس زمانے میں دبیرؔ و انیسؔ زندہ تھے۔ اور اُس زمانہ میں اُن کے کلام اور افضلیت کی بحث ہر جلسہ اور ہر طبقہ کے آدمیوں میں رہتی تھی۔ مدرسہ ایمانیہ کیوں اس سے مستثنےٰ رہتا۔ ہر چند شاعر کہا کریں۔ کہ یاران شعر ما بمدرسہ کہ برد۔ اور مدرّس لاکھ کوششیں کریں۔ کہ شعر و شاعری کا چرچا مدرسہ میں نہ ہو۔ کہ اس سے لڑکوں کے سبق یاد کرنے میں حرج ہوتا ہے۔ مگر لڑکے کب مانتے ہیں۔ چنانچہ اُس زمانے میں مدرسہ ایمانیہ میں بھی یہ بحثیں رہتی تھیں میں اس

---

[1] چنانچہ ماتین جلد اول مطبوعہ کے صفحہ ۲۰۸ پر جہاں آخر منزل سفر امام حسینؑ کا بیان ہے وہاں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو ثابت ہوگیا کہ جو بعض شعرا نے نظم کیا ہے وہ بھی صحیح ہے کہ ببولوں کے کانٹوں سے بدن اصحاب کے زخمی ہو گئے تھے۔ اور یہ مضمون مرزا صاحب نے نظم فرمایا ہے۔ منزل در راز ہرات سے بے نشاں۔ جنگل مہیب خار مغیلاں بیاں وہاں۔ تن غازیوں کے کانٹوں سے فگار ہو گئے۔ تو وہ خار جنگل بے خار ہو گئے۔ ملاحظہ ہو مرثیہ مرزا صاحب کا۔ دست خدا کا قوت بازو حسینؑ ہے۔ اور اسی مرثیہ میں مرزا صاحب نے وہ روایت بھی نظم فرمائی ہے۔ کہ منزل کربلا پر پہنچکر امام حسینؑ کے ایک رفیق نے بیری کے درخت کی ایک شاخ کاٹی۔ تو اس سے خون تازہ جاری ہوگیا۔ یہ روایت بھی بعض شعراء اہلبیتؑ کے نظم کے حوالہ سے صفحہ ۲۶۸ پر ماتین میں درج ہے اسی طرح اور بھی بعض روایات لکھتے وقت علامہ مدظلہ بعض شعراء اہلبیتؑ کے لفظ سے مرزا مرحوم کی نظم کا حوالہ فرما گئے ہیں ۱۲ مؤلف حقیر۔

[2] حقیر کو بھی اُس مدرسہ میں اُسی زمانہ میں پڑھنے کا فخر حاصل ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ بعض روایات کی نسبت جو ماتین میں بعض شعراء اہلبیتؑ کے مرثیوں میں نظم کرنے کا حوالہ درج ہے۔ وہ علامہ مدظلہ سے پوچھ لوں۔ کہ ان مقامات پر مرزا دبیر مرحوم کے مرثیوں سے آپکی مراد ہے۔ کیونکہ وہ روایات بجز نظم مرزا مرحوم اور دوسرے شاعر کے مرثیوں میں میری نظر سے نہیں گذری ہیں۔ اور میں نے لکھنؤ سے صفر ۱۳۳۰ھ میں ایک عریضہ بھی فیض آباد خدمت علامہ مدظلہ میں بھیجا۔ مگر جواب نہ آیا۔ یہ خیال کیا۔ کہ کثرت تصنیف وغیرہ سے فرصت نہ ہوگی۔ پھر خاموش ہو رہا ۱۲ مؤلف حقیر

واقعہ کو علامہ کنتوری مدظلہ کی لائف سے انہیں کے متبرک الفاظ میں لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۷ الائف کا "اے حبیب حسین* میرے درجہ کے طلبہ اور نیز دیگر درجہ کے طلبہ جو اعلےٰ طبقہ کے تھے۔ سب میں ایک لڑکا سید محمد مہدی نصیر آبادی تھا۔ (جو آج کل بڑے نامی گرامی وکیل الہ آباد کے ہیں)۔ اُس کی ذہانت اور تیزی ایسی تھی۔ کہ مَیں نے ایسا ذہین اور زُود فہم لڑکا نہیں دیکھا۔ مَیں اُس کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ شاید اکثر میرے ہی قریب شب کو رہتا تھا۔ اور تمام طلبہ کو اُس سے رشک اور غبطہ ہو رہا تھا۔ یہ ساری جماعت اطفالِ انیسیہ مشہور تھی یعنی میر انیس مرحوم کے کلام پر گرویدہ تھے۔ اور محمد مہدی سلمہ اللہ آپ کو دبیریہ کہتا تھا یعنی مرزا دبیر مرحوم کے کلام دقیق پر زیادہ راغب تھا۔ اور یہ محض لڑکپن دونوں گروہ کا (تھا)۔ اس لئے کہ اہل علم کی شان ارفع ہے اِس جھگڑے سے۔ پھر چونکہ یہ اکیلا اور سب کی نظروں میں خار تھا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں محمد مہدی اور دیگر طلبہ سے مباحثہ زیادہ رہا کرتا تھا۔ ایک روز روتا ہوا محمد مہدی میرے پاس آیا۔ اور لوگوں کی کاوش اور پرخاش بے جا کی شکایت کی۔ مَیں نے کہا۔ کہ دو شعر میر انیس کے ہم تم کو بتلاتے ہیں۔ اُن کے معنی تم اپنے مخاطبین سے پوچھو۔ پہلا شعر ؎

(حاشیہ: یہ محمد مہدی صاحب وکیل الہ آباد)

(حاشیہ: اعتراض)

جب قتل کی شب سبطِ نبیؐ کو خبر آئی + اے چاند یداللہ کی شب دوپہر آئی

یہ خبر کہاں سے آئی؟ خبر کا آنا اُسی جگہ بولا جاتا ہے۔ کہ دُور مقام سے وہ خبر آئی ہو۔ ایضاً دوسرا یہ شب کا ہونا محسوسات سے ہے۔ جو ہر شخص بذاتہ جان سکتا ہے۔ خبر دہی کا محتاج نہیں ہے۔ اور محسوسات کی خبر دہی اُسی مقام پر ہوتی ہے۔ جو ہماری حس سے غائب ہو۔ دُوسرا شعر ؎

یہ جُھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری کے + چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

* قریباً ۱۸۷۰ء کا یہ تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس کے چار برس بعد میر صاحب و مرزا صاحب کا انتقال ہوا ہے ۱۲ مولف عفیر

طلبہ کا جانا خدمت جناب میر انیس میں

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ آستین کا چُنوانا زینت کے واسطے ہوتا ہے۔ اور جھرّیاں پڑنے سے آدمی کے بدن کی زینت جاتی رہتی ہے۔ پس یہ تشبیہ بطور مدح کے ہے یا بطور ذم کے۔ کیا غرض شاعر کی ہے؟ میری غرض میر انیس پر اعتراض کی نہ تھی۔ بلکہ اُن اطفال کو جو روزانہ بیہودہ بحث کر کے اپنے اوقات عزیز کو خراب کرتے تھے۔ اور علم معانی و بیان جو اُن کو پڑھنا ضرور تھا۔ اُس کی جگہ یہ بحث کرتے تھے۔ بقول مشیرؔ

جھگڑا ابکر کا ہے نہ جناب امیرؓ کا ✦ اب قصہ رہ گیا ہے انیسؒ و دبیرؒ کا

یہ لغو بحث نہ دینی ہے نہ دنیوی۔ **خلاصہ**۔ محمد مہدی نے اُن اطفال سے یہی دو شعر پیش کر کے زور شور سے بحث کی۔ وہ جماعت چونکہ ابھی قواعد بلاغت سے واقف نہ تھی۔ جواب سے عاجز ہو کر بخدمت میر انیس مرحوم گئے۔ میر صاحب نے خلق عمیم سے اُن کو طلبہ مدرسہ سمجھ کر بُلایا۔ اور اپنے پاس بٹھایا۔ پہلے سے میر صاحب کو ان اطفال کا اپنا معتقد ہونا معلوم تھا۔ اس کے بعد پُوچھا۔ آج بے وقت کیوں آئے؟ اُن اطفال نے بے سمجھے بوجھے ساری کیفیت بیان کی۔ اور محمد مہدی کا ذکر کیا۔ کہ ہماری جماعت میں وہی ایک دبیریہ ہے۔ اور ہم کو روزانہ دق کرتا ہے۔ اور آپ کے کلام کے اغلاط نکالا کرتا ہے۔ میر صاحب کو ان کا کلام صحیح نہ معلوم ہُوا۔ بلکہ اُلٹا سمجھے۔ کہ یہ لڑکے مجھ پر اعتراض کرنے آئے ہیں۔ نہایت برہم ہو کر سب کو اپنے پاس سے دُور ہونے کا حکم دیا۔ اور جواب سوال کچھ بھی نہ دیا۔ وہ لڑکے محجوب ہو کر واپس آئے٭۔ پھر اُس روز سے محمد مہدی کا پیچھا چھوٹا۔ اور وہ بحث بے جا بالکل اُٹھ گئی۔ اور ہماری غرض اسی قدر تھی۔ اصل کلام کا صحیح یا غلط ہونا یہ مقصود نہ تھا"۔ میں (بے بضاعت) عرض کرتا ہُوں۔ کہ درحقیقت علامہ کنتوری

٭خواہ مخواہ جو لوگ میر صاحب یا مرزا صاحب کے کمالات سے انکار کرتے ہیں اور خاک نہیں سمجھتے۔ اور پھر ایک کو دُوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اُن کو یُوہیں اکثر شرمندہ ہوتے دیکھا ہے ۱۲+ مؤلف۔

میر صاحب کے کمال کے بھی قائل ہیں۔ اور یہ دونوں اعتراض اُنہوں نے محض اس غرض سے فرمائے تھے۔ کہ روزمرہ کی یہ بحث لڑکوں میں سے دُور ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ورنہ یہ دونوں شعر قابلِ اعتراض نہیں ہیں شعر اوّل الذکر تو یُوں صحیح ہے۔ کہ جملہ کی دو قسمیں ہیں۔ یا انشائیہ یا خبریہ۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ جملہ کہ "دوپہر رات آئی" خبریہ ہے۔ پس ایسی جگہ کہ جب کوئی شخص وقت کی خبر دے۔ خبر دینا یا خبر آنا ہی کہا جائیگا۔ جو چیزیں محسوسات سے متعلق ہیں۔ اُن کی بھی خبر آتی ہے۔ مثلاً کسی وقت چاند گہن ہو۔ اور کوئی شخص کسی شخص سے کہے۔ کہ چاند گہن کی نماز پڑھو۔ اس وقت چاند کو گہن لگا ہے۔ تو اس کو خبر دینا یا خبر آنا ہی کہینگے۔ خواہ وہ مقام بعید سے آئے یا قریب سے۔ دُوسرے اعتراض کا جواب میرے نزدیک یہ ہے۔ کہ ہر چیز کا حُسن اُس کے اصلی اسباب سے ہے۔ مثلاً موسم گرمی کا حُسن یہ ہے۔ کہ گرمی خُوب پڑے۔ آدمی پسینے میں شرابور ہو جائے۔ جاڑے کا لُطف یہ ہے۔ کہ سردی کی شدّت سے کانپے اور تاپے۔ بڑھاپے کا لُطف اس میں ہے۔ کہ ضعیفی کے آثار ظاہر ہوں۔ کہ جن میں سے ہاتھوں پر جھرّیوں کا پڑنا بھی ہے۔ اور بیشک آستین زینت کے واسطے چُنتے ہیں۔ پس یہاں خود ضعفِ پیری نے جامہ اصلی یعنی جسم کی آستینوں کو چُنا ہے۔ کہ حُسنِ پیری کا ظاہر ہو۔ اور یہ بڑھاپے کی مدح ہے۔ ذم نہیں ہے۔ ایک میرے بزرگ (عزیز) نے (جن کا نام آغا سیّد صاحب مرحوم اور تخلّص محبّت* تھا) پیری کے متعلق کیا خُوب شعر کہا ہے۔ ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں ؎

جواب اعتراض

*۔ آغا سیّد صاحب محبّت لکھنوی مرحوم جنابِ آغا عشق لکھنوی مرحوم کے شاگردِ رشید تھے۔ جو میرے دُور کے رشتہ دار تھے۔ میرے پاس کوٹہ میں بھی تشریف لائے اور چند روز مہمان رہے تھے۔ اور جب میں ۱۳۱۱ھ میں کربلائے معلّےٰ سے واپس آتا تھا۔ تو یہ مشہدِ مقدس جانے کو بمبئی میں آئے تھے۔ وہیں آخری ملاقات ہُوئی تھی۔ (المولف) صُورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں ۱۲ مولف حقیر

چمک کے کہتے ہیں مُوئے سفید پیری میں ✤ کہ اپنے عہد کے اہل شباب ہم بھی ہیں

فصل ۶ مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب

(۶) مولوی سیّد صدیق حسن خاں صاحب محدّث جو فرقۂ اہل حدیث کے ایک عالم کامل علم دوست رئیس گذرے ہیں۔ اور جن کی تصانیف سے بہت سی کتابیں ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب **حدیث غاشیہ** میں مرزا صاحب کی یہ رباعی لکھی ہے۔ جس سے ان کی پسند طبعی و رجحان کا حال معلوم ہوتا ہے۔*

رباعی

کس خواب میں زندگی بسر کرتا ہے؟ کس فکر میں شام کو سحر کرتا ہے؟
طالع ہوئی صبح بج گیا کوس رحیل بیدار ہو۔ قافلہ سفر کرتا ہے

فصل ۷ مولوی عبدالحی صاحب عالم کامل حنفی

(۷) مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی۔ یہ فرقہ احناف کے متکلمین میں فرد مانے جاتے ہیں۔ مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کے جواب میں جو ان کی کتابیں ہیں۔ اُن کو دیکھنے سے خدا کی شان اور ان کے کمال و ادب کی آن بان نظر آتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ مولوی صدیق حسن خاں صاحب ہزاروں روپیہ اہل زبان (عربوں) وغیرہ کو جابجا بھجواتے رہتے تھے۔ اور غالباً اپنی کتابیں اُن کو دکھلا کر زبان کے متعلق بلاغت و فصاحت کی صیقل کرا لیتے تھے۔ جیسا کہ سُنا گیا ہے۔ یہ اُن کے مقابلہ میں ایک غریب (مفلس) تھے۔ مگر انہوں نے محنت کر کے خود ہی اپنی عبارتوں کو ایسا فصیح و بلیغ لکھا ہے۔ کہ دیکھنے والے کو علاوہ اور کمالات کے انکی سلاست و بلاغت و فصاحت زبان پر بھی تعجب ہوتا ہے۔ ایسے ادیب کامل بھی میر و مرزا کے کمالات کے قائل تھے۔ چنانچہ میرے کرم فرما مولوی سلیم الدین صاحب

* یہ ایک عام قاعدہ ہے۔ کہ جب تک کسی کے کلام کو کوئی مصنّف یا مؤلف دل سے پسند نہ کرے اپنی کتاب میں نہیں لکھتا۔ خصوصاً مولوی صدیق حسن خاں صاحب تو بہت کم کسی شاعر اردو کا کلام اپنی تصانیف میں لاتے ہیں۔ پس اس سے ان کی پسند کا پتہ چلتا ہے ✤ مؤلف حقیر۔

درویش سیاح* ناقل ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں مولوی عبدالحی صاحب کی زندگی میں لکھنؤ میں گیا۔ مولوی صاحب سے حسن عقیدت تھی۔ اُن کی خدمت میں پہنچا۔ نہایت خُلق و مروّت سے پیش آئے روزمرہ حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز میں نے عرض کیا۔ کہ لکھنؤ کی وہ تمام چیزیں جن کی میں تعریف سُنتا تھا دیکھ چکا۔ دبیرؒ و انیسؒ کی شاعری (مرثیہ گوئی) کی بہت تعریف سُنی تھی۔ افسوس وہ دونوں کامل گذر گئے۔ اب آپ مجھے کسی ایسے شخص سے ملا دیجئے۔ جو ان کا کلام صحیح مجھے سُنا دے۔ فرمایا۔ اچھا آج آپ رات کو میرے پاس آئیے۔ رات کو حاضر خدمت ہوا۔ تو بالکل تخلیہ تھا۔ مجھے یہ خیال تھا۔ کہ شاید کسی ایسے شخص کو مولوی صاحب مرحوم نے بلایا ہوگا۔ جو اُن کا کلام مجھے سُنا دے۔ مگر وہاں کسی اور کو نہ پایا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ دبیرؒ و انیسؒ کا کلام سنو گے؟ میں نے عرض کی۔ حُضور دل تو بہت چاہتا ہے۔ فرمایا۔ اچھا۔ ایک جلد نکالی۔ اُس میں سے دونوں بزرگوں کے مختلف مرثیوں کے منتخب بند مجھے سُنائے۔ اور فرمایا۔ کہ ایسے کامل شاعر ہندوستان میں تو کیا عرب و عجم میں بھی نہیں نکلینگے۔ اور درحقیقت وہ تمام بند جو انہوں نے ان دونوں بزرگوں کے پڑھے لاجواب تھے*

فصل ۸ مولوی عبدالعلی صاحب آسی

(۸) مولوی عبدالعلی صاحب آسی مدراسی۔ یہ بھی فرقہ احناف میں اعلےٰ درجہ کے عالم اور ادیب کامل گذرے ہیں۔ ابھی دو تین برس ہوئے لکھنؤ میں انتقال فرمایا۔ ان کے حاشیہ بڑی بڑی کتابوں پر بزبان حال سے ان کے کمال تبحّر کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ بھی مرزا صاحب مرحوم کے کمال کے تمام عمر معترف رہے ہیں۔ جب مرزا مرحوم کے مشہور مادۂ تاریخ طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس پر انیسیوں نے اعتراض کیا۔ کہ سنین مقصود نہیں نکلتے۔ تو انہوں نے مرزا صاحب کی تائید میں ایک مبسوط رسالہ لکھ کر اہل ملک کو سمجھایا اور ثابت کیا تھا۔ کہ سن مقصود کے اعداد نکلتے ہیں۔ اور اعتراض غلط ہے۔

* مولوی سلیم الدین صاحب ایک صوفی مشرب بزرگ ہیں۔ جو بھرت پور میں اکثر رہتے ہیں۔ آج کل مئی سنہ ۱۹۱۲ء میں کوٹہ راجپوتانہ میں آئے ہوئے ہیں۔ یہیں مجھ سے یہ حکایت انہوں نے ایک دن بیان کی ۱۲ مؤلف

مرزا صاحب کی تاریخ وفات بھی کہی تھی۔ جس کا ایک شعر میں لکھ چکا ہوں +

(۹) مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم دہلوی۔ یہ کامل اپنے معاصر مرزا دبیر مرحوم کے کمال کے بدرجہ کمال معترف و مداح تھے۔ اور میں نے لکھنؤ کے بعض مسن آدمیوں سے سُنا ہے۔ کہ جب مرزا غالب (سنہ ۱۲۵۲ھ کے قریب قریب) لکھنؤ میں آئے تھے (اُس وقت مرزا دبیر کی شہرت کا آفتاب عروج پر تھا)۔ وہ مرزا دبیر سے ملے تھے۔ پھر اُس کے مدتِ دراز کے بعد ان کے بھانجے مرزا عباس بیگ مرحوم لکھنؤ کی قسمت میں (بعد غدر سنہ ۱۸۵۷ء) اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے۔ اور کچھ دنوں لکھنؤ میں بھی رہے۔ لکھنؤ میں پھر اُنھوں نے پنشن بھی لے لی تھی۔ یہ مرزا صاحب کے کلام کے فدائی تھے[۱]۔ ان کے پاس جوان کے ماموں مرزا غالب مرحوم کے خطوط آتے تھے۔ اُن میں ہمیشہ مرزا دبیر کو وہ سلام اور کبھی کبھی مختصر پیام اشتیاق ملاقات بھی لکھا کرتے تھے۔ ڈپٹی عباس بیگ مرحوم کے بیٹے مرزا فیاض بیگ منصف حاتم تخلص میرے نانا (میر محمد ظہیر[۲]) اور جناب مرزا اوج صاحب مدظلہ العالی کے شاگرد بھی تھے۔ افسوس کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ اب کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو وہ خطوط نکال دے۔ نہ اس امر میں کوئی بحث ہے۔ کہ مرزا غالب مغفور مرزا دبیر مرحوم سے ملے تھے یا نہیں۔ مطلب تو فقط اتنا ہے۔ کہ وہ مرزا دبیر کے کمالات کے اور مرزا دبیر اُن کے دل سے مداح تھے۔ اس کا ثبوت تحریری حسب ذیل ہے:۔

(۱) منشی فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی اپنے تذکرہ جلوہ خضر کے جلد اوّل کے

[۱] میں نے فروری سنہ ۱۹۱۲ء میں مسٹر حامد علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ کے ہمراہ جا کر مرزا رنگ بہادر سے اس امر کو تحقیق کرنا چاہا۔ کہ لکھنؤ میں آنے پر مرزا غالب مرحوم مرزا دبیر مغفور سے ملے تھے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ تحقیق تو یاد نہیں ہے۔ مگر مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ چچا ڈپٹی عباس بیگ صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ مرزا غالب مرزا دبیر سے ملے تھے +

[۲] ڈپٹی عباس بیگ مرحوم کے یہاں عشرہ محرم میں رات کو مجلس ہوتی تھی میر ظہیر مرحوم پڑھتے تھے۔ تمام شاہزادے اور عمائد شہر کا وہیں مجمع ہوتا تھا۔ میں بھی کبھی کبھی اپنے نانا مرحوم کے ہمراہ گیا۔ اور اُن کی پیش خوانی میں سلام پڑھا ہوں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

فصاحت حضرت غالب مرحوم

جلوہ خضر

صفحہ ۲۲۵ پر ۱۸۶۲ء میں بمقام دہلی مرزا غالب مرحوم کے حالات لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مرزا غالب صاحب کی صحبت میں ایک دن مرثیہ کا ذکر آ گیا۔ فرمایا۔ کہ میں نے بھی ایک مرثیہ شروع کیا تھا۔ تین بند لکھکر دیکھا۔ تو وا سوخت ہو گیا۔ وہ بند یہ ہیں:۔

مرثیہ مصنفہ غالب مرحوم

(۱) *

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو
اے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لبِ عیسےٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِ معصومؑ کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو۔ بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے مُحابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگۂ نہ پایہ جو مدّت سے بچا ہے
کیا خیمۂ شبیرؑ سے رتبہ میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دلِ بے تاب کسی سوختہ جاں کا
اب مہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں۔ اس رو سے کہ وہ برق نہیں ہے

یہ بند مجمع میں پڑھ کر مرزا غالب نے فرمایا۔ کہ "واقعی یہ حق مرزا دبیر کا ہے۔ دُوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا"۔

* ناظرین! اس بندۂ ناچیز کے کہنے سے ان بندوں کو بنظرِ غور ملاحظہ فرمائیے۔ بندش الفاظ طرزِ بیان مضمون آفرینی زبان سب باتوں کو دبیر و انیس کے کلام کا طرز ذہن میں ملحوظ رکھکر دیکھئے۔ مجھے آئندہ اس کی نسبت ایک بحث کرنا ہے۔ آپ کو (جج) حکَم بناؤنگا فیصلہ کرنا ہوگا۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مرزا غالبؔ مرحوم مرثیہ گوئی میں مرزا دبیر کو سب مرثیہ گویوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اب یہاں ایک وہم پیدا ہوتا ہے۔ جس کو بعض میرے دوستوں (طرفدارانِ میر انیس صاحب) نے مجھ سے بیان فرمایا۔ اور وہ یہ کہ میر صفیر جس طرح مرزا غالب کے معتقد اور شاگرد تھے۔ اُسی طرح مرزا دبیر کے۔ شاید اُنھوں نے اپنے ایک اُستاد مرزا دبیر مرحوم کی طرفداری میں یہ الفاظ لکھ دئے ہوں۔ اس لئے میں نے اس باب میں زیادہ چھان بنان کی مثل مشہور ہے۔ کہ جوئندہ یابندہ۔ مجھے ایک غیر شخص حنفی المذہب کی تحریر ملی۔ جو مرزا دبیر کے نہ شاگرد ہیں نہ طرفدار۔ وہ کون؟ مولوی محمد امجد علی صاحب ریاض۔ یہ بزرگوار محرم ۱۲۷۷ھ میں غدر ۱۸۵۷ء کے تخمیناً تین چار برس بعد دہلی کے دیکھنے کو متھرا سے گئے ہیں۔ مرزا غالب مرحوم کی خدمت میں بھی پہنچے۔ یہ شاعر بھی ہیں ۱۲ محرم ۱۲۷۷ھ کے واقعہ میں اپنی کتاب (سرورِ ریاض) مطبوعہ میں لکھتے ہیں " بعدہٗ مرزا (غالب) نے ۳ بند اپنے مرثیہ کے اپنی تصنیف کے سُنائے۔ لوگ روئے پیٹے۔ چلائے۔ وہ بند میں نے طلب کئے۔ مرزا نے اپنے دستِ خاص سے لکھ دئے "۔ (یہاں وہی ۳ بند لکھے ہیں۔ جو میں جلوہ خضر سے اُوپر لکھ چکا ہوں) پھر مولوی امجد علی صاحب ریاض لکھتے ہیں۔ کہ مرزا خود فرماتے تھے۔ کہ " یہ حصہ دبیر کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا۔ ہم سے آگے نہ چلا۔ ناتمام رہ گیا "۔ ان روایتوں کا سُننے والا منصف مزاج کم سے کم اتنا فیصلہ تو ضرور کریگا۔ کہ اس باب میں مرزا غالب غالباً تفصیلیہ تھے۔ یہاں تفصیلیہ سے میری مراد یہ ہے۔ کہ وہ مرزا دبیر کو اُن کے تمام معاصر مرثیہ گویوں پر ترجیح و تفضیل دیتے تھے۔ مگر میرے اور معاصرین نے اس باب میں جو جو ضاعیاں اور مو شگافیاں اور کوششیں فرمائی ہیں۔ اُن کو لکھنا بھی میں اپنا فرض مؤرخی سمجھتا ہوں۔ اُن میں سے ایک ہمارے مخدوم مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی

مولوی محمد امجد علی صاحب ریاض

حضرت حالی مدظلہ العالی

ہیں۔ جو غالباً تمام یا اکثر لکھنؤ کے شاعروں کو ناقص اور دہلی والوں کو کامل ثابت کرنیکی کوشش فرماتے ہیں۔ خواجہ صاحب موصوف کا دیباچہ دیوان حالی میرے اس خیال کی تائید کر رہا ہے۔ کہ اُس میں جتنے شاعری کے نقص اور کمزوریاں بیان فرمائی ہیں۔ اکثر میں لکھنؤ والوں کے اشعار نظیراً پیش کئے ہیں۔ اور جتنے شعر کی عمدگیاں اور لطائف بیان کی ہیں۔ سب یا اکثر میں دہلی کے شاعروں کے اشعار لائے ہیں۔ یہاں تک کہ لکھنؤ والوں کی وہ مثنوی بھی بادِ سموم عیوب شاعری سے نہیں بچی۔ جو ہم لکھنؤ والوں کے لئے مایۂ ناز ہے۔ جس کو گلزار نسیم کہتے ہیں۔ حالانکہ پروفیسر آزاد مرحوم بھی اُس مثنوی کو بے مثل آب حیات میں بتلا چکے ہیں۔ اور غالباً کسی دہلی کے منصف مزاج شاعر کو اُس کی یکتائی میں کلام نہیں ہے۔ اس امر کی شکایت تنہا مجھ کو نہیں ہے۔ بلکہ عموماً لکھنؤ والوں کا یہی خیال ہے۔ جیسا کہ وکیل ہائی کورٹ منشی چکبست صاحب کشمیری پنڈت نے شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ بھی اس موقع پر لکھنا شاید بے محل نہ ہوگا۔ کہ مولوی حالی صاحب بھی یہ سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ میر انیس مرحوم جو یہ فقرہ اکثر لکھنؤ والوں سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ صاحبو لکھنؤ والے یوں نہیں بولتے۔ یہ میری خاص زبان ہے۔ وہ گویا دہلی کی زبان پر فخر کرتے تھے٭ یہ خیال غلط غالباً پہلے پہل پروفیسر آزاد مرحوم کو پیدا ہوا تھا۔ اور اسی بنا پر اُنہوں نے (غالباً) میر صاحب کو مرزا صاحب پر تفضیل دینے کی کوشش فرمائی۔ مگر پھر بھی مزاج میں انصاف تھا۔ مرزا صاحب کے کمالات کا بھی کچھ نہ کچھ اعتراف فرمایا۔ مولوی حالی صاحب کا دیباچہ دیوان آب حیات کے بعد کی تصنیف ہے۔ گویا وہ نقش اوّل تھا۔ اور یہ نقش ثانی۔ اُس سے بڑھ کر آب و تاب دکھلائی۔ اور میر صاحب کو مرزا

گلزار نسیم

٭ پس میر صاحب کو دہلوی اور مرزا صاحب کو لکھنوی سمجھ کر مولوی حالی صاحب نے غالباً (حضرت غالب مرحوم کے خیال کے خلاف) میر کو مرزا پر تفضیل دی۔ حالانکہ واقعہ معکوس ہے۔ مرزا صاحب دہلی کی پیدائش ہیں۔ مگر بجز دو چار لفظوں کے اُن کی زبان مستند لکھنؤ کی زبان ہے جس کی سند تمام لکھنؤ اور محلات شاہی تک میں لی جاتی تھی ۱۲ مؤلف حقیر

صاحب پر خوب خوب تفضیل دی۔ (بقول غالب مرحوم) ؎

پہلے اس دل پر بھلا لگتا تھا داغ + زخم لیکن داغ سے بڑھ کر کھلا

حالانکہ میر صاحب کے قول مذکورہ کی تشریح جو میر مہدی حسن صاحب احسن مؤلف واقعاتِ انیس نے فرمائی ہے۔ واقفان راز جانتے ہیں۔ کہ وہ صحیح ہے۔ جس کو میں اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھ آیا ہوں۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ میر صاحب فیض آباد کی بافیض زبان پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ جہاں کی وہ پیدائش تھے۔ اور جہاں اوّل اوّل زبان اردو کی درستی شروع ہوئی۔ اور جس کی تکمیل لکھنؤ میں آخر کار ہوئی۔ بہر حال مولوی حالی صاحب یادگار غالب کے صفحہ ۲۸۰ و ۲۸۳ پر یہ لکھتے ہیں "ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم کی خواہش سے مرزا غالب نے ۳ بند اردو مرثیہ کے لکھے چونکہ اس کوچہ میں قدم نہ رکھا تھا۔ اور فرمائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جس کو لوگ حد کمال تک پہنچا چکے تھے۔ اور قوے میں انحطاط شروع ہو گیا تھا مشکل سے مسدس کے ۳ بند لکھے جس میں کا پہلا بند ہم کو یاد ہے۔ یہاں نقل کیا جاتا ہے ع ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو۔ الخ"۔ یہ وہی بند ہے۔ جو میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ پھر مولوی حالی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "یہ بند مجتہد العصر کی خدمت میں بھیج دئے۔ اور صاف لکھ بھیجا کہ یہ تین [3] بند محض امتثال امر کے لئے لکھے ہیں۔ ورنہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ یہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے۔ جنہوں نے اس وادی میں عمریں بسر کی ہیں۔ مجھ کو اُن کے درجہ تک پہنچنے کے لئے ایک دوسری عمر درکار ہے۔ پس مجھے اس خدمت سے معذور و معاف رکھا جائے۔ اُن کا قول تھا۔ کہ "ہندوستان میں انیس اور دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا"۔ اس عبارت کو خواجہ حالی صاحب اگر یوں لکھتے۔ تو شاید زیادہ مناسب و موزون ہوتی۔ انیس و دبیر جیسے مرثیہ گو نہ ہوئے نہ آئندہ ہونگے۔ مگر بصیغہ واحد (بجائے جمع) لکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے کسی ایک صاحب کو لکھا تھا پھر کچھ

یادگارِ غالب

سوچ کر دوسرے صاحب کو بھی لکھ دیا۔ کہ کسی انیسی یا دبیری کی دلشکنی نہ ہو (ناسخ مرحوم)

زاہد کا دل نہ خاطر میخوار توڑیئے + سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

مشکل یہ آپڑی تھی۔ کہ اگر وہ اس مقام پر صرف میر صاحب کو لکھتے۔ تو یہ مقولہ حضرت غالب کا بہت مشہور ہو چکا تھا۔ کہ مرثیہ گوئی حق دبیر کا ہے۔ دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا۔ صریح خلاف واقع ہوتا۔ اور اگر محض مرزا صاحب کا ہی نام لکھتے۔ تو اُن کا دل نہ مانتا۔ کیونکہ اپنے دیوان کے دیباچہ میں تو وہ ہر پہلو سے میر صاحب کو ترجیح دے چکے تھے۔ حالانکہ انصاف یہ ہے۔ کہ بعض چیزوں کے میر صاحب اور بعض کے مرزا صاحب موجد ہیں۔ خیر یہاں تک بھی مرزا صاحب کے طرفدار صبر کر لیتے۔ اور یہ ممکن بھی ہے۔ کہ مرزا غالب مرزا دبیر کو عام رنگوں میں افضل سمجھتے رہے ہوں۔ اور میر انیس مرحوم کو اُن کے رنگ خاص میں اچھا سمجھا ہو۔ گو ہم رنگ ہونے کے خیال سے مرزا کے رنگ بلیغ و دقیق کو وہ زیادہ پسند کرتے ہوں۔ مگر اب یہ بھی سُنئے۔ کہ حیات انیس و واقعات انیس کے مؤلف کیا فرماتے ہیں۔ پہلے میں واقعات انیس (احسن صاحب) کی عبارت لکھتا ہوں۔ (ملاحظہ ہو واقعات انیس صفحہ ۹۱) "مرزا غالب مرحوم سے لکھنؤ میں جب میر انیس کی ملاقات ہوئی۔ اور مرزا صاحب نے غزل سُننے کا شوق ظاہر کیا۔ تو میر انیس مرحوم نے صنف غزل کا ابتذال ظاہر کر کے اکثر سلاموں کے مطلع اور شعر سُنائے۔ جو تغزل کے رنگ میں صنف غزل سے بدرجہا بلند و مضمون خیز تھے۔ اور مرزا صاحب سے دل لگی دل لگی میں مرثیہ کہنے کی فرمائش بھی کر دی۔ میر انیس کا مقصود یہ تھا۔ کہ غالب سا شاعر غالب بھی مرثیہ کی فکر کر کے دیکھ لے کہ یہ راستہ کس قدر دشوار گذار ہے۔ چنانچہ مرزا غالب مرحوم نے صرف تین بند مرثیہ کے بڑی کاوش و کاوش سے لکھے ہیں۔ اور میر صاحب کے پاس اصلاح کو روانہ کئے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ جو خط ہے۔ اُس کی عبارت یہ ہے۔ کہ امتثال امر سے مجبور تھا صرف تین بند کہکر جو غور کیا۔ تو مرثیہ کا ہیکو ہے۔ واسوخت معلوم ہوتا ہے۔

واقعات انیس میں غالب رح

اصل بات تو یہ ہے۔کہ یہ آپ ہی کا کام ہے[۱]۔" میں تمام طرفداران میر انیس صاحب کی طرف سے میر احسن صاحب کو مبارکباد دینے کو طیار تھا۔کہ اُن کی تحریر سے ایک تفضیلیہ دبیر پہ غالب سا شاعر یکتا اُن کے زور قلم سے انیسیہ ہی ثابت نہیں ہوا۔بلکہ بغیر شیر بنی رکھے ہوئے میر صاحب کا شاگرد بھی ہو گیا۔کہ ۳ بند اصلاح کو بھیجے۔مگر افسوس کہ یہ بحث اخباروں میں چھڑ گئی[۲]۔اور مولوی حالی صاحب نے یہ استدلال تاریخی کیا۔کہ ۱۸۳۰ء میں مرزا غالب مرحوم کا لکھنؤ و کلکتہ جانا خود مرزا غالب کے خطوط اردوے معلّٰی سے ثابت ہے۔اور یہ زمانہ نصیر الدین حیدر شاہ دویم اودھ کا تھا اور خود میر احسن صاحب کی تحریر سے ثابت ہے۔کہ میر انیس صاحب اُس وقت تک فیض آباد میں تھے۔اور اُن کی شہرت بھی نہ تھی۔وہ تو مدّت کے بعد (عہد امجد علی شاہ شاہ چہارم اودھ میں) لکھنؤ میں آئے ہیں۔پھر مرزا غالب میر انیس صاحب سے لکھنؤ میں کیونکر مل سکتے تھے۔وہ تو شعراء لکھنؤ میں سے صرف میر ضمیر صاحب اور شیخ ناسخ مرحوم سے ملے تھے۔مرزا دبیر مرحوم کی اُس زمانہ میں ضرور شہرت ہو جانا فسانہ عجائب سے ظاہر ہے۔مگر اُن سے بھی مرزا غالب کا ملنا کسی روایت یا تحریر سے نہیں معلوم ہوتا۔مگر یہ خواجہ حالی صاحب کا تحریر فرمانا شاید اُن کی ناواقفی کی بنا پر ہے۔میں خواجہ صاحب سے عرض کرتا ہوں۔کہ جب میر ضمیر صاحب سے غالب مرحوم کا ملنا آپ کو قبول ہے۔تو پھر مرزا دبیر سے نہ ملنا آپ کیوں خیال فرماتے ہیں۔میر ضمیر صاحب کی خدمت میں مرزا صاحب ہر روز بلاناغہ صبح و شام حاضر ہوا کرتے تھے۔

---

[۱] اس موقع پر ذرا "آپ" کے ساتھ "ہی" کو دیکھئے۔یا تو وہ محض دبیر کا حق تھا۔یا انیس ہی کا کام رہ گیا۔

واہ حضرت احسن احسنت ہے۔

[۲] میرے پاس ریاض الاخبار لکھنؤ کے ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء و ۲۸ مارچ ۱۹۰۹ء کے پرچے موجود ہیں۔مگر تمام عبارتیں اس لئے نہیں لکھتا۔کہ کتاب مطول ہو جائیگی ۱۲ مؤلف حقیر۔

اور وہ مرزا کو اپنے تاج کمال کا طرۂ طرار سمجھتے تھے۔ پس یہ ممکن ہے۔ کہ میر ضمیر صاحب خود ملیں۔ اور ایک ایسے شاگرد کو جو قابل فخر ہو۔ ایک صاحب کمال (غالب) سے نہ ملائیں۔ ڈپٹی عباس بیگ صاحب مرحوم کی زبانی بھی سُنا گیا ہے۔ کہ مرزا دبیر سے مرزا غالب ملے تھے۔ جیسا کہ میں اُوپر لکھ چکا ہوں٭

اس موقع پر کہ غالب و انیس و دبیر مرحومین کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اور میر احسن صاحب مرزا غالب مرحوم کو گویا شاگرد انیس مرحوم قرار دے چکے ہیں۔ (گو وہ ریاض الاخبار میں اُس قول سے عود کر آئے ہیں۔ مگر وہ ایک پرچہ اخبار تھا۔ اُن کی کتاب واقعات انیس میں تو وہی مضمون درج ہے) میں یہ بھی لکھنا فرض مؤرخی سمجھتا ہوں۔ کہ مرزا غالب مرحوم نے عود ہندی کے ایک رقعہ میں میر انیس مرحوم کے ایک مشہور شعر پر اعتراض کیا ہے۔ اگر واقعی وہ شاگرد انیس مرحوم ہوتے۔ تو غالباً ایسا اعتراض نہ کرتے۔ ملاحظہ ہو عود ہندی میں رقعہ نمبر ۱۲۷ صفحہ ۱۳۳ جو خواجہ غلام غوث صاحب بے خبر کے نام مرزا غالب (مرحوم) نے لکھا ہے۔

جناب میر انیس کے شعر پر حضرت غالب کا اعتراض

اس میں میر صاحب کی یہ بیت مشہور

ہے سہل ممتنع وہ کلام ادق مرا ٭ برسوں پڑھے تو یاد نہ ہوئے سبق مرا

لکھ کر مرزا غالب مرحوم لکھتے ہیں۔ کہ "مصرع آخر حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یکدیگر ہے۔ مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر ہو سکیگا۔ اور حافظہ میں محفوظ نہ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیونکر ٹھیریگی۔ ہاں مغلق عسیر الفہم ہوگا۔ پڑھا نہ جائیگا معنی سمجھ میں نہ آئینگے۔ سہل ممتنع کی

٭ میں بادب خدمت عالی خواجہ حالی صاحب میں عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ اپنے مرزا صاحب کو ہمارے مرزا صاحب سے ملا ہوا سمجھیں۔ انکا دل مرزا دبیر سے ملے یا نہ ملے۔ مگر غالب مرحوم کا دل دبیر سے ملا ہوا ہے۔ اور مرثیہ گویوں میں وہ سب بہتر دبیر کو سمجھتے ہیں۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

صفت وہ تھی - جو فقیر اُوپر لکھ آیا - اس شعر سے کچھ علاقہ نہیں" + اور اُوپر سہل ممتنع کی تعریف اسی رقعہ میں مرزا غالب مرحوم یہ لکھ چکے ہیں "وہ سہل ممتنع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں - کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے - اور اُس کا جواب نہ ہو سکے - بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے - ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے - شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں - اور رشید وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں - خودستائی ہوتی ہے - سخن فہم اگر غور کریگا - تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائیگا" +

اب بے بضاعت مؤلف کتاب عرض کرتا ہے - کہ جن صاحبوں نے مثل میر احسن صاحب و مولوی اشہری صاحب میر انیس مرحوم کی سوانح عمری لکھی تھی - اُن کا فرض تھا - کہ مرزا غالب مرحوم کا یہ اعتراض لکھ کر اگر اس کو غلط سمجھتے تو جواب لکھتے - مگر وہ دونوں شہسواران واقعہ نگاری اپنے اشہب قلم کی باگیں اُٹھائے ہوئے ان مقامات سے منہ پھرائے ہوئے گذر گئے - مَیں نے یہ اعتراض لکھا ہے - اگر جواب نہ لکھوں - تو میرے اُن احباب کو شکایت ہوگی - جو میر صاحب کے معتقد ہیں - اور یہ امر واقعہ نگاری کے بھی خلاف ہے - کہ مَیں اس مقام کو یُونہیں چھوڑ جاؤں - حالانکہ میرے خیال میں حضرت غالب مرحوم نے میر صاحب کی بیت کے جو معنی لئے ہیں - وہ خلاف مقصود شاعر ہیں - میرا یہ دعوےٰ نہیں - کہ مَیں غالب مرحوم کا جواب لکھتا ہُوں - یہ تو "چھوٹا مُنہ اور بڑی بات" کا مصداق ہے - میری سمجھ میں جو آتا ہے - وہ لکھتا ہُوں - اگر مَیں غلط مطلب سمجھا ہُوں - تو ناظرین معاف فرما کر رہبری فرمائیں - آئندہ (ایڈیشن) چھپنے پر درستی کر دُونگا +

میرے نزدیک میر صاحب کی مراد اس موقع پر کلام ادق سے کلام مغلق نہیں ہے - بلکہ ادق کے لفظی معنی لیجئے - بہت باریک کلام - اُن کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے - کہ میرا کلام جس میں نازک خیالیاں ہیں - باایں ہمہ سہل ممتنع ہے - دقیق کلام کی یہ صفت ہے - کہ جو

جواب اعتراض

کلام غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے۔ علم معانی و بیان کی کتابوں کی جن صاحبوں نے سیر فرمائی ہے۔ اُن سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ جو کلام غور و فکر کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ وہ زیادہ لطف دیتا ہے۔ اس کی مثال یہ لکھی ہے۔ کہ جو نعمت و دولت کوشش و محنت سے آدمی کو ملتی ہے۔ اُس میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ پس جس کلام میں نازک خیالات منظم ہوں۔ اور آدمی محنت کر کے اُس کے معنی حل کرے۔ اُس سے زیادہ دل و دماغ کو راحت اور رُوح کو فرحت حاصل ہوگی +

دُوسرے مصرع برسوں پڑھے الخ کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شاعر میری طرز خاص میں محنت کر کے برسوں کہے۔ جب بھی تو میرا طرز تصنیف اُس کو نہیں آسکتا۔ یہ بھی شاعر کا ایک کمال سمجھا جاتا ہے۔ کہ اُس کے طرز میں کہنے سے اور لوگ عاجز ہوں۔ جیسا کہ گلستان سعدی کی ایسی نثر کسی سے نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ کچھ تھوڑا سا اُس کا رنگ ہے۔ تو رقعات عالمگیری میں ہے۔ یہی معنی میر صاحب کے طرفدار اور شاگرد بھی اس مصرع کے لیتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر دبیریوں اور انیسیوں کی بحث میں میں نے سُنا ہے۔ سہل ممتنع کلام کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے۔ کہ سب کلام تو کسی شاعر کا بھی سہل ممتنع نہیں ہے۔ اور تھوڑا بہت سہل ممتنع کلام ہر اُستاد کے یہاں پایا جاتا ہے۔ بیشک حضرت غالب کا بھی کچھ کلام سہل ممتنع ہے۔ اور کچھ کلام ادق ہے۔ اور یہی حال میر انیس و مرزا دبیر کا بھی ہے۔ اس زمانے کے بعض شعراے لکھنؤ کو بھی یہی خیال ہوگیا ہے۔ کہ ہم جو کہتے ہیں۔ وہ اکثر سہل ممتنع ہے۔ لکھنؤ میں اب سے تین برس پہلے اس کا بڑا چرچا تھا۔ چنانچہ مَیں نے ایک سلام میں (جو ایک بڑی مجلس میں راجہ کے بازار میں پڑھا تھا) یہ شعر داخل سلام کر کے بعض معاصرین کو متنبّہ و مطّلع کیا تھا ؎

ہر کوئی کہتا ہے۔ سہل ممتنع کہتا ہوں میں + ہم تو کچھ بھی کہہ نہیں سکتے۔ یہ مشکل اور ہے

اب مَیں اخیر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جو تین بند مرثیہ غالب کے اُوپر مَیں نے لکھے

ہیں، وہ نظر غور سے دیکھ کر ناظرین فیصلہ دیں۔ کہ دبیر کی بندش اور طرز بیان و زبان کی اس
میں جھلک ہے یا انیس کی۔ میرے نزدیک دبیر مرحوم کے طرز سے زیادہ مشابہ ہے۔
اور یہ امر بھی مرزا غالب کے تفضیلیہ دبیر ہونے پر دال ہے (کہ انہوں نے مرثیہ طرز غالب
دبیر میں کہا) صفیر۔ ریاض۔ حالی۔ احسن چار صاحبوں کے اقوال مرزا غالب مرحوم
کی نسبت میں لکھ چکا۔ اب میں مولوی اشہری صاحب کی کتاب حیات انیس سے
بھی حضرت غالب کا تھوڑا سا حال لکھ دوں۔ یہ بھی گویا احسن صاحب کے قدم بقدم چلے
ہیں۔ حیات انیس کے صفحہ ۶۶ پر مرثیہ گوئی کیلئے غالب مرحوم کا صرف میر انیس صاحب کو
ہی منتخب کرنا تحریر فرماتے ہیں۔ وہ عبارت یہ ہے "اسی طرح دلّی کے تمام زبان آور
میر انیس کے دلدادہ پائے گئے۔ مرزا غالب ایسے لاثانی قدرت کلام پر میر انیس کا دم بھرتے
تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ میر انیس کے مقابلہ میں دوسرے کا مرثیہ کہنا میر انیس
نہیں بلکہ خود مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے*۔ اور آج تک دلّی اور لکھنؤ میں میر انیس کی
مرثیہ گوئی کو معجزہ کلام مانا جاتا ہے" +

حیات انیس جناب اشہری

افسوس کہ اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے مولوی امجد علی صاحب اشہری نے
سفر آخرت اختیار فرمایا۔ ورنہ میں اُن سے عرض کرتا۔ کہ بیشک دلّی و لکھنؤ کیا بلکہ تمام
ہندوستان میں (میر صاحب کے) مرثیہ کو معجزہ کلام ہی مانا جاتا ہے۔ اور میں بھی مانتا
ہوں۔ مگر دبیر و انیس دونوں کی مرثیہ گوئی کو۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ دوسرے کا مرثیہ
کہنا مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے۔ یہ کیا مرزا غالب مرحوم نے آپ سے خواب میں آکر کہدیا۔
آپ مولوی حالی صاحب سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ کہ انہوں نے تو مقولہ غالب

* اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ میر انیس مرحوم کی دوسرے مرثیہ گو نقل کرتے ہیں۔ اور بگڑتے ہیں جس طرح کوئی کسی کا
منہ چڑھاتا ہے۔ اور خود بگڑتا ہے۔ یہ فقرہ ذرا غور سے دیکھنے کے قابل ہے۔ خصوصاً اس قول کے مقابل
میں کہ "مرثیہ صرف دبیر کا حق ہے۔ دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا" + ۱۲ مؤلف حقیر۔

میں دبیر و انیس دونوں کا نام لیا تھا۔ اور اپنے ایک بزرگ کا نام لیا۔ اور وہ بھی ایسی طرز سے کہ گویا دوسرے صاحب منہ چڑھاتے تھے۔ واہ جناب۔ (آتش مرحوم) ؎

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب ٭ زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا*

اس موقع پر حیات انیس کا ذکر آگیا ہے۔ اور امید ہے۔ کہ بعض ناظرین حیات انیس حیات دبیر کے ساتھ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس لئے چند مضامین حیات انیس کی میں یہاں تنقید بھی کر دوں۔ وہ مضامین نمبر وار ذیل میں عرض کرتا ہوں:-

تنقید حیات انیس

(۱) حیات انیس کے صفحہ ۳ پر مولوی اشہری صاحب نظم میں میر صاحب کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

دبیر ان کے مقابل ہوئے سخن آرا ٭ بڑی شکوہ ہے دکھلائی ہیئت گفتار
گر انیس کو فردوسی سخن پایا ٭ دبیر مثل نظامی ہوئے ع صنع نگار

اس مقام پر دو باتیں مولوی اشہری صاحب نے فرمائیں۔ (۱) تو یہ کہ ع دبیر ان کے مقابل ہوئے سخن آرا۔ (۲) انیس کو فردوسی اور دبیر کو نظامی قرار دیا ٭ یہ دعوے اس وقت شاید صحیح ہوتا جب مولوی صاحب کسی روایت سے ثابت کر دیتے۔ کہ مرزا صاحب نے میر صاحب کے مقابلہ پر کوشش کی پس جس طرح فردوسی کو بحیثیت زمانہ نظامی پر سبقت ہے میر صاحب کو مرزا صاحب پر ہوتی۔ یہاں معاملہ بالعکس ہے۔ میں اس کتاب میں کئی مقام پر ثابت کر چکا ہوں۔ کہ مرزا صاحب کی شاعری و مرثیہ گوئی و شہرت و مرثیہ گوئی میر صاحب پر قریباً تیس ۳۰ سال مقدم ہے۔ از بسکہ دبیر مرحوم انیس مغفور پر مقدم ہیں جس طرح فردوسی

* میں نے مرزا غالب مرحوم کے بیان میں یہ مختلف تحریریں ایک ہی زمانے کے چند صاحبوں کی اس لئے لکھ دیں کہ ناظرین واقف ہو جائیں کہ اس زمانے میں دروغ کو کس قدر فروغ ہوتا جاتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی خیال گذرا کہ جب یہی کثرت ہوتی جا رہی ہے۔ تو شاید کوئی صاحب آئندہ ایسے بھی دلیر پیدا ہوں۔ جو یہ لکھ دیں۔ کہ مرزا غالب مغفور میر انیس مرحوم کو مرثیہ گوئی میں کامل اور مرزا دبیر مبرور کو ایسا ناقص سمجھتے تھے کہ گویا ان کے نزدیک دبیر مرثیہ کہنا ہی نہ جانتے تھے۔ کیونکہ تنزل کی جب نوبت یہاں تک پہنچی ہے تو آئندہ اور گرانا کیا دشوار ہے ٭ ۱۲ مؤلف حقیر

نظامی پر متقدم ہیں۔ اس لئے یہ دعوے غلط قرار پایا۔ غالباً اسی وجہ سے مولوی صاحب نے
اس مقابلہ پر نظم میں بھی ایک سکندری (ٹھوکر) کھائی۔ جس کو عروض داں شعرا سمجھ گئے ہونگے۔
یعنی اس مصرع میں (دبیر مثلِ نظامی ہوئے مرصّع نگار) مرصّع کا عین تقطیع سے گر گیا۔ یہ خدا
کی قدرت سمجھئے۔ عین کا تقطیع سے گرنا تمام شعرا کے نزدیک عین خطا ہے۔ اور یہ غلطی اکثر
وہی شعرا کرتے ہیں۔ جو عروض سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض ناواقف آدمی دو چار شعر
فارسی و اردو کے سنداً پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ دیکھئے ان اشعار میں بھی عین گرتا ہے۔
اُن کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ اوّل تو ممکن ہے۔ کہ کاتبوں نے کچھ کا کچھ لکھ دیا ہو۔*
دُوسرے اگر بالفرض کسی ایرانی سے بھی عین گر گیا۔ تو وہ اُس شاعر کی ضرور خطا ہے۔
اور خطا اگر صد بار رسد۔ آید خطا ست کے ذیل و مصداق میں آتا ہے۔ اور بالخصوص
اردو میں تو سودا و میر کے وقت سے آج تک تمام اساتذہ دہلی و لکھنؤ کے نزدیک عین
گرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی صاحب اس کے خلاف رائے رکھتے ہوں۔ تو ان تمام اساتذہ
مشاہیر سودا۔ میر۔ انشا۔ مصحفی۔ ذوق۔ غالب۔ مومن۔ ناسخ۔ آتش۔ وزیر۔
رشک۔ صبا۔ برق۔ دبیر۔ انیس۔ اسیر۔ منیر۔ داغ۔ امیر۔ جلال۔ تسلیم۔
ظہیر میں سے کسی ایک صاحب کا یا ان کے کسی معاصر اُستاد کا یہ قول دکھا دیں۔ کہ عین کا
گرنا جائز ہے۔ تو مَیں مان لُونگا۔ ایسے اشعار کو مَیں یُوں نہیں مانتا۔ کہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔
(اور جن صاحبوں کو مطبعوں سے کام پڑا ہے۔ وہ میری تائید فرمائینگے) کہ کتاب چھ چھ مرتبہ
دیکھ دیکھ کر ہم دیتے ہیں۔ مگر کچھ کاپی نویس صاحب غلط لکھ دیتے ہیں۔ کچھ مصلح سنگ

تصور عین مر

* مثلاً بعض حضرات مولانا ظہوری کا یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔ بدستم دہ مئی رشک یاقوت را۔ کہ سازم علاج عقل فرتوت را۔ اس میں عقل کا عین
تقطیع سے گرتا ہے۔ مگر در اصل مصرع ثانی صحیح یوں ہے کہ ع سازم جواں عقل فرتوت را۔ دلیل یہ ہے۔ کہ جوان و فرتوت میں ایک تو صنعت
تضاد ہے۔ دُوسرے علاج ساختن ایرانیوں کا محاورہ نہیں ہے اور جواں ساختن محاورہ ہے۔ اسی طرح اور بھی چند شعروں میں غالباً کاتبوں
نے غلطی کر دی ہے۔ ورنہ ایسے ایسے کامل شعرا سے ایسی سخت غلطی کر بیٹھنی مستبعد نہیں ہے کہ افتادن عین عین خطا ست مشہور جملہ ہے ۱۲ مؤلف حقیر

اصلاح فرماتے ہیں۔ اور چھپنے پر ایسی سینکڑوں غلطیاں نظر آتی ہیں۔ کہ کچھ کا کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہیں قافیہ بدل دیا ہے۔ کہیں عین تقطیع سے گر گیا ہے۔ مصنّف یا مؤلّف بیچارہ کس کس سے کہتا پھرے۔ کہ میں نے یوں لکھا تھا۔ غلط چھپا ہے۔ غلط نامہ بھی چھپواتے ہیں۔ تو کبھی کسی کتاب کے ساتھ وہ ورق لگایا جاتا ہے۔ کسی کے ساتھ نہیں۔ المختصر ایسی صریح غلطیاں جن سے مصنّف و مؤلّف کی شان علم و معلومات ارفع و اعلےٰ ہے ضرور کاتبوں کی بدولت ہوتی ہیں۔ اور انہیں کی طرف منسوب کرنا لازم ہے +

(۲) صفحہ ۲۹ میں مرزا دبیر و میر انیس کا جو ایک مجلس شاہی میں یکے بعد دیگرے پڑھنا (مثل میر احسن صاحب کے) لکھا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ میں نے لکھنؤ کے بڈھے بڈھے آدمیوں سے تحقیق کر لیا۔ واقعی دبیر و انیس ایک مجلس میں ایک کے بعد دوسرے کبھی نہیں پڑھے۔[۱] اس بحث کو میں اوپر تنقید و واقعات انیس میں مفصل لکھ آیا ہوں +

(۳) صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے۔ کہ رباعی کے ایجاد کا فخر عرب کو حاصل ہے۔ اُس کے بعد فارسی میں اُس کی تقلید کی گئی۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ رباعی دراصل ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ عرب کا اس میں کوئی حق (ایجاد) نہیں ہے۔ مرزا صاحب سے اس بحث کو کوئی تعلق خاص نہیں ہے۔ مگر یہ اس لئے لکھ دیا ہے۔ کہ کوئی صاحب غلطی میں نہ پڑیں۔[۲]

اگر بینم کہ نابینا و چاہ ست + وگر خاموش بنشینم گناہ ست[۳]

(۴) صفحہ ۲۶۵ پر فرماتے ہیں۔ کہ "مرزا دبیر کا رنگ" "بعض مقامات پر

---

[۱] اگر میں مرزا صاحب کی طرفداری کرتا تو لکھ دیتا۔ کہ مرزا صاحب کو شہرت ہو چکی تھی جب میر صاحب فیض آباد سے لکھنؤ میں آئے تھے۔ (نیا ذاکر ہر جگہ پہلے پڑھتا ہے۔ لہٰذا) میر صاحب پہلے پڑھے مرزا صاحب بعد کو پڑھے۔ مگر ایسا لکھنا فرض مؤرخی کے خلاف ہوتا نہ مجھے جو امر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا۔ وہ یہ ہے۔ کہ میر و مرزا دونوں ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے۔ اور اگر کوئی کبھی ایک کے بعد دوسرے کو پڑھوانا بھی چاہتا تھا۔ تو صاف انکار کر دیتے تھے۔ اور کبھی نہیں پڑھتے تھے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

[۲] صاحب حدائق البلاغہ نے بھی رباعی کا موجد ایرانیوں کو بتایا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

جہاں میر صاحب کی شوکت کلام آورد کے پنجہ میں پھنس گئی ہے۔ میر صاحب کے کلام میں کبھی مرزا دبیر کا رنگ آگیا ہے" اس کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کلام کا ایک رنگ نہیں ہے جس کو کوئی شخص دبیر کا رنگ کہہ سکے۔ نہ دبیر کی ایسی آمد کسی دوسرے شاعر یا مرثیہ گو کی طبیعت میں ہے۔ پس آورد کے پنجہ میں شوکت کلام پھنس کر دبیر کا رنگ پیدا ہونا کب ممکن ہے۔ دبیر کے کلام میں زیادہ آمد ہونے کا ثبوت۔ اُن کا کثرت سے۔ اور پھر عمدہ کلام ہونا ہے جس میں سے بیس جلدیں مطبوعہ دفتر ماتم کی ہیں۔ کوئی صاحب اگر دبیر سے زیادہ کسی نامور شاعر کو کثیر الکلام سمجھتے ہیں۔ تو دبیر کے کلام موجودہ کے برابر اُن کا کلام ہمیں دکھا دیں۔ اور کلام کا زیادہ ہونا اور اُس کے ساتھ اچھا ہونا یہ ضرور دلیل آمد کی ہے۔ جب آمد طبیعت میں نہ ہوگی۔ تو اس کثرت سے اور اچھا کلام شاعر کب کہہ سکتا ہے۔ اس سے یہ غرض نہیں۔ کہ مرزا کے کلام میں آورد نام کو نہیں ہے آورد بھی ہے مگر کم۔ اور اور معاصرین کے مقابل میں بہت کم ہے۔ مگر اس موقع پر میں مولوی اشہری صاحب کو قابل معافی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے مرزا مرحوم کی تمام تصانیف پر بغور نظر نہیں کی ہے۔ اور اس امر کو میں اُن کے کمال کی دلیل سمجھتا ہوں۔ کہ انہوں نے صفحہ ۹۵ پر صاف الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ جہاں مولوی شبلی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ کہ "میر انیس کے مقابلہ میں مرزا دبیر کے یہاں محاسن شاعری بہت کم ہیں" وہیں حاشیہ پر تردیداً لکھ دیا ہے۔ کہ "جب تک دونوں کے مجامیع کلام پر نظر نہ ڈالی جائے۔ اور بات بات کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں نہ دیکھا جائے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ مولوی اشہری صاحب کو ان دونوں بزرگوں کے تمام کلام کو غور سے دیکھنے اور مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور وہ دل سے مرزا مرحوم کے کمالات مٹانے میں ساعی و سرگرم (مولوی شبلی صاحب کی طرح) نہ تھے۔ اس کے سوا اور بھی بہت سی باتیں حیات انیس میں کار آمد لکھی ہیں۔ اور سخن فہمی کی داد دی ہے۔ یہ دوسری بات ہے۔ کہ کوئی بات ہی اُن کو

مولوی اشہری صاحب شبلی کے موافق نہیں

مولوی شہری صاحب حیات انیس کے حامی

خلافِ واقع معلوم ہوئی ہو۔ یا کسی خاص رنگ کو اُن کی طبیعت نے زیادہ پسند کیا۔ اور اس سے کوئی شخص بھی خالی نہیں ہے۔ مَیں نے بھی سب حالات چشم دید نہیں لکھے۔ کوشش ضرور کی ہے۔ کہ صحیح حالات دستیاب ہوں۔ اور ممکن ہے۔ کہ کہیں کہیں کوئی صاحب میری رائے سے مخالف ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس مخالفت میں اُن کی رائے صواب پر ہو۔ اور مَیں غلطی پر ہوں +

فصل ۱ حضرت فرقانی مرحوم

(۱۱) مولوی سید احمد حسن صاحب فرقانی مرحوم رئیس میرٹھ۔ یہ وہ بزرگوار ہیں۔ کہ جن پر ہندوستان کو اس طرح فخر کرنا چاہئے۔ کہ جیسے ایرانی آج کل قاآنی پر فخر کرتے ہیں۔ فارسی و اُردو زبانوں میں یہ جیسا لاجواب شعر کہتے تھے۔ ایسا ہی مطلب شعر (خوب) سمجھتے تھے۔ ان کے سخن شناس و قدردان ہندوستان میں دبیر و غالب تھے۔ اور اُن دونوں کے کلام کے سمجھنے اور پرکھنے والے یہ بزرگوار تھے۔ چنانچہ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ صحیح المذاق سامع اس زمانے میں کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ مَیں نے جب کبھی ان دونوں صاحبوں کو اپنا کلام سُنایا۔ تو ایسی داد ملی۔ کہ دل نے مزہ اُٹھایا۔ جن شعروں پر مجھے ناز تھا۔ انہیں کو ان صاحبوں نے زیادہ پسند فرمایا۔* اور یہ فرما کر دل بڑھایا۔ کہ میر فرقانی آپ کا کلام لاثانی ہے +

یہ بزرگوار مرزا صاحب کی شان میں فرماتے ہیں ؎

شنیدہ ایم کہ بر آسماں دبیری ہست + ندیدہ ایم بروے زمیں ترا ثانی

مَیں نے اس موقع پر ان بزرگوار کا حال بہت مختصر اس وجہ سے لکھا ہے۔ کہ کہیں کہیں دُوسرے

* اس سے اتحادِ مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت فرقانی مرحوم کے شاگرد رشید اور بھانجے سید محمد مرتضےٰ صاحب بزدانی مرحوم حقیر ثابت کے قدردان تھے۔ جن کے انتقال کو ابھی دس بارہ برس سے زیادہ نہیں گذرے ہیں۔ لسان الملک میرٹھ سے ان کا پرچہ نکلتا تھا۔ ملک کے اہلِ کمال جانتے ہیں کہ وہ کیسے کامل تھے۔ میرے سفرنامہ عتبات عالیات پر جس کا نام "قولِ ثابت" ہے لسان الملک میں لاجواب ریویو لکھا ہے۔ کبھی کبھی میرا کلام بھی لسان الملک میں چھپتا رہتا تھا + ۱۲ مؤلف حقیر۔

موقعوں پر بھی ان کا کوئی قول یا کلام منظوم میں نقل کر چکا ہوں۔ علاوہ اس کے ان کا کلیات ان کے علم دوست ذیعلم فرزند منشی سید کرار حسین صاحب روحانی دام مجدہ جنرل سپرنٹنڈنٹ گورکھپور نے نہایت خوشخط چھپوا کر شائع فرما دیا ہے۔ اور اُس میں مرزا صاحب کی مدح وثنا نظماً ونثراً بہت کچھ مرقوم ہے۔ اور وہ نظم ونثر حضرت فرقانی کے کمالات وحالات واقعی کا بھی آئینہ یا مرقع ہے۔

(۱۱) منشی مظفر علی خاں صاحب اسیر مرحوم۔ یہ بزرگوار بھی دبیر و انیس دونوں کے مداح خواں اور قدرداں تھے۔ خود کامل تھے۔ اس لئے کاملوں کو پہچانتے تھے۔ چنانچہ جناب فاضل لکھنوی سلمہ اللہ نے اپنے ایک قابل قدر مضمون میں جو ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کے پرچہ "زمانہ" کانپور میں چھپا ہے۔ حضرت اسیر کے حال میں حسب ذیل لکھا ہے "اسیر کی انصاف پسندی۔ بعض لوگوں نے اسیر سے دریافت کیا۔ کہ انیس و دبیر میں کون اچھا ہے۔ اور کیا ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت ہے۔ اس کا جواب اسیر نے یہ دیا۔ کہ دونوں اُستاد ہیں۔ اور میں ایک کو دوسرے پر علانیہ ترجیح نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں خود مرثیہ گوئی میں مہارت نہیں رکھتا۔ لیکن اُس روز سے اسیر کو مرثیہ گوئی کی طرف مخفی توجہ ہوئی۔ اور تین برس کامل انہوں نے معمولی اوقات میں مرثئے کہے۔ تین برس میں اسیر نے کئی سو مرثئے کہے۔ اور ایک روز اپنے اُن احباب و اشخاص سے کہا۔ کہ تین برس کی محنت شاقہ کے بعد کچھ رنگ میر انیس و مرزا دبیر کا پیدا ہوا ہے۔ اور اس کیلئے مدتیں درکار ہیں۔ پھر اسیر نے مرثیہ نہیں کہا۔ اور جو مرثئے کہے تھے۔ اُن کو نہ کہیں پڑھا۔ اور نہ چھپوایا۔ دو سو مرثئے ابتک قلمی موجود ہیں۔" پھر فاضل صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "غالب مغفور کا بھی یہی خیال تھا۔ انہوں نے بھی مرثیہ گوئی کے لئے انیس و دبیر ہی کو منتخب کیا تھا۔ اور جب ان سے ایک مجتہد صاحب نے مرثیہ کی فرمائش کی۔ تو انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ یہ کام میر و مرزا کا ہے۔ درحقیقت کسی کامل فن کو خود پسند و مغرور نہ ہونا

چاہئے۔ اخلاق اور انصاف پسندی خوب شئے ہے۔ اسیر عمر بھر پابند وضع و تہذیب
رہے۔ اور کبھی بے جا ادّعائے سخنوری نہیں کیا۔ اور نہ کبھی کسی کامل فن اُستاد کی تحقیر
کی"۔ یہاں تک فاضل صاحب کی تحقیق و عبارت تھی۔ اب مَیں عرض کرتا ہُوں۔ کہ
درحقیقت اسیر مرحوم خلیق، منکسر، کامل، انصاف پسند شاعر تھے۔ مگر یہ جو فرمایا کہ مَیں
خود مرثیہ گوئی میں مہارت نہیں رکھتا۔ یہ اُن مرحوم کا محض انکسار تھا۔ کیونکہ مَیں نے
لکھنؤ کے بڈّھے بڈّھے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے (کہ جن میں سے ایک میرے نانا
میر ظہیر مرحوم تھے) کہ اسیر مرحوم اوّل اوّل میر ضمیر مغفور کے شاگرد ہُوئے۔ چنانچہ تخلّص
(اسیر) بھی اُسی رعایت سے میر ضمیر صاحب نے رکھا۔ جناب اسیر نے سلام کہا۔ میر ضمیر
مرحوم نے بنایا۔ پھر ایک غزل اصلاح کے واسطے پیش کی۔ میر صاحب ممدوح نے
عُذر کیا۔ کہ مَیں غزل کہنا اور غزل پر اصلاح دینا اب چھوڑ چکا ہُوں۔ چلو تمہاری غزل پر
اپنے اُستاد میاں مصحفی سے اصلاح دلوا دوں۔ میر ضمیر صاحب کے ساتھ اسیر پہنچے۔
میاں مصحفی کو جب غزل سُنائی۔ تو اُن کو شک ہُوا۔ کہ ایسی غزل ایک مبتدی کی نہیں ہو سکتی۔
اور پُوچھا۔ یہ غزل تم نے خود کہی ہے۔ اسیر نے اثبات میں جواب دے کر کہا۔ کہ اب پھر
مَیں ایسی غزل کہہ سکتا ہُوں۔ چنانچہ میاں مصحفی نے طرح کا مصرع پڑھا۔ اور خود بھی فکر
کی۔ میاں مصحفی نے جتنی دیر میں گیارہ شعر کہے۔ اسیر نے نَو شعر کہے۔ جن کو دیکھ کر مصحفی
پھڑک گئے۔ یہ حکایت مشہور خود فاضل صاحب نے بھی لکھی ہے۔ مگر میر ضمیر مرحوم کی
ہمراہی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ شاید اُنہوں نے یُونہی سُنا ہو گا۔ اُس دن سے سلام و مرثیہ
پر میر ضمیر صاحب سے اور غزل پر میاں مصحفی سے اسیر اصلاح لیتے تھے۔ تین برس بعد مصحفی
مر گئے۔ اسیر نے پھر غزل کسی کو نہیں دکھائی۔ یہ مشہور و مقبول مرثیہ جو لکھنؤ کے بعض
سوز خواں پڑھا کرتے ہیں ؎ "جب تھوڑی رات قتل کے میدان میں رہ گئی"
جناب اسیر مرحوم کا ہے۔ اور جو لوگ مرثیہ خود کہتے ہیں۔ وہ جان سکتے ہیں۔ کہ دوسوم

مہارت جناب اسیرؔ در مرثیہ میں

اسیرؔ غزل میں مصحفی کے شاگرد ہیں

تین برس میں (خصوصاً ایسے شخص سے جس کو فرائض منصبی سے کبھی فرصت کم ہو) تصنیف نہیں ہو سکتے۔ واضح ہو۔ کہ میر ضمیر صاحب کی شاگردی اسیر مرحوم کے واسطے سرمایۂ افتخار ہے۔ کہ میر ضمیر صاحب طرز موجودہ مرثیہ کے موجد اور دبیر و انیس اور تمام مرثیہ گویان مابعد اُن کے شاگرد یا خوشہ چین و مقلد ہیں۔ بہرحال دبیر و انیس کے باب میں جو فیصلہ حضرت اسیرؔ نے کیا۔ وہ اُن کی سخن شناسی کی دلیل ہے۔ اور تمام یا اکثر اہل کمال کا قریب قریب یہی عقیدہ تھا۔ کہ دبیر و انیس میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا جائز نہیں۔ جیسا کہ میں جناب مفتی صاحب طاب ثراہ کا گویا فتویٰ لکھ چکا ہوں[1]۔ اب میں فاضل صاحب کے اسی مضمون مذکورہ میں سے ایک واقعہ متعلق حضرت اسیرؔ کو اور بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے ہمارے ممدوح (ہیرو[2]) کو تھوڑا تعلق ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

میر ضمیر صاحب کی شاگردی اسیر مرحوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہے

اسیر کی نازک و لطیف نکتہ چینی

اُسیر اگر کبھی نکتہ چینی بھی کرتے تھے۔ تو نہایت لطف اور تحقیق کے ساتھ۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ نواب مرزا آغا حیدر صاحب جو حضرت اسیر کے شاگرد بھی تھے مع چند احباب کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور حضرت اسیر بھی موجود تھے۔ کمرہ میں کچھ قطعات و رباعیات وغیرہ بطور آرائش چوکھٹے میں لگے ہوئے تھے۔ نواب صاحب نے اپنے اُستاد کو ایک فارسی رباعی کی طرف توجہ دلائی۔ اور کہا۔ کہ آپ نے اس رباعی کو ملاحظہ فرمایا۔ شاعر نے کیا نازک خیالی کی ہے۔ رباعی حسب ذیل ہے ؎

رباعی فارسی

دُنیا خوابیست کش عدم تعبیر ست   صید اجل ست گر جوان و پیر ست

این صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر ست   ہم زیر زمیں پرست و ہم روئے زمیں

---

[1] افسوس کہ غالبؔ مفتی صاحب۔ اسیرؔ وغیرہ ایسے ایسے کاملان فن کو جن کا مثل و نظیر ہندوستان کیا شائد روئے زمین پر نہ ملے۔ مولوی شبلی صاحب محض اس جرم میں بد مذاق کا خطاب دیتے ہیں۔ کہ وہ دبیر کو مدِ مقابل انیس کا کیوں سمجھتے رہے۔ اور دبیر کو کیوں ناقص و مرجوح نہیں کہا۔ ملاحظہ ہو موازنہ کی پہلی ہی بسم اللہ پہلا صفحہ +

[2] ہیرو کا ترجمہ موضوع شائد ٹھیک ہو۔ مگر یہ نامانوس معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے ممدوح لکھا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

اسیرؔ نے اس رباعی کو غور سے دیکھا۔ اور چُپ ہو رہے۔ نواب صاحب نے پھر کہا۔ فرمائیے۔ یہ رباعی کیسی ہے۔ یہ پھر سکوت میں رہے۔ اور بعد اصرار کہا۔ کہ اس رباعی کی داد مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ یہ سُنتے ہی نواب صاحب متحیر ہوئے۔ اور دریافت کیا۔ کہ اس میں کیا غلطی ہے۔ ہمیں بھی اس سے مطلع کیجئے۔ اسیرؔ نے کہا۔ رباعی کے عمدہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن آخری مصرعہ میں اگر صفحہ کی جگہ ورق ہوتا۔ تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ اس لئے کہ صفحہ سے مراد ایک رُخ سے ہے۔ اور ورق سے مراد دونوں رُخ سے ہے۔ اور جب صفحہ زمین میں دونوں طرف تصویریں (آبادیٔ انسان) ہیں۔ تو وہ صفحہ نہیں بلکہ ورق ہُوا۔

اسیر کے اس خیال کو حاضرین نے پسند کیا۔ اور داد دی۔ مَیں بھی حضرت اسیر مرحوم کو غائبانہ داد دے کر ناظرین کتاب سے کہتا ہُوں۔ کہ اب دبیر کی رباعی کو سُنئے جس کا مضمون اسی سے کچھ ملتا جلتا ہُوا ہے:۔

رباعی دبیر کا ورود اعتراض سے پاک ہونا

بالائے زمیں زندوں کی تعمیریں ہیں — مُردوں کی بزیرِ خاک جاگیریں ہیں
عبرت کے مرقع کا ہے اک صفحۂ زمیں — دونوں طرف اس وَرق پہ تصویریں ہیں

مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ حضرت اسیر کو وہ باریک اعتراض اس رباعی اردو سُننے کے بعد سُوجھا۔ مگر اتنا ضرور عرض کرونگا۔ کہ جو دقیق اعتراض اُس فارسی کی رباعی پر وارد ہوتا تھا۔ وہ اس اردو کی رباعی پر عائد نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اعتراض دقیق دبیر مرحوم کے خیال میں ضرور تھا۔ اسی لئے ورق پر دونوں طرف تصویریں ہونا فرمایا۔ دُوسری خوبی اس رباعی اردو میں یہ ہے۔ کہ عبرت کے مرقع کا ایک صفحہ زمین کو فرمایا۔ کیونکہ اسی طرف کے رہنے والوں کو عبرت لینے کی ضرورت ہے۔ کہ جو لوگ زندہ ہیں۔ وہ عبرت حاصل کریں۔ مُردوں کو عبرت سے سبق لینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کہ وہ مر چکے ہیں۔ ایسے ایسے نازک خیالات مرزا مرحوم کے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ اور میر انیس مغفور آفتاب و ماہتاب کہلاتے تھے۔ یہ بھی عرض کردوں۔ کہ فارسی رباعی کے

چاروں مصرعوں کا ترجمہ اردو رباعی کے چاروں مصرع نہیں ہیں۔ بلکہ اردو کی رباعی کے پہلے اور دوسرے مصرع کا مضمون (فارسی رباعی کے مصرع اول و دوم سے) مختلف اور گویا مصرع چہارم کی شرح ہے۔ جس سے مضمون بخوبی سُننے والے کے ذہن میں آجاتا ہے۔ یہ دوسرا کمال مرزا مرحوم کا ہے +

فصل ۲۱ (جناب منشی امیر مینائی)

(۱۳) استاذی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سُنا ہے کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں تمام شعرائے عجم پر دو ایرانی شاعروں کو ترجیح دیتا ہوں۔ (۱) فردوسی (۲) جامی۔ اور اُن کے اس شعر میں بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ؎

اُچھل پڑے گل مضمون تو یہ فردوسی + اُٹھا یہ لطف کہ جامی بھی گر پڑے بیہوش

اور دبیر و انیس کو فردوسی و جامی پر بھی ترجیح و تفضیل دیتا ہوں +

جناب منیر مرحوم

(۱۴) منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر۔ یہ وہ پہلوان سخن ہیں۔ کہ (جناب شیخ ناسخ کے شاگردوں میں) جن کی معلومات شاعری کی دھاک ہے جن پابندیوں اور صحت کے ساتھ قصیدہ و غزل انہوں نے فرمائی۔ کم شاعروں نے کہی ہوگی۔ جس کثرت سے لوگوں کو ان سے فیض پہنچا بہت کم شاعروں سے پہنچا ہوگا۔ یہ بزرگوار ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ دبیر سا عالی دماغ۔ بلند خیال۔ صاحب معلومات ہر رنگ میں کہنے والا شاعر آج تک نہیں گذرا۔ اور مرثیوں پر انھوں نے فخریہ مرزا صاحب سے اصلاح لی تھی۔ اور اکثر اصناف نظم بالخصوص مثنوی میں مرزا صاحب کی نصیحت پر عمل فرماتے تھے۔ اور جن پابندیوں کے ساتھ وہ غزل کہتے تھے مثنوی و مرثیہ میں اُن کا خیال (محض مرزا مرحوم کے اتباع سے) نہیں رکھتے تھے۔ کہ مرزا مرحوم کی نصیحت تھی۔ کہ جو شاعر نظم میں واقعات لکھنا چاہے۔ وہ کثرت سے الفاظ استعمال کرے۔ زبان اردو پہلے ہی سے وسیع نہیں ہے۔ اس میں الفاظ متروکہ کی لے بڑھا کے اس کو اور تنگ بنانا کلام کو بے نمک کرنا ہے۔ چنانچہ مثنوی

معراج المضامین اور دوسری مثنوی جو ان کی کلیات میں ہے۔ میرے اس قول پر دلیل و شاہد عدل ہیں +

(۱۴) مسٹر نواب حامد علی خاں صاحب حامد بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ دام فضلہ و اقبالہ جو ایشیائی علوم کے ساتھ مغربی علوم میں بھی رتبہ اعلےٰ رکھتے ہیں۔ اور جن کی سخن فہمی ضرب المثل ہے۔ شعرا میں سب سے زیادہ میر۔ غالب۔ دبیر۔ انیس کے خاص طور پر قدردان اور مدح خواں ہیں۔ گویا ان بزرگواروں کو جسم شاعری کے عناصر اربع سمجھتے ہیں۔ اور اکثر فرماتے ہیں۔ کہ اگر اردو میں بلینک ورس (نظم غیر مقفّٰی) کا رواج ہوتا۔ تو سب سے زیادہ دو شاعر کامیاب ہوتے۔ (۱) غالب۔ (۲) دبیر۔ اور دبیر غالباً غالب سے زیادہ کامیاب ہوتے +

جناب حامد سلمہ اللہ و البقاہ

ازبسکہ ۱۴ کے عدد کو میں متبرک سمجھتا ہوں۔ اس لئے یہ ۱۴ نام اور شعراء و اہل علم کے نام میں نے لکھ دئے ہیں۔ ورنہ مرزا مرحوم کے کمالات کے تقریباً تمام اہل کمال اہل علم قائل ہیں۔ جس قدر جس شخص کی معلومات بڑھی ہوئی ہے۔ اسی قدر مرزا صاحب کے جواہرات کی وہ زیادہ قدر کرتا ہے +

باب دوازدہم۔ متنبّی عرب کے مستند مشہور شاعر کے بعض کلام سے بعض کلامِ دبیر کا مقابلہ

فصل

شعرائے عرب میں متنبّی ایک بہت بڑا بلیغ و فصیح شاعر گذرا ہے۔ اس کا نام و نشان ابوالطیّب احمد بن حسین ابن عبدالصمد الجعفی الکندی الکوفی ہے۔ یہ کوفہ کے محلہ کندہ میں تین سو تین ہجری (۳۰۳ھ) میں پیدا ہوا۔ ایسا بلیغ و فصیح شاعر تھا۔ کہ بعض آدمی کہتے ہیں۔ کہ اس نے نبوت کا دعوے کر دیا تھا۔ اور دلیل و معجزہ نبوت

متنبّی کے حال

میں اپنے اشعار آبدار کو پیش کیا تھا۔ بنی کلب وغیرہ کا گروہ کثیر اس کا تابع بھی ہو گیا۔ مگر ابو لولو نائب اخشیدیہ نے اس پر چڑھائی کر کے شکست دی۔ اور اس کو قید کیا۔ اور دعوائے نبوّت سے توبہ کرنے کے بعد چھوڑا۔ اسی سبب سے لوگ اس کو متنبّی (بنا ہوا نبی) کہتے ہیں۔ قاضی القضات ابن خلّکان نے (وفیات الاعیان میں) اس کی بہت مدح وثنا کی ہے۔ اور اپنے اُستاد کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ اس کے دیوان کی چالیس شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ شرف کسی اور شاعر کے دیوان کو نصیب نہیں ہوا۔ یہ شعر میں صاحب بخت بلند اور لُغت کا امام ہے۔ آخر ماہ رمضان تین سو چون ہجری میں ۵۱ برس کی عمر پاکر فاتک ابن ابو جہل اسدی کے ہاتھ سے مع اپنے بیٹے اور غلام کے دریائے دجلہ کے کنارے پر قتل ہوا۔ گویا عرب کا مجسم علم شعر جہل کے ہاتھ سے غرق دریائے عدم ہوا۔ بجز جناب سیّد رضیؒ (جامع خطب نہج البلاغہ جو اس کے کچھ بعد پائے جاتے ہیں) عرب میں اور کوئی اس کے زمانے میں یا اس کے بعد مثل اس کے شاعر نہیں ہوا۔ میں متنبّی کے چند اشعار اور اُس کے مقابلہ میں مرزا مرحوم کے چند شعر ایسے پیش کرتا ہوں۔ جن کے مضامین میں کچھ مشابہت ہے۔ یا دونوں صاحب قریب قریب ہو کو گذرے ہیں۔ ہر چند ایک قدرتی فرق اختلاف زبان عرب و ہند کا اور دوسرا امر نیہ محمد وحین کا حائل ہے۔ اختلاف زبان کے ساتھ ہی رسم ورواج۔ آب وہوا مناظر قدرت کے اختلافات ہیں۔ جن کی بُنیاد پر شاعری کی خیالی عمارت بنائی جاتی ہے۔ پس ان اختلافات کے سبب سے پُورا پُورا مقابلہ تو ناممکن ہے۔ علاوہ ان کے ایک باریک فرق غور کرنے سے اور بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ متنبّی نے یہ اشعار اُس زمانے (چوتھی صدی ہجری) میں کہے ہیں۔ کہ جب زبان عربی میں تمام علوم وفنون کے ترجمے ہو کر زبان مذکورہ درجہ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ برخلاف اس کے اُردو میں آج تک تمام علوم وفنون نہیں آئے۔ اُس

متنبّی و دبیر میں فرق

زمانے کا تو کیا ذکر کہ جب کا یہ کلام مرزا مرحوم کا ہے (جس کو کم سے کم ساٹھ ستر سال اور زیادہ سے زیادہ سو برس سمجھنا چاہئے۔ کہ ۱۲۳۰ ہجری سے مرزا صاحب کی شاعری شروع ہوتی ہے)۔ بااین ہمہ دیکھئے۔ مرزا مرحوم کی طبع رنگین و خداداد نے کیا کیا پھول کھلائے ہیں دریائے مضامین بہائے ہیں۔ مگر جس طرح یہ فرق زبان مرزا مرحوم کے حق میں مُضر ہے۔ اُس سے بڑھ کر دُوسرا فرق مرتبہ ممدوحین کا اُن کے حق میں مفید ہے۔ متنبی کے اکثر ممدوحین ایسے ہیں۔ جن پر وہ مدح و ثنا نہیں پھبتی۔ بلکہ بعض جگہ خود شارحوں نے یہ احتمال کیا ہے۔ کہ متنبی نے بظاہر مدح بباطن قدح کی ہے۔ اور کہیں کہیں اُنہیں ممدوحوں کی متنبی (دُوسرے موقع پر) خود بھی صاف صاف ہجو لکھتا ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اوّل مدح کہی ہوگی۔ جب انعام خاطر خواہ نہ پایا۔ تو ہجو کہدی۔ مگر مرزا مرحوم کے ممدوحین محمدؐ و آلِ محمدؐ اُس سے زیادہ مدح کے قابل ہیں۔ جو دل سے اُنہوں نے نظم کی ہے۔ بعض موقع پر بظاہر مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب محمدؐ و آلِ محمدؐ یا اُن کے سچّے مددگار و اصحاب (شہدائے کربلا) کی شان و مرتبہ پر خیال کیا جاتا ہے۔ تو وہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے مرزا مرحوم کی تمام مدح و ثنا کم سے کم ہر خوش عقیدہ مسلمان کے نزدیک حق بجانب ہے۔ اور حق بات میں اہل حق کو زیادہ مزہ آتا ہے +

ازبسکہ آج کل عربی ہندوستان میں بہت کم رہ گئی ہے (اور جو باقی ہے۔ وہ بھی سفر کرتی جاتی ہے۔ اور شاید جو ریل ہندوستان سے ایران ہو کر بعض ممالک عرب میں بننے والی ہے۔ اس کے بن جانے پر اسی میں سوار ہو کر سفر کر جائے) اس لئے ہر شعر متنبی کے ساتھ اُس کا اردو میں خلاصہ مطلب بھی مَیں نے لکھ دیا ہے۔ کہ اردو خواں ناظرین لطف اُٹھائیں۔ جہاں کہیں میری کم علمی کے سبب مجھ سے غلطی ہوگئی ہو۔ ناظرین عربی خواں و عربی داں مجھے آگاہ فرمائیں۔ مَیں انشاء اللہ دوبارہ کتاب چھپنے پر درستی کر دونگا۔ ہرچند مرزا مرحوم کے بعض کلام کا مقابلہ بعض کلام شعرائے جاہلیت سے بھی مَیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر

نہ آج کل میرے پاس وہ کتاب (سبعہ معلقہ) موجود ہے نہ مجھے فرصت ہے +

مرزا صاحب کے کلام کا مقابلہ اُن شعرائے سبعہ معلقہ کے کلام سے ان وجوہ (ذیل) پر میرے خیال میں انسب ہوتا +

انسب ہونا سبعہ معلقہ سے مقابلہ شعرائے مرزا مرحوم کا

(۱) جس طرح شعرائے ایام جاہلیت کے زمانے میں عرب میں علوم وفنون نہ تھے۔ اُسی طرح مرزا صاحب کے زمانے میں بھی بالخصوص اردو میں قطعی علوم وفنون نہ ترجمہ ہوئے تھے +

(۲) جس طرح وہ شعرا فطرتی شاعر تھے۔ مرزا مرحوم بھی قدرتی شاعر تھے +

(۳) جس طرح وہ شعرا کھڑے کھڑے بیس تیس شعر کا قصیدہ کہدیتے تھے۔ مرزا مرحوم بھی دو چار گھنٹہ میں سو ڈیڑھ سو بند (۱۰۰ ۱۵۰) (۳۰۰ یا ۴۰۰ شعر) کا مرثیہ کہدیتے تھے +

(۴) خود مرزا مرحوم فرماتے ہیں :۔

سبحان کے عنایتِ سبحان ہے یہ فقط	موزوں ہو شانِ مصحفِ ناطق کی اِس نمط (یعنی طرح)
حسّان سے لوں غلامیِ حسنِ بیاں کا خط	مکّے کے شاعروں کا یہ دعوے کروں غلط

میزانِ عرش میں مرے مضمون تُل گئے
اب سبعۂ معلّق کعبہ سے کُھل گئے

مگر اکثر ناظرین اگر ایسے مقابلہ کو پسند فرمائینگے۔ تو انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں سبعہ معلقہ کے بعض اشعار بھی کلام دبیر کے مقابلہ پر مَیں پیش کرونگا۔ بشرطیکہ زندہ رہا۔ اور اگر مرگیا اور ملک نے اس روش کو پسند کیا۔ تو اور کوئی خدا کا بندہ اس کام کو انجام دے لیگا +

فصل ۲ اجتماع نقیضین

۱۔ متنبّی کہتا ہے۔ مُتَفَرِّقُ الطَّعمَینِ مُجتَمِعُ القُویٰ فَکَاَنَّہٗ السَّرَّاءُ وَالضَّرَّاءُ۔ میرا ممدوح (ابوعلی ہارون ابن عبداللہ) دو مختلف مزے رکھنے والا اتمام قوتوں کا جامع (قوی ہیکل یا اولوالعزم) ہے۔ گویا وہ نرمی وسختی یا خوشحالی وبدحالی کا سبب ہے۔ یعنی دوستوں کے حق میں مفید اور دشمنوں کے واسطے بلائے جان ومضر ہے +

مرزا صاحب حضرت قاسمؑ بن حسنؑ کی زبانی رجز میں فرماتے ہیں۔ (ٹیپ ملاحظہ ہو) :۔

ہم بے خطا ہیں تیر بھی اپنے ہیں بے خطا	آٹھوں پہر لگاٹی ہے چورنگ بار ہا
نیزہ ہے اپنا زہر اُگلنے میں اژدہا	چلّہ نشیں کمان کے گوشے میں ہے قضا

پر زہر سے عیاں اثر لطف و قہر ہے
مومن کو زہر مہرہ ہے کافر کو زہر ہے

مطلب یہ ہے۔ کہ نیزہ سے دوست کی مدد کر کے دشمن کو فی النّار کر دیتے ہیں۔ اس لئے دوست خدا کو یہ زہر مہرہ ہُوا۔ کہ دشمن کے زہر (ضرر) کو دفع کیا۔ اور دشمن خدا کے واسطے زہر ہے۔ الفاظ زہر و زہر مہرہ کی خوبی پر خیال فرمائیے۔ کہ بظاہر ملتے جلتے ہُوئے ہیں۔ مگر ایک دُوسرے کی ضد ہیں۔ متنبّی کے شعر میں متفرق الطعین و مستجمع جمیع قوے کا ثبوت سرّاء و ضرّاء سے ہے۔ مرزا مرحوم کے کلام میں صرف متفرق الطعین کا ثبوت ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی زہر و زہر مہرہ کا اثر متضاد ہونے کے علاوہ (زہر و زہر مہرہ میں) جو لطافت لفظی ہے۔ وہ اعلےٰ درجہ کی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے اُوپر اشارہ کیا ہے +

سخاوت

۲۔ متنبّی۔ یَا اَیُّھَا المُجْدٰی عَلَیْہِ رُوْحَہٗ۔ اِذْ لَیْسَ یَاتِیْہِ لَھَا اِسْتِجْدَاءُ
تیری جان (اے ممدوح) گویا تجھے سائلوں نے دے رکھی ہے کہ کوئی تجھ سے نہیں مانگتا۔ ورنہ تو ایسا سخی ہے۔ کہ سائل مانگتا۔ تو جان بھی اپنی دیدیتا +

مرزا مرحوم امام حسینؑ کی مدح سخاوت میں فرماتے ہیں۔ (رباعی)

محتاجوں کو اغنیا نے زر بخشا ہے	درماندوں کے آرام کو گھر بخشا ہے
احمدؐ کے نواسے کی سخاوت دیکھو	دشمن کو رہِ دوست میں سر بخشا ہے

ایک دُوسرے مقام پر ایک مرثیہ میں اسی مضمون کو پھر نظم فرمایا ہے۔

حق عاشقی حق کا ادا شہ نے کر دیا	دشمن کو راہِ دوست میں خوش ہو کے سر دیا

ذی علم ناظرین!! ملاحظہ فرمائیے متنبّی تو اتنا ہی کہکے چپ ہو گیا۔ کہ سائل مانگتا تو۔ تو جان بھی دیدیتا۔ اور وہ اس کے سوا کہتا ہی کیا؟ مگر مرزا مرحوم نے کیا اچھی اور اچھّی تعریف

اپنے ممدوح (امام حسینؑ) کی فرمائی۔ کہ دوست کی راہ میں سر بھی دیا تو کس کو؟ دشمن کو۔ اور سپر کیونکر دیا؟ خوش ہو کر۔ اللہ اللہ بات بات میں کس قدر بلاغت کے نکات ہیں۔ جتنا غور فرمائیے لطف مضمون بڑھتا جاتا ہے۔ کلام بلیغ کی یہی صفت ہے +

مقابلۂ ممدوح بسحاب

؎ متنبی۔ لم تحک نائلک السحاب وانما۔ حمت بہ فصبیبھا الرحضاء۔ تیری بخشش کے مقابل ابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تیری عطا و بخشش دیکھ کر اُس کو تپ چڑھ گئی ہے۔ یہ پانی نہیں برستا۔ اُس کا پسینہ ٹپک رہا ہے۔ ابر و بحر کو سخا و کرم سے تشبیہ دینے کا رواج غالباً قدیم زمانے سے ہر زبان کی (لٹریچر) ادب میں پایا جاتا ہے۔ متنبی نے بھی اور شعرائے عرب کی طرح اس کو خوب نظم کیا ہے۔ ایک دوسرے قصیدہ مدح سیف الدولہ میں وہ اپنی شمشیر زبان کے یوں جوہر دکھاتا ہے۔ ؎

تجف الارض من ھذا الرباب   وتخلق ما کساھا من ثیاب

بادل برسنے کے تھوڑے دنوں بعد زمین خشک ہو جائیگی۔ اور جو جامۂ نو نباتات کو اُس نے پہنایا ہے۔ وہ پُرانا ہو جائیگا۔

وما ینفک منک الدھر رطباً   ولا ینفک غیثک فی انسلاب

مگر تیرا سحاب کرم ہمیشہ برستا رہیگا۔ اور اس کا سلسلۂ فیض و احسان دُنیا سے منقطع نہ ہوگا انصاف یہ ہے۔ کہ یہ مضمون متنبی نے نہایت بلیغ نظم کیا ہے۔ اب اس کے بعد ہم ذرا دبیر مرحوم کو دیکھئے۔ کس پایہ کا مضمون ادا فرماتے ہیں۔ ؎ (رباعی)

رہ جاتا ہوں انگشت بدنداں ہو کر   حیدرؑ کو کہا ابر سخنداں ہو کر
مانا۔ کہ گہر بخش ہے نیساں بھی مگر   وہ دیتا ہے رو رو کے یہ خنداں ہو کر

ابر کے برسنے کو رونے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ جب ابر نیساں برستا ہے۔ تو موتی پیدا ہوتے ہیں۔ پس وہ بھی موتی دیتا ہے مگر رو رو کر۔ اور میرا ممدوح تاجدار ہل اتےٰ ہنس ہنس کر بخشتا ہے۔ پس ابر نیساں کو اس سے کیا نسبت ہے۔ یہ مضمون

قسّام ازل نے مرزا مرحوم کے حصّہ میں رکھا تھا۔ میرے علم میں دوسرے شاعر کے خیال میں نہیں آیا۔ کسی نے آج تک نظم نہیں کیا۔

۴۔ متنبّی سیف الدولہ کے لشکر کے غبار کی نسبت کہتا ہے ؎

كَأَنَّ نُجُومَ اللَّيْلِ خَافَتْ مَغَارَهُ فَمَدَّتْ عَلَيْهَا مِنْ عَجَاجَتِهِ حُجُبَا

لشکر کی کثرت سے رات کے ستارے ایسے ڈرے۔ کہ انہوں نے غبار لشکر سے اپنے اوپر گویا پردے تان لئے۔ کہ لڑائی کا خوفناک سماں اُن کو نظر نہ آئے۔ واقعی کیسا بلیغ یہ مضمون متنبّی نے باندھا ہے۔ اور یہ مضمون شاعروں میں اکثر پامال ہوتا رہا ہے۔ فردوسی و نظامی نے بھی غبار سم اسپان کے مضمون کو خوب خوب باندھا ہے۔ اور دونوں بزرگوار قریب قریب یکساں فرما گئے ہیں:۔

(فردوسی)

زبس گرد میداں کہ بر شد بدشت
زمیں شش شد و آسماں ہشت گشت

(نظامی)

زسم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

دونوں کا مفہوم یہ ہے۔ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اتنی گرد اڑی۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک طبقہ زمین کا اُڑ کر آسمان میں جا لگا۔ اگرچہ ان شعروں میں رعب و خوف کا کوئی مضمون مثل شعر متنبّی کے نہیں ہے۔ مگر ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اپنے رنگ میں یہ پھول بھی خوشنما ہیں +

مرزا مرحوم کے ممدوح امام عالی مقام ہیں۔ اُن کے گھوڑے کے سم سے جو گرد اڑی وہ بھی خاص اور اعلیٰ ہونی چاہئے۔ (کہ اُن کا گھوڑا خاتم المرسلین محمد مصطفےٰ صلعم کا اسپ خاص ہے۔ وہ فرماتے ہیں):۔

تقسیم سرمہ گرد سواری نے کر دیا شیشہ فلک کا کحل جواہر سے بھر دیا

دیکھئے۔ شیشہ فلک ایک مشہور استعارہ ہے۔ کہ آسمان شیشہ کی طرح نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ سم اسپ امامؑ سے جو گرد اٹھی۔ وہ بمنزلہ کحل الجواہر (سرمہ جواہرات) تھی۔ اُس سے

شیشہ خالی آسمان کا بھر گیا +

شجاعت

۵- متنبی سے اِذَا مَا سِرتَ فِی آثَارِ قَومٍ - تَخَاذَلَتِ الجَمَاجِمُ وَالرِّقَابُ

سیف الدولہ کی مدح شجاعت میں کہتا ہے۔ کہ جب تو کسی قوم کے پیروں کے کھوجوں پر جاتا ہے (تعاقب کرتا ہے)۔ تو اُن کی کھوپریاں اور گردنیں ایک دُوسرے کو چھوڑ دیتی ہیں۔ کہ تیری تلوار کھوپریوں کو گردنوں سے اُڑا دیتی ہے۔ پس دونوں میں جُدائی ہو جاتی ہے متنبی نے محض تعاقب سے دشمنوں کی کھوپریاں گردنوں سے جدا ہو جاتی بیان کی ہیں۔ جس سے ہیبت و شجاعت کا خلاف عقل مبالغہ خیال میں گذرتا ہے۔ اب دیکھئے۔ مرزا مرحوم شمشیر حسینی کی صفائی اور دشمنوں کے سر اُڑانے کو کس صفائی سے بیان کرتے ہیں۔ ؎

تیغ تنگ کی طرح - جدھر یہ پلٹ گئی گردن - سر آگے پھینک کے پیچھے کو ہٹ گئی

اس میں ایک خوبی یہ ہے۔ کہ جب تلوار سے سر کٹتا ہے۔ تو واقعی ایک ہچکولہ ایسا ہی آتا ہے۔ کہ جس سے گردن پیچھے کو سرک جاتی ہے۔ اس شعر میں تلوار سے سر اُڑنے کی تصویر کھینچ دی ہے +

فصل ۳ موت

۶- متنبی- خواہر سیف الدولہ کے مرثیے میں کہتا ہے۔ ؎

غَدَرتَ یَا مَوتُ کَم اَفنَیتَ مِن عَدَدٍ بِمَن اَصَبتَ وَکَم اَسکَتَّ مِن لَجَبِ

اے موت! تو نے غدر و بے وفائی کی۔ کہ نام تو ایک (عورت) کے مارنے کا کیا۔ اور بہت سے آدمیوں کو جو اُس کے دم سے زندہ تھے مار ڈالا حقیقت میں ایک نیک نفس فیض رساں کے مرنے سے بہت آدمی جو اُس سے وابستہ ہوتے ہیں گویا مر جاتے ہیں + مرزا مرحوم ہمشکل محبوب خدا شاہزادہ علی اکبرؑ کے مرثئے میں اُن کی ماں کی زبانی کہتے ہیں۔ ؎

کوئی نہ رہا کنبے میں میرے علی اکبرؑ سب مر گئے۔ اک مرنے سے تیرے علی اکبرؑ

یعنی تیری موت میرے حق میں تمام کنبہ کی موت ہو گئی۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ میرا کوئی

رشتہ دار نہ رہا+

۷- متنبی سیف الدولہ کے لشکر کی کثرت یوں بیان کرتا ہے۔ ؎

وَلَا تَعبُرُ الرِّیحُ فِی جَوِّہٖ اِذَا لَم تَخطُ القَنَا وَ تَنثب

لشکر میں یہ نیزوں کی کثرت تھی۔ کہ ہوا بھی میدان جنگ میں نہیں گذر سکتی تھی جبتک کہ وہ نیزوں پر ہو کر نہ کود پھاند جاتی تھی+

مرزا مرحوم نے اپنے لاجواب مرثیہ حال مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی میں دوستداران اہلبیتؑ اطہار کی کثرت کو (جو خون ناحق امام حسینؑ کا بدلہ لینے کو ۶۴ھ کے قریب مختار کے لشکر میں جمع ہوئے تھے) یوں نظم کیا ہے*۔ ؎

کوچوں میں یہ ہجوم خلائق کا حال تھا سائے کو ساتھ لیکے گذرنا محال تھا

ظاہر ہے۔ کہ ہجوم لشکر میں ایک شخص کا سایہ چند آدمیوں پر پڑیگا۔ اس صورت میں جس شخص کا سایہ ہے۔ اُس کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ ایسے سچے مضامین نکالنا کہ جن سے بظاہر مبالغہ کی شان نکلے۔ واقعی عالی دماغ شعرا کا کام ہے+

۸- متنبی کہتا ہے۔ ؎ مَظلُومَۃُ القَدِّ فِی تَشبِیھِہٖ غُصنًا۔ مَظلُومَۃُ الرِّیقِ فِی تَشبِیھِہٖ ضَرَبًا۔ اگر اُس کے قد کو نزاکت میں شاخ سے اور آب دہن کو شیرینی میں شہد سفید سے تشبیہ دیں۔ تو یہ گویا ظلم ہے۔ کہ قد اور آب دہن نزاکت و شیرینی میں شاخ و شہد سفید سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں۔ متنبی نے قد اور آب دہن کی مدح کی

---

* ایک دوسرے مرثیہ غیر تقسیمی میں جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎ ہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے۔ امام حسینؑ کی مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت روضۂ رسول خدا میں اُن حضرتؑ کا جانا اور وہاں ارواح انبیاؑ و اشراف مدینہ و ملائکہ کا ہجوم ہونا بیان فرمایا ہے اُس موقع پر فرماتے ہیں۔ ؎ فردوسیوں کا در پہ ہجوم اس قدر ہوا۔ رضواں بنا بہشت کی بوجب گذر ہوا۔ پھر اُسی مرثیہ میں کثرت کا حال بیان فرماتے ہیں۔ ؎ کثرت یہ تھی رواق شہ دیں پناہ میں۔ سُرمہ نگاہ ہوگئی پس پس کے راہ میں۔ یہ مضامین ہر شاعر کو نہیں سوجھتے+ ۱۲ مؤلف حقیر۔

کثرت لشکر
مدح قد و آب دہن

ہے - اور خوب کی ہے *

مرزا مرحوم کا کلام میں صرف لب حضرت عباسؑ کی تعریف میں پیش کرتا ہوں مگر دیکھئے - کس قدر اچھی اور سچی تعریف ہے - باایں ہمہ تمام شعرا سے الگ -

اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے	شیریں رقموں میں رقم اس لب کی جدا ہے
یاقوت سے بڑھ کر جو لکھوں میں تو مزا ہے	یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہے بجا ہے

چوسا ہے یہ لب مثل رطب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا کس روز علیؑ نے

۹ - متنبّی اپنے ممدوح غیث ابن علی عجلی کی سخاوت و شجاعت کی یوں مدح سرائی کرتا ہے - عُمْرُ الْعَدُوِّ اِذَا لَاقَاهُ فِیْ رَهَجٍ - اَقَلُّ مِنْ عُمْرِ مَا یَحْوِیْ اِذَا وَهَبَا - غبار جنگ میں جب دشمن اُس کے مقابل پر آجاتا ہے - تو اُس کی عمر ممدوح کے مال سے بھی جبکہ وہ مال بخشنے لگے کوتاہ و کمتر ہو جاتی ہے - یعنی جیسے بخشش کے وقت ممدوح کے ہاتھ میں مال نہیں ٹھہرتا - اُسی طرح میدان جنگ میں دشمن کی عمر بھی نہیں ٹھہرتی *

مدح شجاعت و سخاوت

مرزا مرحوم امام حسینؑ کی بہادری و بخشش کی یوں ساتھ ساتھ تعریف فرماتے ہیں - موقع یہ ہے - کہ امام ممدوح جہاد فرمانے کو میدان جنگ میں آرہے ہیں - دشمن کی فوج میں گھبراہٹ اور انتشار پھیلا ہوا ہے - کیونکہ ایک ایسے پیاسے شیر کا مقابلہ ہے - جس کا مثل و نظیر بہادری میں خدا نے اپنی خدائی میں نہیں پیدا کیا ہے - یہ بھی

* مرزا مرحوم گیسو و رخ اور لب اور دہن اور دانتوں کے ساتھ ساتھ یوں مدح کرتے ہیں: گیسوئے رسا روے کتابی کے قریں ہے - قرآن کا حافظ پر جبریل امیں ہے * لب موج دہن کوثر فردوس بریں ہے - دانتوں سے لطافت کا جہاں زیر نگیں ہے * دندان و دہن کے لئے تشبیہیں ملی ہیں - کلیاں سمن خلد کی کوثر میں کھلی ہیں * ۱۲ مؤلف حقیر -

غور فرمائیے۔ کہ متنبّی نے صرف سخاوت و شجاعت کو سراہا ہے۔ رعب و ہیبت ممدوح کا اس کے شعر میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ مرزا مرحوم کا شعر اس پہلو کو بھی لئے ہوئے ہے۔ جو لازمۂ شجاعت ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

درہم کاشہ کے دستِ کرم میں جو حال ہے
درہم ہیں یوں پرے کہ قرار اب محال ہے

یعنی جس طرح درہم (روپیہ) امام کریم کے ہاتھ میں آکر بے قرار رہتا ہے جب تک وہ جناب کسی کو بخش نہ دیں۔ اسی طرح دشمن کی فوج کے پرے پریشان اور درہم و برہم ہو رہے ہیں۔ اور ڈر رہے ہیں۔ کہ دیکھئے۔ اب لڑائی میں جان رہتی ہے یا جاتی ہے۔ ع واقعی جان کا کھٹکا بھی بڑا کھٹکا ہے۔

سخاوت

۱۰۔ محض سخاوت ممدوح کے باب میں متنبّی کہتا ہے۔

وکلما لقیا الدینار صاحبہ
فی ملکہ افترقا من قبل یصطحبا

جب اس کی ملک میں دو دینار آجاتے ہیں۔ تو وہ ملنے سے پہلے منتفرق ہو جاتے ہیں۔ کہ ممدوح سائلوں کو دے ڈالتا ہے۔

مرزا مرحوم جناب امیرؑ کی سخاوت میں کہتے ہیں۔

مٹھی میں یوں قرار زر و سیم ہے محال
جیسے کبھی ہتیلی پہ پیدا نہ ہوئیں بال

مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح عادتاً ہتیلی پر بالوں کا پیدا ہونا محال ہے۔ اسی طرح ان کے ہاتھ میں روپیہ اشرفی ٹھیرنا ناممکن ہے۔ یہ ایسے بخشنے والے ہیں۔

فصل ۴
ممدوح کی شجاعت اور تلوار

۱۱۔ متنبّی اپنے ممدوح کی بہادری کو یوں سراہتا ہے۔

ان المنیۃ لو لاقتھم وقفت
خرقاء تتہم الاقدام والھربا

موت بھی اس کے سامنے (میدان جنگ میں) آجائے۔ تو حیران و ششدر کھڑی رہ جائے کہ آگے بڑھونگی۔ تو ماری جاؤنگی۔ پیچھے ہٹونگی۔ تو پکڑی جاؤنگی۔ دوسرا شعر متنبّی کا ممدوح کی تلوار کی مدح میں یہ ہے۔ ما شارکتہ منیتہ فی مھجۃ

اِلّاَ وَشَفَرَاتُہٗ عَلٰی یَدِ ھَایِدٌ ۔ موت خونریزی میں تیری تلوار کی شریک نہیں ہوتی ۔ مگر تلوار کی تیزی کا ہاتھ موت کے ہاتھ پر ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہے ۔ کہ تیری تلوار موت سے بڑھی ہوئی ہے ۔ اور واقعی جب تلوار کاٹیگی ۔ جب ہی موت آئیگی ۔ پس تلوار کا ہاتھ موت کے ہاتھ پر رہا ۔ یہ عجب بلیغ مضمون ہے ۔ تیسرا شعر متنبی کا میں اور لکھنا چاہتا ہوں ۔ جس میں وہ خود اپنی تلوار کی مدح کرتا ہے ۔ یا اپنی شیخی بگھارتا ہے ؎

یُسَابِقُ سَیْفِیْ مَنَایَا الْعِبَادِ ۔ اِلَیْھِمْ کَاَنَّھُمَا فِیْ رِھَانِ

میری تلوار اور مقتولوں کی موت شرط باندھ کر ساتھ ساتھ ڈورتی ہیں ۔ مگر میری تلوار موت سے پہلے اُن تک پہنچ جاتی ہے +

ناظرین باتمکین !! اب جہاد امام حسینؑ کے موقع پر شمشیر حسینی کی مدح میں مرزا مرحوم کے چند شعر سُن لیجئے :۔

(۱) میان سے تلوار نکل رہی ہے ۔ اُس موقع پر کہتے ہیں ۔ ؎

کل اُس کو نہ رن میں نہ بیابان میں آئی ۔ یہ میان سے نکلی اور اجل میان میں آئی

(۲) پھر اسی مضمون کے قریب قریب دُوسرے مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

پھل دونوں دیکھ دیکھ کے چلائے رمز داں ۔ لو پر تو ہیں عیاں ملک الموت ہیں کہاں
بولی اجل وہ گوشہ نشین نیام ہیں ۔ اس وقت ذوالفقار کے قائم مقام ہیں

(۳) اور سُنئے ۔ ؎

طاؤس ذوالفقار تڑپ کر عیاں ہوا ۔ اُڑ اُڑ کے ہر زمیں کا طبق آسماں ہوا
چلائی عافیت میں رہوں کس مکان میں ۔ مڑ کر یہ تیغ بولی ۔ کہ چھپ جا میان میں

(۴) سلطے کو مڑ کے حکم دیا رہ نہ جائیو ۔ اُنگلی اجل کی پکڑے ہوئے لیتا آئیو

(۵) دم تن سے نہ نکلا کہ وہ چھپنے کی گھڑی تھی ۔ ڈر سے نہ اجل آئی ۔ کہ تلوار کھڑی تھی

واقعی مرزا مرحوم جس طرف جاتے ہیں ۔ دریا مضامین کے بہا جاتے ہیں ۔ کیا دماغ پایا ہے ۔

خرّوں

مسافرت میں سواری زمانہ

۱۲۔ متنبی کہتا ہے۔ ؎ وَلَمَّا قَلَّتِ الْاِبِلُ امْتَطَیْنَا۔ اِلٰی ابْنِ سُلَیْمَانَ الْخُطُوبَا۔ جب مفلسی کی بدولت اونٹ ہمارے پاس کم ہوگئے۔ تو ہم زمانے کی مصیبتوں کو شتر بنا کر سپر ابو سلیمان کی طرف چلے۔ واہ کیا عمدہ استعارہ ہے +

مرزا مرحوم ایک بے سروسامان عاشق امام حسینؑ کی کیفیت نظم فرماتے ہیں جس نے بعد شہادت امام مظلوم یہ خبر سُنی ہے۔ کہ سر امام حسینؑ یزید نے اپنی جہالت و شقاوت سے ایک کنوئیں میں قید کر رکھا ہے۔ یہ شخص اپنے وطن مالوفہ کوفہ سے اکیلا شام کو اس ارادے سے جا رہا ہے۔ کہ کسی تدبیر سے اپنے آقائے مظلوم کا سر اس کنوئیں سے نکال کر لاؤنگا۔ اور یہیں کوفہ (نجف) میں جناب امیرؑ کے جسم اقدس کے قریب دفن کرونگا۔ (کہتے ہیں) :۔

گھر سے چلا دمشق کو وہ مرد باوفا   توفیق زادراہ ہوئی شوق رہنما
رزقِ لطیف گلشن فردوس کی ہوا   اور آبلے کے پردے ہیں کوثر بزیر پا

زانو و سر کو پیٹتا تھا ہر مقام میں
یعنی برہنہ پا گئے سجّاد شام میں

باغ انسان اور نیک فعل خوشبو میں پھول اور

۱۳۔ نکہت باغ کا یہ مضمون جو میں ذیل میں لکھتا ہوں۔ شاید پہلے پہل متنبی کو سوجھا ہے۔ مجھے یہ مضمون بہت ہی پسند ہے۔ ؎

وَمَا رِیْحُ الرِّیَاضِ بِھَا وَلٰکِنْ   کَسَاھَا دَفْنُھُمْ فِی التُّرْبِ طِیْبًا

یہ جو باغوں میں خوشبو (پھیلی ہوئی) ہے۔ وہ باغوں (کے پھولوں) کی نہیں ہے۔ بلکہ اُن (مُردوں) کے مٹّی میں دفن ہونے نے باغوں کو خوشبویوں کا لباس پہنا دیا ہے۔ ناظرین عالی دماغ کی خدمت میں میں اس موقع پر ایک نظم کا گلدستہ پیش کش کرتا ہوں۔ جس میں کچھ پھول جناب مرزا غالب مرحوم کے حدیقہ نظم کے اور بعض گل شگفتہ مرزا دبیر مغفور کے گلزار طبع کے اور بعض استاذی حضرت اوج مدظلہ کے بوستان طبع کے ہیں۔ خدا کی

شان ہے۔ کہ مضمون کا ماحصل ایک ہی ہے۔ مگر الفاظ کے رنگ اور خوشبوے بیاں کے اثر نے نئے نئے لطف پیدا کر دئے ہیں[۲]*

۱۔ مرزا غالب مرحوم:۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں* خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں*

۲۔ مرزا دبیر مغفور:۔ تو سرو قد خزاں نے کئے جبکہ۔ پائمال* تب خاک سے نمود ہوا۔ ایک نونہال* ریحاں کسی حسین کی فہرست خط و خال* نرگس کسی کی چشم تو سنبل کسی کے بال* جب گھل کے گل رخوں کا رسالہ نہاں ہوا* اک لالہ۔ داغدار زمیں سے عیاں ہوا*

۳۔ حضرت اوج مدظلہ:۔ کیسی رنگا رنگ شکلیں ہونگی اے جوش بہار* مٹ کے جو گلگونہ رخسار گلشن ہوگئیں[۲]*

---

[۱] ایک شعر حضرت بیر تقی میر مرحوم کا بھی اسی مضمون کا نکل آیا۔ یہ غالب رح و دبیر و اوج مدظلہ سب سے اوپر ہونا چاہئے تھا۔ مگر مجبوری ہے۔ کہ بعد کو دستیاب ہوا۔ اس لئے حاشیہ پر لکھ دیتا ہوں۔ کو گل و لالہ کہاں سنبل سمن ہم نسترن* خاک سے یکساں ہوئے ہیں ما گیا آشنا۔ اب دو چار مستند استادوں کے اشعار اکٹھے ہوگئے جو اپنے اپنے رنگ میں یکتا اور اپنے عہد میں بےمثل ہیں* ۱۲ مؤلف بےبضاعت۔

[۲] متنبی نے صرف خوشبو کی نسبت خیال کیا تھا۔ کہ جو باغوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نیک نہاد مردوں کی ہے۔ کہ جو زیر زمیں دفن ہیں۔ ان شعرائے ہند نے پھولوں کی نسبت یہی خیال ادا فرمایا ہے۔ مگر سبحان اللہ کس خوبصورتی سے کس لطافت اور سلاست و فصاحت سے مضمون کو ترقی دی ہے مجھ بےبضاعت کو جہاں تک ایرانی شاعروں کے کلام دیکھنے کا موقع ملا (اور وہ بہت کم ملا) اُن کے یہاں ایسا مضمون خوشبوؤں یا پھولوں کی نسبت نظر نہیں آیا۔ البتہ وہ ہر عمارت اور زمین کی نسبت فرماتے ہیں۔ کہ اگر غور کرو۔ تو کیسے کیسے صاحبان ملک و مال و یوسف جمال خاک کا پیوند ہوگئے ہر جگہ اُنہیں کی خاک مختلف شکلوں میں نظر آتی ہے چنانچہ عمر خیام کی لاجواب رباعی حسب ذیل ہے۔ خاکے کہ بزیر پائے ہر حیوانی ست* زلف صنمی و عارض جانانی ست* ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانی ست* انگشت وزیری و سر سلطانی ست* سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔ زدم تیشہ یک روز بر تل خاک* بگوش آمدم نالہ دردناک* کہ زنہار اگر مردی۔ آہستہ تر* کہ چشم و بناگوش و روے ست و سر*

* بےبضاعت ثابت نے بھی ان سب استادوں کی تقلید میں کچھ خاک چھانی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔ جن کی خاک پاتھی عطر گل عرق جن کا گلاب* کیوں فلک وہ صورتیں مٹی میں پنہاں ہوگئیں* ۱۲ مؤلف حقیر۔

۱۴ متنبی اپنے ممدوح کافور حبشی والئ مصر کی مدح میں کہتا ہے۔

اِذَا اَتَتْھَا الرِّیَاحُ النُّکْبُ مِنْ بَلَدٍ فَمَا تَھُبُّ بِھَا اِلَّا بِتَرْتِیْبٖ

جب اُس کے شہر میں چوبائی ہوا کسی شہر سے آتی ہے۔ تو اُس کی ہیبت کے سبب سے سیدھی (باقاعدہ) چلنے لگتی ہے۔

مرزا مرحوم جناب حسنین علیہم السلام کی مدح میں کہتے ہیں۔

اک ذرہ خلاف ان کے زمیں کر نہیں سکتی دم بھر بھی ہو اعنبر کا دم بھر نہیں سکتی

اس میں "دم بھر" اور "دم بھر نہیں سکتی" (ان الفاظ) میں جو لطافت و دلچسپی ہے۔ اُس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ دل ہی لطف اُٹھاتا ہے۔ مگر کس کا؟ اُن لوگوں کا جن کو لطف زبان حاصل ہے۔ جب تک زبان پر شاعر کو اعلےٰ درجہ کی قدرت نہ حاصل ہو۔ ایسے الفاظ خیال ہی میں نہیں آتے۔ سچ کہتے ہیں۔ کہ شاعر کے دیوان بھر میں ایک غزل یا قصیدہ اور اُس میں ایک شعر اور شعر میں ایک لفظ ہوا کرتا ہے۔

۱۵ متنبی اُسی کافور کی مدح میں کہتا ہے۔

وَلَا تُجَاوِزُھَا شَمْسٌ اِذَا شَرَقَتْ اِلَّا وَمِنْہُ لَھَا اِذْنٌ بِتَغْرِیْبٖ

طلوع ہونے کے بعد مصر سے آفتاب نہیں گذرتا جب تک ممدوح (کافور) سے اذن غروب نہ حاصل کرلے۔ اس شعر میں ممدوح کی کمال عظمت (فرضی) بیان کی ہے۔

مرزا مرحوم جناب عباسؑ ابن جناب امیرؑ کی زبانی (رجز میں) کہتے ہیں (پہلوان مدمقابل کا نام مرحب بن عبد القمر ہے۔ جب وہ رجز پڑھ چکا۔ تو جناب عباسؑ اُس کے جواب میں رجز خواں اور گہر فشاں ہیں)۔

عبد القمر نحس کا تو داغ جگر ہے ہیں چاند علیؑ کا ہوں آرے یہ بھی خبر ہے
خورشید پرستی سے تری کیا مجھے ڈر ہے قبضے میں طناب فلک شمس و قمر ہے
جب قبلے کو ہم نے رُخ امید پھرایا

بالغہ ممدوح

تشبیہ ممدوح

مشرق کی طرف شام کو خورشید پھر آیا

طناب فلک قبضہ اقتدار میں ہونے کے دعوے کو کس خوبصورتی سے دلیل معجزہ رجعت شمس سے ثابت فرمایا ہے۔ اور یہ (بات) کہ رجعت شمس جناب امیرؑ کے واسطے ہوئی۔ مسلمانوں میں ایک اظہر من الشمس بات ہے۔ رُخ امید قبلے کی طرف پھرانے کے بھی دو معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ (۱) نماز کے واسطے متوجہ ہوئے۔ (۲) خدا سے دعائے رجعت شمس کی۔ یہ بیت ذو قافتین بھی ہے۔ (۱) خورشید و امید باہم قافیہ ہیں۔ (۲) پھرایا اور پھر آیا۔ اور پھرایا اور پھر آیا میں تجنیس خطی کی صنعت بھی ہے ساتھی صنعتوں پر اس قدر بے تکلف و بے ساختہ نظم۔ یہ خدا کی قدرت و بخشش اور دبیرؒ کا حصہ ہے۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست | تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۶۔ ابو ایوب احمد بن عمران کی مدح میں متنبی کا شعر ہے۔ ؎

يرعدُ الفوارسُ منكَ في ابدانها | اجرى من العسلانِ في قنواتها

سواروں کے نیزے اتنے نہیں ہلتے۔ جتنے تیرے رعب و خوف سے اُن کے بدن لرزتے ہیں +

مرزا دبیر فرماتے ہیں۔ ؎

دہشت سے جواں بھاگتے تھے تیر کی مانند | تھا تیروں کو رعشہ قدم پیر کی مانند

اس شعر کی لطافت و بلاغت میں اعتراض مولوی شبلی صاحب کے جواب میں ایک جگہ اسی کتاب میں بیان کر چکا ہوں۔ ناظرین اُس موقع پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں +

۱۷۔ مساور بن محمد رومی کی مدح میں متنبی کا شعر ہے۔ ؎

يخطو القتيل الى القتيل امامهُ | ربُّ الجوادِ وخلفهُ المبطوحُ

کشتوں کی کثرت سے میدان جنگ میں ممدوح کا گھوڑا ایک کشتہ کے بعد دوسرے

فصل ۵ رعب و دہشت

میدان جنگ و کثرت مقتولین

پر قدم رکھتا ہے۔ اور اُس کے سوار کے پیچھے بھی ایک کُشتہ پڑا ہے ÷

مرزا مرحوم ذوالفقار آبدار اور راہوار فرزند احمدؐ مختار (امام حسینؑ) کی کیفیت میدان کارزار میں بیان فرماتے ہیں۔ ؎

برسا رہی تھی۔ خون کا مینہ تیغ آبدار	صف روندتا تھا کوند کے رہوار برق وار
پر دشت تھا یہ گل کہ نہ تھی گشت کی بہار	کیلیں نہ تھیں۔ وہ نعل ہلالی میں آشکار

رن میں جھڑی لگائی تھی تیغ بلند نے
باندھے تھے مینہ کے کھلنے کو تارے سمند نے

۱۸۔ سیف الدولہ کو عید قربان کی تہنیت (متنبّی) دیتا ہے۔ ؎

هَنِيئًا لَكَ الْعِيدُ الَّذِي أَنْتَ عِيدُهُ	وَعِيدٌ لِمَنْ سَمّٰى وَضَحّٰى وَعَيَّدَا

تجھ کو وہ عید مبارک ہو جس کی تو خود عید ہے۔ اور تو اُس شخص کی عید ہے جس نے عید منائی۔ اور خدا کا نام لیا اور قربانی کی ÷

مرزا مرحوم نے ایک مرثیہ میں ایک روایت نظم فرمائی ہے۔ کہ عہد جناب رسالت مآب صلعم (روحی لہ الفدا) میں ایک ایسی عید آئی۔ کہ حسنین (علیہما السلام) کے پاس نئے لباس نہ تھے۔ اور محلہ کے بچوں کو نئے نئے کپڑے سلواتے اور رنگواتے ہوئے دیکھ کر یہ دونوں شاہزادے اپنی والدہ ماجدہ جناب فاطمہؑ کے پاس آئے۔ اُس وقت کی (ماں بیٹوں کے لاڈ پیار کی) تصویر مرزا صاحب یوں کھینچتے ہیں:۔

ن پر خون تو دشت تھا اور [illegible] کی ہوا

تہنیت عید

موگل۔ کیچڑ۔ گیلی مٹی کو کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ ذوالفقار نے دشمنوں کے قتل کرنے میں اتنا خون بہایا تھا۔ کہ برسات معلوم ہوتی تھی۔ رہوار بجلی کی طرح (صفوں) کو کوند کر روندرہا تھا۔ مگر کیچڑ کے سبب سے اُس کے پھرنے کی بہار نہ تھی۔ کیلیں جو نعلوں میں تھیں۔ وہ ستارے معلوم ہوتے تھے۔ گویا مینہ کھلنے کے لئے گھوڑے نے تارے باندھے تھے۔ ہندوستان میں یہ ٹوٹکا مشہور ہے۔ کہ مینہ کے کھلنے کو تارے باندھے جاتے ہیں ÷ ۱۲ ثابت بے بضاعت۔

القصہ سُن کے چار طرف عید کی خبر آئے حضور فاطمہؑ سبطینؑ نامور
باہیں گلے میں ایک نے ڈالیں اِدھر اُدھر اک سینے سے لپٹ گیا جلدی جُھکا کے سر
بولا۔ بڑا۔ ہمیں پہ بہت مہربان ہیں
چھوٹا۔ پکارا۔ واہ مری امّاں جان ہیں

اب ماں کا جواب سُنئے۔ جواب کی شان دیکھئے۔ ایسا جواب ہو۔ جس سے ماں کی محبّت لفظ لفظ سے ٹپکتی ہو۔ اور دونوں بچّوں کے ساتھ یکساں محبّت ثابت ہو۔ کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو:۔

ماں بولی ہم تو دونوں کے قربان جاتے ہیں اتنا نہ چاہو تم۔ مجھے وسواس آتے ہیں
حاسد کے چشم زخم سے ہم ہول کھاتے ہیں سب سے چُھپا کے تم کو گلے سے لگاتے ہیں
خاصانِ حق کے خاص ہو۔ نیکوں کے نیک ہو
مثلِ نگاہ۔ تم مری آنکھوں میں ایک ہو

اولاد کو عام طور پر نورِ چشم کہتے ہیں۔ دونوں فرزندوں کا اپنی آنکھوں میں ہم مرتبہ ہونا کس لطافت سے بیان فرمایا ہے۔ کہ آدمی کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ مگر نگاہ ایک ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ نکلا۔ کہ تم دونوں نورِ چشم میری دو آنکھیں ہو۔ مگر نگاہ کی طرح میں (دونوں کو) ایک سمجھتی ہوں۔ تم میں سے کسی کے ساتھ محبّت کم یا زیادہ نہیں ہے۔

اب یہ شاہزادے اپنے نئے لباس طلب کرتے ہیں۔ اس کی تصویر دیکھئے:۔
ننّھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ خوش بیاں ارشاد اب یہ کیجئے اے فخرِ دو جہاں
کل عید ہے؟ جواب دیا فاطمہؑ نے ہاں یہ بولے پھر لباس۔ غلاموں کا ہے کہاں
سامان اب تلک نہیں عیش و سرور کے
کیا کل نہ عید ہوئیگی گھر میں حضور کے

یہ واضح رہے۔ کہ جناب فاطمہؑ کی والدہ ماجدہ (جناب اُمّ المومنین خدیجہؑ) کی دولت

(باتفاق مؤرخین) لاکھوں روپیہ کی تھی۔ جو اُن معظمہ کے بعد (بجز حصّۂ شوہری کہ حق جناب رسول خدا کا تھا) جناب فاطمہ زہراؑ کے قبضہ میں آئی ہوگی۔ مگر اشاعت اسلام میں جناب فاطمہؑ نے حسب منشائے جناب رسالت مآب صلعم سب صرف فرمادی۔ بہت سے نئے مسلمان (اہل صُفّہ وغیرہ) ایسے تھے جن کے پاس نہ کھانے کو کھانا نہ اوڑھنے بچھانے پہننے کو کپڑا تھا۔ اُن میں جو لاکھوں روپیہ صرف ہوا۔ وہ اکثر اسی مال سے خرچ ہوا۔ خود محمدؐ و آل محمدؐ اپنے واسطے نہ بچاتے تھے۔ سب محتاجوں کو دیدیتے تھے۔ اس سبب سے اکثر فقر و فاقہ میں مبتلا رہتے تھے۔ اسی سبب سے حضور صلعم فرماتے ہیں۔ الفقر فخری۔ یہ فقر و فاقہ میرا فخر ہے۔ میری عزت بڑھاتا ہے۔ پس جناب فاطمہؑ جن کے پاس اُس عید کو حسنؑ و حسینؑ کے واسطے نئے کپڑے نہیں ہیں۔ کس طرح اپنے پیاروں کو جواب دیتی ہیں۔ آخر ماں کا دل ہے۔ بچوں کی عسرت کا کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ رنج میں تسلّی دینے کی شان دیکھئے:۔

عسرت پہ اپنی۔ رو کے یہ معصومہؑ نے کہا ‏ قربان جاؤں عید سے فاقہ کشوں کو کیا
اہل دول کے واسطے ہے عید کا مزا ‏ آلِ نبیؐ کی عید ہے خوشنودیٔ خدا
زہرا و چاند عید کا پیاروں کی دید ہے
جب تم گلے سے لپٹے میں سمجھی کہ عید ہے

صرف یہ آخر الذکر بیت متنبّی کے شعر کے جواب میں پیش کرنا منظور تھا۔ مگر سلسلہ کلام کے واسطے اُوپر کے بند اور واقعہ لکھنا پڑا۔ آگے چل کر جب نئی پوشاک جناب فاطمہؑ نے اپنے فرزندوں کو پہنائی ہے۔ اُس موقع پر (مرزا مرحوم) فرماتے ہیں ؎

پوشاک سے خوزادوں کی یہ شان ہوگئی ‏ اک عید صدقے دوسری قربان ہوگئی

اس میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ ایک عید عید الفطر کہلاتی ہے۔ فطرہ ایک خاص قسم کا صدقہ ہے۔ پس عید الفطر کو صدقہ کے لفظ سے مناسبت قدرتی ہے۔ اور

دُوسری عید (عیدِ اضحےٰ) کا تو نام ہی عید قرباں ہے۔ کہ اُس روز جانور قربانی کیا جاتا ہے۔ رعایت لفظی ایسی چسپاں ہو۔ تو لطف صنعت ہے۔ اب اس مصرع کی شان دیکھئے "اک عید صدقے دُوسری قربان ہوگئی"+

۱۹۔ علی ابن ابراہیم تنوخی کی مدح میں متنبی کا شعر ہے۔ ؎

كَاَنَّ الْهَامَ فِى الْهَيْجَا عُيُوْنٌ وَقَدْ طُبِعَتْ سُيُوفُكَ مِنْ رُقَادِ

گویا دشمنوں کے سر رزم گاہ میں آنکھوں کی طرح ہیں۔ اُن میں تیری تلواریں نیند کی مانند داخل ہوتی ہیں۔ دُوسرے مقام پر متنبی کہتا ہے۔ ؎

كَاَنَّ عَلَى الْجَمَاجِمِ مِنْهُ نَارًا وَاَيْدِى الْقَوْمِ اَجْنِحَةُ الْفَرَاشِ

دشمنوں کے سروں پر اُس کی تلوار گویا آگ ہے۔ اور دشمنوں کے ہاتھ پر پروانہ کی طرح کٹ کٹ کر اُس پر گر رہے ہیں+

مرزا مرحوم شمشیر حسینی کی مدح میں سیف زبانی فرماتے ہیں:۔ (۱)

چلّے کو دو کیا تو کماں سے لپٹ گئی کیا جانے دل میں جاکے کہاں سے لپٹ گئی

چسپیدگی تیغ سے۔ دل عذر کیا کرے
ناخن سے کوئی گوشت کو کیونکر جدا کرے

(۲) ایک پہلوان کی لڑائی میں جب امام حسینؑ نے ضرب لگائی کہتے ہیں۔

ماتھے پہ لگی تیغ جناب شہِ عادل مضمون کی طرح خط جبیں میں ہوئی داخل

(۳) تیسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

جو تیغ کی آتش پہ گرا پھر وہ کہاں تھا گرنے میں تو اسپند تھا اُٹھنے میں دُھواں تھا

۲۰۔ محمد بن بشار تمیمی کے رفیقوں کی مدح میں متنبی کا شعر ہے ؎

ثِقَالٍ اِذَا لَاقُوْا۔ خِفَافٍ اِذَا دُعُوْا كَثِيْرٍ اِذَا شَدُّوْا۔ قَلِيْلٍ اِذَا عُدُّوْا

جب وہ دشمنوں سے مقابلہ آرا ہوتے ہیں۔ تو ثقیل ہیں (کہ سخت حملہ کرتے ہیں) جب اٹھائی

تلوار کی تعریف

ہم معنی شعر متنبی و اصحاب

کے لئے بُلائے جاتے ہیں۔ تو سُبک ہیں۔ کہ فوراً آجاتے ہیں۔ جب وہ بشدّت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔ تو بہت معلوم ہوتے ہیں۔ اور گنتی کرو۔ تو تھوڑے سے ہیں +

مرزا مرحوم امام حسینؑ کے جاں نثار شیر دل ہمراہیوں کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

ہمت میں ایک۔ لاکھ جواں سے زیاد تھا
کم اُن کے آگے لشکر ابن زیاد تھا

۲۱ متنبّی اپنے ممدوح کی آمد کی ہیبت و جلال کو یوں سراہتا ہے۔ ؎

وَتُلْقِي وَمَا تَدْرِي الْبَنَانُ سِلَاحَهَا
لِكَثْرَةِ إِيمَاءٍ إِلَيْهِ إِذَا يَبْدُو

جب وہ برآمد ہوتا ہے۔ تو لوگ اُس کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے (اُنگلیوں) ہاتھوں سے ہتیار گر پڑتے ہیں۔ اور محویت میں اُن کو خبر نہیں ہوتی +

۱۔ مرزا مرحوم شاہزادہ علی اکبر شبیہ پیغمبرؐ کی برآمدگی و آمد میدان جنگ کے موقع پر کہتے ہیں ؎

نور نظر شاہ جو گھر سے نکل آیا
حیران ہیں سب چاند کدھر سے نکل آیا

۲۔ جب جناب حُرّ دلاور میدان رزم میں جہاد کو آئے ہیں۔ اُس وقت کہتے ہیں۔ کہ لشکریان یزید کی یہ کیفیت ہوئی۔ ؎

میداں سے پاؤں اُٹھ گئے اور خود گر گئے
مارا طمانچہ خوف نے مُنہ سب کے پھر گئے

۳۔ تیسرے موقع پر فوج مخالف کی گھبراہٹ یوں بیان کرتے ہیں ؎

گھبرا کے تاسّف جو عدو کرتے تھے رن میں
انگشت کی جا تیغ کو رکھتے تھے دہن میں

۲۲ متنبّی کافور والئے مصر کی مدح میں مضمون خیالی کا دریا بہاتا ہے۔ ؎

كَيْفَ لَا يُتْرَكُ الطَّرِيقُ لِسَيْلٍ
ضَيِّقٍ عَنْ أَتِيِّهِ كُلُّ وَادِ

اُس سیل کے واسطے کیونکر راہ نہ چھوڑی جائے۔ جس کی کثرت آمد آب سے ہر نالہ اور کھال تنگ ہو۔ کہ وہ سیل نالوں میں نہ سما سکے +

مرزا مرحوم اُس موقع پر کہ جب حضرت عباسؑ نے دشمنوں کو للکار کر گھوڑے کی باگ اُٹھائی ہے۔ اور حملہ کر کے دریا پر جانا چاہا ہے۔ کہتے ہیں (حضرت عباسؑ کی زبانی)۔ ؎

برآمدگی ممدوح و جلال

دریا کی طرح اپنی طبیعت نہیں رُکتی
جاری ہوئی جب حق کی مشیت نہیں رکتی

۲۳۔ سیف الدولہ کے مدحیہ قصیدے میں متنبی شاعرانہ خودستائی کرتا ہے ؎

وَلِی فِیکَ مَالَمْ یَقُلْ قَائِلٌ
وَمَالَمْ یَسِرْ قَمَرٌ حَیْثُ سَارَا

جیسے قصیدے میں نے تیری مدح میں کہے۔ کسی نے نہیں کہے۔ اور خوبی میں جہاں وہ پہنچ گئے۔ وہاں چاند بھی نہیں پہنچا +

مرزا مرحوم تفاخر شاعرانہ فرماتے ہیں ؎

ہم فن مرے ثنا کی جو نہ ہوں رُوئے زمیں پر
پہنچادوں سخن کو میں ابھی عرش بریں پر

۲۴۔ متنبی سیف الدولہ کی مدح میں کہتا ہے ؎

اَلصَّوْمُ وَالْفِطْرُ وَالْاَعْیَادُ وَالْعُصُرُ
مُنِیْرَۃٌ بِکَ حَتّٰی الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

روزہ۔ فطر۔ عیدین اور زمانے یہاں تک کہ چاند سورج بھی تجھ سے روشن ہیں +

مرزا مرحوم ہمشکل پیغمبر شاہزادہ علی اکبرؑ کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

ایمن میں طور۔ طور میں یہ برق طور ہیں
گردن میں سر ہیں۔ سر میں یہ عقل و شعور ہیں
سینے میں دل ہیں۔ دل میں نشاط و سرور ہیں
چہرے میں آنکھ۔ آنکھ میں تل۔ تل میں نور ہیں
گلشن میں پھول پھول میں بو۔ بو میں عطر ہیں
روزوں میں عید۔ عیدوں میں یہ عید فطر ہیں

اللہ اللہ کس قدر مضامین کی بہتات ہے۔ جدھر آتے ہیں۔ دریا بہا جاتے ہیں۔ کیا بحر ذخار طبیعت پائی ہے۔ ناظرین!! خیر ایک بند اور بھی سن لیجئے۔ جس مرثیے کے یہ بند ہیں۔ وہ نہ ابتک عام طور پر تقسیم ہوا ہے نہ چھپا ہے۔ جس کا مطلع مشہور یہ ہے

غ کس کے گل حدوث میں خوشبو قدم کی ہے ؎

سینہ کو دل۔ دلوں کو سرور ان کا چاہئے
ایمن کو طور۔ طور کو نور ان کا چاہیئے
جلوہ کلیم کو سر طور ان کا چاہئے
سب کو خدا۔ خدا کو ظہور ان کا چاہیئے

برحق نمونۂ جبروتِ خدا یہ ہیں

بندے ہیں۔ پر دلیلِ ثبوتِ خدا یہ ہیں۔

۲۵۔ متنبّی کا یہ شعر بہت بلیغ ہے۔ چہرہ کی زردی اور اُس کے ساتھ اُس پر قطرہائے اشک کا انقاطر اور ان دونوں باتوں کی تشبیہ تامّہ ملاحظہ ہو:-

فکانّہا والدمعُ یقطرُ فوقہا ذہبٌ بسمطی لؤلؤٍ قد رصّعا

اُس کے چہرۂ زرد (سنہری) پر جو متواتر آنسو ٹپکتے تھے وہ موتی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ موتیوں کی لڑی سونے میں جڑی ہوئی ہے +

سبحان اللہ کس قدر دلچسپ و خوشنما تشبیہ ہے +

مرزا مرحوم جناب عباسؑ کے اُس رُخِ انور کی مدح فرماتے ہیں۔ جس پر پسینہ (گرمی سے) آرہا ہے۔ برابر پسینہ کے قطرے گر رہے ہیں۔ یہ مضمون تشبیہ بھی کس قدر بلیغ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:-

مُنہ غرق غرق دیکھ کے خورشید ہُوا تر ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جوہر

آنکھوں کا عرق روغنِ بادام سے بہتر عارض کا پسینہ ہے گلابِ گُلِ احمر

قطرے رُخِ گل رنگ پہ ڈھلتے ہُوئے دیکھو

عطرِ گلِ خورشید نکلتے ہُوئے دیکھو

اس بند میں فرماتے ہیں۔ کہ چہرہ ممدوح پر جو پسینہ آرہا ہے۔ تو اُس سے خورشید زلیخی شرمندہ و عرق عرق ہے۔ اور ابرو (جو ہمشکل شمشیر ہے) سے گویا تیغ کا جوہر ٹپک رہا ہے۔ آنکھوں سے جو پسینہ بہ کر آتا ہے۔ وہ روغن بادام سے بہتر ہے۔ شعرا آنکھ کو بادام سے تشبیہ دیتے آئے ہیں۔ یہاں روغن بادام عرق چشم کو فرمایا۔ بات میں سے بات نکالی۔ پھر فرماتے ہیں۔ عارض کا پسینہ گویا گلاب ہے۔ اور گلاب گل سرخ کا کھنچا ہُوا ہے۔ قطرے روے گل رنگ (سرخ) پر ڈھل رہے ہیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ

گل خورشید سے عطر نکل رہا ہے متنبی کے یہاں زرد چہرے پر سفید آنسوؤں کے تقاطر کا ذکور تھا۔ یہاں چہرۂ گل رنگ پر پسینہ کا بیان ہے +

فصل ۲ عبرت عالم

۲۶۔ متنبی عبرت عالم کے باب میں کہتا ہے۔ ؎

أَيْنَ الأَكاسِرَةُ الجَبابِرَةُ الأُلى ۔۔۔ كَنَزُوا الكُنُوزَ فَما بَقِينَ وَلا بَقُوا

کہاں ہیں وہ زبردست بادشاہ جنہوں نے خزانے گاڑے تھے۔ نہ وہ خزانے رہے نہ وہ خود رہے۔ ؎ وَتَوَلَّوا بِغُصَّةٍ كُلُّهُمْ مِنْهُ وَإِنْ سَرَّ بَعْضَهُمْ أَحْيانا ۔ سب نے زمانے سے ناراضی کی حالت میں پشت پھیری۔ اگرچہ کبھی کبھی کسی کو زمانے نے خوش بھی کر دیا (مگر وہ خوشی ناقابل اعتبار ہے۔ زمانے کا مآل و انجام ملال ہے) +

مرزا مرحوم عبرت عالم میں فرماتے ہیں:۔

غور کر

عبرت ہے روز و شب کی دورنگی پہ کر نظر ۔۔۔ اس دوش پر جنازہ ہے اُس دوش پر پسر

دولھا جوان پسر کو بناتا ہے اک پدر ۔۔۔ مرنے پہ نوجواں کے کوئی پیٹتا ہے سر

دنیا کی جو ہوس ہے وہ فانی ہے خاک ہے

عقبےٰ کی فکر کر کہ وہ باقی ہے پاک ہے

جز حیف کیا جہان سے سلیماںؑ لیگئے ۔۔۔ یوسفؑ بھی زیر خاک سب ارمان لیگئے

شاہانِ دہر کون سا ساماں لے گئے ۔۔۔ سب کچھ وہ لیگئے کہ جو ایمان لیگئے

کن غافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا

کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا

بہادروں کا رعب

۲۷۔ متنبی کہتا ہے ؎ لَعَنُوا الرُّعْبَ فِي قُلُوبِ الأَعادِي ۔ فَكَأَنَّ الْقِتالَ قَبْلَ التَّلاقِي ۔ اُن بہادروں نے لڑائی لڑنے سے پہلے ہی اپنا رعب دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ مقابلہ ہوا نہیں۔ اور لڑائی ہو گئی۔ مطلب یہ ہے۔ کہ وہ رعب و دہشت سے ایسے مبہوت ہو گئے۔ کہ

لڑ بھی نہ سکے +

مرزا مرحوم شجاع ازلی حسینؑ ابن علیؑ کی رعب و ہیبت کی یوں تصویر کھینچتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے پہلوان امام دلیر و شجاع ازلی کو دیکھ کر اپنے مقام سے کچھ بڑھے تو۔ مگر رعب و ہیبت حضور کے سبب سے پاس آنے کا یارا نہ تھا۔ ؎

رطب اللساں رجز میں ابھی تھے امام پاک | جو رستمان شام بڑھے ہو کے خشمناک
مشتاق کشتیوں میں ملے بازوؤں پہ خاک | مرد دلوں میں جنکی سا کھ دلیروں میں جنکی دھاک

پر قرب ذوالجناح نہ جرأت کا جوش تھا
پہلے سموں سے اس نے جو روندا وہ ہوش تھا

اللہ اللہ کیا بات فرمائی۔ کہ گھوڑے نے سب سے پہلے دشمنوں کے ہوش کو روند ڈالا۔ اب کیا کسی کو جرأت و ہمت آگے بڑھنے کی ہو سکتی تھی؟

۲۸ متنبی نے گھوڑوں کی تعریف میں کہا ہے۔ ؎ خافیات

الالوان قد نسج النقع علیھا براقعا وجلالا۔ وہ گھوڑے دشمنوں کو ایسے حال میں آ کر مار لیتے ہیں۔ کہ کثرت غبار کے سبب سے اُن کے رنگ پوشیدہ ہوتے ہیں۔ خبر نہیں پڑتی کہ نقرہ ہیں یا مشکی یا سبزہ وغیرہ وغیرہ +

متنبی نے تو غبار کی وجہ سے گھوڑے کے رنگ نہ ظاہر ہونے کا خیال باندھا ہے۔ مگر اب مرزا مرحوم کی نازک خیالی (مضمون) کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

اسپ امام حسینؑ کی مدح میں فرماتے ہیں:۔

طے کرتا ہے اک دم میں یہ دُنیا کی حدیں سب | کیسی وہ حدیں آپ سے باہر ہے یہ مرکب
خالی ہے رکابوں کی طرح چلنے میں قالب | نقرہ ہے نہ سبزہ ہے نہ ابلق ہے نہ اشہب

نام اس کا تصور میں گذرتا نہیں کوئی
شوخی کے سبب رنگ ٹھہرتا نہیں کوئی

مدح اسپ
در مثال اسپ

شوخی گھوڑے میں اس قدر ہے۔ کہ رنگ بھی نہیں ٹھیرتا۔ اللہ اللہ کیسی نازک خیالی ہے۔ اور کس قدر مضمون عالی ہے۔ ذرا لفظ شوخی کو دیکھئے۔ رنگ کے لئے کس قدر مناسب ہے۔ اس رنگ میں ایک بند اور بھی لکھ دوں :-

پرواز میں شہباز تجلّی جو ہے بے باک ... چال آنکھوں کے ہر دم نے بچھائے ہیں تہِ خاک
توسن ہے وہ چالاک کہ سکتے میں ہیں افلاک ... مہندی سے ابھی لال بھبوکا تھے سُم پاک

جولاں جو ہوا ایک صبا رہ گیا پیچھے
بڑھتے ہی قدم رنگ حنا رہ گیا پیچھے

گھوڑے کے سموں میں حنا لگانے کا ایشیائی ملکوں میں دستور ہے۔ مصنّف فرماتے ہیں۔ کہ ابھی تو سم لال بھبوکا ہو رہے تھے۔ ابھی رنگ ندارد ہو گیا۔ وجہ اسکی سرعت اسپ ہے۔ کہ اس تیزی سے جاتا ہے۔ کہ رنگ حنا بھی نظر نہیں آتا۔ وہ بھی سرعت فرس کے سبب سے پیچھے رہ گیا۔ واقعی جب بہت تیز گھوڑا دوڑیگا۔ تو رنگ کب نظر آئیگا۔ معمولی بات ہے۔ مگر ہر ایک شاعر کو نہیں سُوجھتی۔ اگر اردو شعرا کے الفاظ مستعملہ جدیدہ کی فرہنگ (مغربی ملکوں کی طرح) طیّار کی جائے۔ تو غالباً الفاظ "لال بھبوکا" بھی مرثیوں میں پہلے پہل مرزا مرحوم کا نظم کرنا ثابت ہوگا +

تیز دستی

۲۹- متنبّی نیزہ کی صفائی اور تیز دستی ممدوح کو سراہتا ہے۔ ؎

وَكَمْ عَيْنِ قِرْنٍ حَدَّقَتْ لِنِزَالِهِ ... فَلَمْ تُغْضِ إِلَّا السِّنَانُ لَهَا كُحْلُ

اُس کے ہمسروں کی آنکھوں نے لڑائی میں اُس کی طرف گھور کر دیکھا۔ مگر پلک جھپکنے سے پہلے ہی نیزۂ ممدوح کی آنی سرمہ کی سلائی بن کر اُن کی آنکھوں میں در آئی +

مرزا مرحوم شاہزادہ علی اکبرؑ کے نیزے کی صفائی و تیز دستی بیان کرتے ہیں :-

گر برچھیوں والوں نے ذرا آنکھ نکالی ... پہنچا وہیں نیزہ لئے ابن شہ عالی
بالکل ورق چشم عدو کر دیا خالی ... پُتلی صفت نقطۂ شک صاف اُٹھالی

چمک

اللہ رے صفا آنکھ نے دیکھی نہ جھلک بھی
پُتلی تو سناں لے گئی جھپکی نہ پلک بھی

سبحان اللہ۔ بندش کی صفائی گویا زبان حال سے گواہی دے رہی ہے۔ کہ اسی عجلت و صفائی سے شاہزادہ ممدوح نے نیزہ بازی فرمائی ہوگی۔ دبیر کے الفاظ خود مضمون کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ جو اِن کے کلام میں بتانے کی احتیاج کم پڑتی ہے +

اہل عرفان کی شان

۳۰۔ متنبی بعض اہل عرفان کی شان میں رطب اللسان ہے۔

هَانَ عَلٰی قَلْبِهِ الزَّمَانُ فَمَا یَبِیْنُ فِیْهِ غَمٌ وَّلَا جَذَلُ

زمانہ اُس کے دل کے سامنے خوار ہے۔ شادی اور غم اُس کی نظر میں بے اعتبار و ناپائدار ہیں۔ وہ نہ غم سے غمگین ہوتا ہے۔ نہ شادی و خوشی سے مسرور +

مرزا مرحوم اہل عرفان کے سرتاج یعنی اصحاب باوفائے امام حسینؑ کی مدح میں عذب البیان ہیں۔

سمجھے ہیں نامرادیٔ دُنیا کو یہ مُراد غم ان کے دل میں شاد ہے۔ دل ان کا غم میں شاد

ناظرین!! ذرا غور سے اس مضمون کی پاکیزگی پر خیال فرمائیے۔ عجب بات کہ گئے ہیں۔ کہ دُنیا کی نامرادی ہی کو انھوں نے مُراد سمجھ لیا ہے۔ ان کا دل تو غم میں شاد رہتا ہے۔ اور غم ان کے دل میں آکر شاد ہوتا ہے متنبّی کے مضمون سے یہ مضمون اُسی قدر اعلے ہے جس قدر مرزا مرحوم کے ممدوح متنبّی کے ممدوح سے بہتر ہیں +

فصل ۸ مقابلۂ شرک و توحید و ایمان و کفر

۳۱۔ متنبّی سیف الدولہ کی مدح میں کہتا ہے۔

وَلَسْتَ مَلِیْکًا هَازِمًا بِالنَّظِیْرِهٖ وَلٰکِنَّکَ التَّوْحِیْدُ لِلشِّرْکِ هَازِمُ

تو نے جو دمستق عیسائی بادشاہ روم کو شکست دی۔ یہ ایک بادشاہ کا دوسرے ہمسر بادشاہ کو شکست دینا نہیں ہے۔ بلکہ تو بمنزلہ توحید ہے۔ جس سے خودبخود شرک بھاگ جاتا ہے + انصاف یہ ہے۔ کہ یہ مضمون متنبی نے اعلے درجہ کا

کہا ہے + مرزا مرحوم نے سیف خدا جناب عباسؑ کی طولانی لڑائی اور بد مقابل پہلوان کی مقابلہ آرائی نظم فرما کر جب اُس کو جناب ممدوح نے فی النار کیا ہے۔ اُس موقع پر نظم فرمایا ہے:-

ایماں نے اُچھل کر کہا وہ کفر کو مارا　　قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدرؑ سے نبیؐ بولے یہ ہے فخر تمہارا　　حیدرؑ نے کہا یہ مری آنکھوں کا ہے تارا
پروانۂ شمع رُخ تاباں ہوئیں زہراؑ
محسنؑ کو لئے گود میں قرباں ہوئیں زہراؑ

بلاغت

ناظرین!! ذرا اس بند کی بلاغت کے نکتوں پر غور فرمائیے۔ (۱) خود ایمان کا یہ کہنا کہ کفر کو مارا۔ (۲) اُچھل کر کہنا۔ کہ خوشی میں قدرتاً آدمی اُچھل پڑتا ہے۔ (۳) "وہ کفر کو مارا" ایسی خوشی کے موقع پر "وہ" بھی ضرور کہتے ہیں۔ یعنی عموماً "وہ مارا" کہتے ہیں۔ (۴) قدرت (نیچر) کا یہ ارشاد کہ یہ سب ہمارا زور ہے۔ حقیقت میں جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے۔ خدا کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ (۵) اب زبان قدرت کے بعد زبان جناب رسالتؐ سے مدح کی۔ کہ اُن جناب نے جناب امیرؑ سے مدح و ثنا ان الفاظ میں فرمائی۔ کہ یہ فرزند تمہارا فخر ہے۔ جیسے تم شجاع تھے ویسا ہی یہ ہے۔ لڑائی میں تم میری مدد کرتے تھے۔ اس نے میرے فرزند حسینؑ کی مدد کی۔ (۶) رسالتؐ کے بعد امامت کی باری آئی۔ جناب امیرؑ نے تعریف کی۔ کہ میری آنکھوں کا تارا ہے۔ (۷) پھر صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہؑ نے اُس محبت کا برتاؤ کیا۔ جو مائیں اپنے بچوں [illegible] کرتی ہیں۔ جناب عباسؑ ہر چند اُن کے حقیقی فرزند نہیں ہیں۔ مگر اُن کے فرزند حسینؑ مظلوم پر جان نثار کر رہے ہیں۔ اس لئے جناب فاطمہؑ قربان ہوئیں۔ جس طرح عورتیں اپنے بچوں پر قربان ہوتی ہیں۔ (۸) پھر محسنؑ (فرزند حقیقی جناب فاطمہؑ) کو گود میں لئے ہوئے قربان ہوئیں گویا جناب عباسؑ کو اس جاں نثاری و کارگذاری کے سبب سے اپنے فرزند (محسن) سے

بھی کچھ بڑھ کر سمجھ رہے ہیں۔ دیکھئے کیا کیا پہلو بلاغت کے نکالے ہیں +

محبت

۳۲ متنبی محبت محبوب کی مدح میں گہر افشاں ہے۔ ؂

اذا اقدمت علی الاھوال شیعنی قلب اذا شئت ان یسلاکم خانا

جب میں خوف (جنگ وغیرہ) کے مقامات کی طرف بڑھتا ہوں۔ اُس وقت تو میرا دل میرے ساتھ رہتا ہے (ٹھکانے رہتا ہے۔ کچھ ہراس نہیں ہوتا)۔ مگر جب میں اُس سے یہ چاہتوں۔ کہ وہ تم سے جدا ہو جائے۔ تو (خیانت کرتا ہے) میرا کہنا نہیں مانتا +

مرزا مرحوم امام حسینؑ کے سچے عاشق جاں نثار جناب حبیبؓ ابن مظاہر اسدی (صحابی رسول خدا صلعم) کی زبانی سچی مدح کی یوں تصویر کھینچتے ہیں (حبیبؓ بڑھاپے میں کوفہ سے بمشکل نکل کر اپنے بچپن کے ساتھ کھیلے ہوئے آقا کی خدمت میں لڑنے اور مرنے کو آئے ہیں۔ امام مظلومؑ اُن کی ضعیفی پر خیال فرما کر فرماتے ہیں۔ کہ تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ حبیبؓ اصرار کر رہے ہیں۔ کہ کبھی نہ جاؤنگا۔ اگر جاؤنگا۔ تو پھر رسول خداؐ کو قیامت میں کیا منہ دکھاؤنگا۔ اُس موقع پر حبیبؓ اپنی محبت اور جوش عقیدت کو گویا ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں) :-

گر اہل جفا قطع کریں ہات ہمارے پروانہ صفت لاش پھرے گرد تمہارے
سر کٹ کے نہ ہو پائے مبارک سے کنارے دل شق ہو تو شبیرؑ ہی شبیرؑ پکارے
گر ہات جدا بندے کے ہوں کٹنے پہ سر کے
دامن سے خداوند کے پیوند ہوں گر کے

ناظرین! اگرچہ متنبی کے مصرع اول کا ہم مضمون کوئی مصرع بند مرزا مرحوم میں نہیں ہے۔ مگر یہ دیکھئے کہ متنبی کے دوسرے مصرع کا ہم خیال جو مضمون مرزا صاحب نے باندھا ہے۔ اُس میں کس قدر لطافت و بلاغت ہے۔ اور کیسی وسعت دی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ مرزا مرحوم نے بالارادہ متنبی کا جواب نہیں لکھا۔ جو سب مضمون ملنا جس قدر

مضمون قریب قریب ہے۔ اُسی پر غور فرمائیے۔ اور لطف اُٹھائیے۔ یہ پھول سخت محنت سے ایک گلدستہ میں بندھے ہیں +

قدمی میں میدان جنگ ثابت

۳۳۔ متنبّی نے اپنے ممدوح کی ثابت قدمی کی مدح میں کہا ہے۔ ؎

وَاَنْتَ الْفَارِسُ الْقَوَّالُ صَبْرًا   وَقَدْ فَنِیَ التَّکَلُّمُ وَالصَّہِیْلُ

جب کہ شدت جنگ کے سبب سے لوگوں کا بولنا اور گھوڑوں کا ہنہنانا بند ہو جائے۔ اور میدان میں بالکل سناٹا چھا جائے۔ اُس وقت سخت میں بھی تو ایک ثابت قدم شہسوار ہے۔ اور دُوسروں کو بھی صبر (ثبات قدم) سکھانیوالا +

مرزا مرحوم جناب حبیبؓ ابن مظاہر صحابی رسول اللہ صلعم کی ضعیفی اور ثابت قدمی یوں (میدان جنگ میں) بیان کرتے ہیں :۔

ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے   ثابت قدمی پاؤں سے رعشے میں عیاں ہے
سر ہلتا ہے پر ہر کف پا رن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لَو شمع کو ثابت قدمی ہے

میدان جنگ میں عظمت ممدوح

۳۴۔ متنبّی میدان جنگ میں اپنے ممدوح کی عظمت بیان کرتا ہے۔ ؎

یَحِیْدُ الرُّمْحُ عَنْکَ وَفِیْہِ قَصْدٌ   وَیَقْصُرُ اَنْ یَّنَالَ وَفِیْہِ طُوْلُ

نیزہ باوصفیکہ مستقیم ہے۔ مگر تیری عظمت وہیبت وشرف کی وجہ سے تیری طرف لوٹ پڑتا ہے۔ اور اتنا طویل ہونے پر بھی تجھ تک پہنچنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ بہادر تو بہادر۔ اُن کے ہتیار بھی تیرا ادب کرتے ہیں یا ڈرتے ہیں +

مرزا مرحوم شمشیر حسینیؑ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ (اُوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ امامؑ کو خدا کی طرف سے الہام ہوا۔ کہ جہاد کرو) ۔ ؎

واں تو یہ وحی جنگ بڑھی آسماں سے   یاں تیغ پیشوائی کو نکلی میاں سے
نعمت پہ جیسے شکر الٰہی زباں سے   حضرت کے دست بوس ہوئی لاکھ شاں سے

سایہ بڑھا ہوا۔ یہ ادب سے رُکی ہوئی
سب سے کھچی ہوئی۔ سوئے مولا جھکی ہوئی

ناظرین باتمکین!! ذرا اس بند (مذکورہ) پر خیال فرمائیے۔ اُدھر دل میں جہاد کا الہام ہوا۔ اِدھر اُس کی پیشوائی کو تلوار میان سے نکلی۔ اس کی بالکل نئی تشبیہ دیکھئے۔ یہ تلوار کوئی معمولی آدمی کی تلوار نہیں ہے۔ امام عصرؑ (نائب رسولؐ) کی تلوار ہے۔ اُس کے لئے معمولی تشبیہ بھی خلاف شان ہوگی۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ یوں بے ساختہ فوراً نکلی۔ جیسے خاصان خدا کی زبان سے نعمت ملنے پر شکر کے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ (۲) تلوار کے ہاتھ میں آنے کو دست بوس امام ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ کہ مذہبی پیشوا (امام عصرؑ) کے ہاتھ چومنے کا دستور ہے۔ (۳) پھر فرماتے ہیں۔ سایہ بڑھا ہوا۔ (ظاہر ہے۔ کہ قریب عصر امام حسینؑ کے جہاد کی نوبت پہنچی تھی۔ تیسرے پہر کو سایہ آپ سے آپ بڑھ جاتا ہے) اور خود تلوار ادب سے رُکی ہوئی تھی۔ (۴) سب سے کھچی ہوئی۔ اس میں خوبی زبان ہے۔ تلوار جب میان سے کھچی تو کھچی ہوئی تو اُس کو کہینگے۔ مگر یہاں کھچی ہوئی کے دُوسرے معنی ہیں کشیدہ کے جس طرح فارسی میں دو معنی ہیں۔ اسی طرح کھچی ہوئی بھی (اردو میں) ذو معنین ہے۔ ایک تو وہی جو میں اُوپر بیان کر چکا (میان سے کھچی ہوئی یا سر میداں کھچی ہوئی)۔ دُوسرے سب سے آزردہ اور خفا۔ کیونکہ اُمتی اپنے نبی کے نواسے کو قتل کر رہے ہیں۔ اس لئے سبھوں سے یہ تلوار ناراض ہے۔ (۵) (پھر کہتے ہیں) مگر حضرت امام حسینؑ کی طرف فرط ادب سے جھکی ہوئی تھی۔ تلوار جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اُس کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے۔ سبحان اللہ کس قدر بلیغ کلام ہے*

ہیبت و دبدبہ

۳۵ متنبی اپنے ممدوح کی ہیبت و رعب کی مدح و ثنا کرتا ہے۔

اَتَاکَ یَکَادُ الرَّاْسُ یَجْحَدُ عُنُقَہٗ ۔۔۔ وَتَنْقَدُّ تَحْتَ الذُّعْرِ مِنْہُ الْمَفَاصِلُ

تیرے پاس (دُوسرے بادشاہ کا) ایلچی ایسے حال میں آیا کہ قریب تھا کہ اُس کا سر اُس کی

گردن سے انکار کرے۔ (مطلب یہ ہے۔ کہ تیری ہیبت اور رعب سے سفیر ایسا سہما جاتا تھا۔ کہ گویا وہ دل میں سمجھتا تھا۔ کہ اب سر گردن سے جدا ہوتا ہے)۔ اور ڈر کے مارے تمام جوڑ بند اُس کے چکنا چور ہوئے جاتے تھے +

مرزا مرحوم ایک پہلوان کی لڑائی میں جو شجع عالم امام حسینؑ سے لڑنے کو میدان جنگ میں آیا ہے۔ یوں بیان فرماتے ہیں۔ (اُس پر جو ہیبت امام حسینؑ نے لڑائی میں اثر کیا ہے۔ اُس اضطراب کی مختصر تصویر ہے):۔

سہما یہ ترکش اُس کا کہ سب تیر گر پڑے	کانپا یہ پھل کہ جوہر شمشیر گر پڑے

حقیقت میں جب مقابل کی ہیبت دل پر چھا گئی۔ تو اُدھر ترکش سے تیر گر پڑے اِدھر تلوار بیکار ہو گئی۔ گویا تلوار کے جوہر گر پڑے۔ اب وہ کیا حملہ کر سکے +

۳۶۔ متنبی کا شعر ہے ؎ مَا لِمَنْ یَنْصِبُ الْحَبَائِلَ فِی الْاَرْضِ وَمَرْجَاہُ اَنْ یَصِیْدَ الْہِلَالَا ۔ اُس شخص کو کیا فائدہ ہوگا۔ جو زمین پر اس امید سے جال بچھائے۔ کہ چاند کو پھانس لے۔ بھلا چاند جال میں کب پھنس سکتا ہے۔ یہ شعر سیف الدولہ کی شان میں (متنبی نے) اُس زمانے میں کہا تھا۔ کہ جب سیف الدولہ اور روم کے عیسائی بادشاہ میں لڑائی ہو رہی تھی ممکن ہے۔ کہ اُس بادشاہ نے سیف الدولہ کی گرفتاری کی تدبیر کی ہو۔ اور ناکام رہا ہو۔ اُسی کی طرف متنبی اشارہ کرتا ہے۔ کہ تو بمنزلہ ہلال کے ہے۔ تجھے دشمن کب اسیر کر سکتا ہے + دبیر اُس موقع پر کہ "جب آمد امام حسینؑ سے فوج مخالف میں ہل چل پڑی ہوئی ہے" کہتے ہیں:۔

ناگاہ یہ بولا پسر سعد کہ یارو	جاں باز ہو تو بازی ہمت کو نہ ہارو
ہاں شمر کو آواز دو۔ خولی کو پکارو	سب مل کے کسی حیلے کا اب جال سنوارو

وہ بولے کہ خود پھندے میں پڑ جائیگا ظالم
یہ نورِ خدا۔ جال میں کب آئے گا ظالم

یہ طائرِ رنگ چمنِ آلِ عبا ہے ۔ کب جال میں ٹھہریگا یہ دریائے سخا ہے
یہ ظلِ خدا۔ ظلِ خدا ظلِ خدا ہے ۔ یہ نکہتِ عطرِ گلِ تسلیم و رضا ہے
کیونکر یہ فریبِ سپہِ شام میں آئے
اندام نہیں سائے کے جو دام میں آئے

دنیا و دین

۳۷ متنبی اپنے ممدوح کی شان میں کہتا ہے۔ ؎ قَابِضًا کَفَّہُ الْیَمِیْنَ وَلَوْشَاءَ حَازَھَا بِالشِّمَالِ۔ وہ دُنیا کو اپنی دہنی مُٹھی میں لئے ہوئے ہے۔ اور اگر چاہے۔ تو بائیں میں لے لے۔ (دُنیا بالکل اُس کے قبضہ میں ہے)۔ دُوسرے مقام پر کہتا ہے۔ ؎ یَارَاحِلًا کُلَّ مَنْ یُوَدِّعُہٗ مُوَدِّعٌ دِیْنَہٗ وَدُنْیَاہُ۔ اے سفر کرنے والے جو کوئی تجھ کو رخصت کرتا ہے۔ وہ گویا اپنی تمام دین و دُنیا کو رخصت کرتا ہے۔ (مطلب یہ ہے۔ کہ تو گویا تمام دین و دُنیا ہے) متنبی کا ممدوح ایک معمولی دُنیا دار دولت مند ہے۔ اس لئے یہ شاعرانہ مبالغہ ہے۔ جو ممدوح کی دولت و عظمت کے مٹنے کے ساتھ گویا مٹ گیا۔ اب ایسا بدنما (بعض طبیعتوں کو) معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے تلنے کے برتن پر سے خوش نما قلعی اُڑ جانے کے بعد وہ برتن رہ جاتا ہے۔ دبیر کے ممدوح ایسے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بزرگانِ دین میں سے ایک معزز امام زادے بھی ہیں اور شہید راہِ خدا بھی ہیں۔ اس لئے وہ بھی زندہ ہیں۔ اُن کا ذکر مدح و ثنا بھی زندہ ہے۔ چنانچہ مرزا مرحوم جناب ابوالفضل افضل الشہداء

نوٹ: ناظرین!! دیکھئے۔ کن کن چیزوں سے استعارہ فرمایا ہے۔ دریا۔ طائرِ رنگ نکہت عطر رضا ظلِ خدا۔ ان میں سے کوئی چیز جال میں نہیں پھنس سکتی ظلِ اللہ اگرچہ دنیا کے بادشاہوں کو بھی دنیا دار کہتے ہیں مگر حقیقی ظلِ اللہ پیشوایانِ دین ہیں پس امام حسینؑ کو ظلِ اللہ کہنا ایک پاکیزہ اور سچا استعارہ ہے مضمون کے ساتھ لفظوں کی لطافت و فصاحت کو دیکھئے۔ کہ اندام اور دام میں جو مناسبت ہے لفظ آخر الذکر اول الذکر کا ایک جزو معلوم ہوتا ہے۔ یہ صنعت شبہ اشتقاق ہے۔ جو دل کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔ جو بزرگوار ایک سرے سے تمام صنعتوں کو تکلف یا تکلیف سمجھتے ہیں ان سے پوچھئے کہ اندام و دام کی جگہ کوئی دُوسرا لفظ لانے سے کیا یہ لطفِ زبان حاصل ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں ہرگز نہیں ہو سکتا ۱۲ مؤلف بے بضاعت ثابت۔

عبّاسؑ علمدار کی شان میں کہتے ہیں۔ (یہ ملحوظِ خاطر رہے۔ کہ جناب عبّاسؑ کے دونو شانے جہاد میں جدا ہوئے ہیں* اُس کے بعد بھی وہ جناب برابر جہاد فرمایا کئے۔ اور دونوں رکابوں سے برابر دشمنوں کو ٹھکراتے رہے۔ اور مشک پانی کی بھری ہوئی گود میں تھی۔ تسمہ مشک کو دانتوں سے مضبوط تھام رکھا تھا۔ ایسے شجاع خدا کی خدائی میں بہت کم گذرے ہیں) ۔ ؎

گردوں ہے بلا گرد قدم بوس زمیں ہے
اک ہات میں دُنیا ہے اور اک ہات میں دیں ہے

دُوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

دُنیا ہے دنی ان کا نشاں کفِ پا ہے
لیکن وہ نشاں ہے جو کفِ پا سے جُدا ہے
عقبےٰ کی جو تعریف سُنا کرتے ہو کیا ہے
وہ اک رہِ باریک ہے یہ راہ نُما ہے

لو سُن لو۔ خلاصہ کہ یہ وہ خاصۂ حق ہے
بے اس کی گواہی کے نہ باطل ہے نہ حق ہے

۳۸۔ متنبّی اپنے ایک شعر میں لباس و حسن کی یوں مدح کرتا ہے۔ ؎

لَبِسْنَ الْوَشْیَ لَا مُتَجَمِّلَاتٍ
وَلٰکِنْ کَیْ یَصُنَّ بِہِ الْجَمَالَا

اُن حسین عورتوں نے ابریشمی منقش جامے زینت کے واسطے نہیں پہنے۔ بلکہ حسن و جمال چھپانے کو پہنے ہیں ÷ دُوسرے موقع پر کہتا ہے۔ ؎

اَمَّا الثِّیَابُ فَتَعْرٰی مِنْ مَحَاسِنِہٖ
اِذَا نَضَاھَا وَیُکْسٰی الْحُسْنَ عُرْیَانَا

جب وہ اپنے جسم سے لباس اُتار دیتا ہے۔ تو لباس کی خوبیاں جاتی رہتی ہیں۔ کیونکہ اُس کے بدن سے لباس کو شرف و حسن تھا۔ اور جب وہ برہنہ ہوتا ہے۔ تو (قدرتی) حسن کے لباس میں ہوتا ہے ÷

مرزا مرحوم اُس موقع پر کہتے ہیں جب جناب زینبؑ خاتون نے اپنے بیٹوں کو سلباس

*۔ ان ہاتھوں کا کیا کہنا جو راہِ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔ جو کچھ ان کی مدح میں مبالغہ کیا جائے۔ کم ہے ÷ ۱۲ بے بضاعت ثابت۔

حسن

آخری پہنایا ہے۔ کہ اب وہ لڑنے اور مرنے کو جاتے ہیں۔ ؎

پہنایا جامہ زیبوں کو اپنے لباس جنگ　　پوشاک یوں بدن پہ کھلے جیسے گل پہ رنگ

۳۹ متنبی کا شعر ہے ؎ ولما التقینا والنوی ورقیبنا۔ غفولان عنا ظلت ابکی وتبسم۔ فلم ار ای بدر ضاحکاً قبل وجہھا ولم تر ای قبلی میتاً یتکلم۔ جب میں اور میری معشوقہ ملی۔ تو فراق و رقیب دونوں بے خبر ہو رہے تھے۔ میں تو رو رہا تھا۔ اور وہ ہنس رہی تھی۔ میں نے تو ماہ تمام کو چہرہ معشوقہ سے پہلے ہنستے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ اور اس نے مجھ سے پہلے کسی مردے کو باتیں کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا+

دبیر مرحوم اس موقع پر کہتے ہیں۔ جب مادر علی اکبرؑ لاشہ علی اکبرؑ کو دیکھ کر بین کر رہی ہیں:۔

یوں مردے کے ماتھے کو چمکتے نہیں دیکھا　　پھولوں کو خزاں ہو کے مہکتے نہیں دیکھا

باقی مصرع حسب ذیل ہیں

اس حسن سے منکے کو ڈھلکتے نہیں دیکھا　　یوں زلفوں کو بل کھا کے لٹکتے نہیں دیکھا

تھا زیست میں کیا حسن جو اس آن نہیں ہے

رو کر کہا زینبؑ نے فقط جان نہیں ہے

۴۰ متنبی کا شعر ہے ؎ هون علی بصر ما شق منظره۔ فانما یقظات العین کالحلم۔ تو اپنی بصارت پر آسان کرلے جو دیکھنا اس کو ناگوار ہو۔ کیونکہ آنکھ کی بیداریاں خواب کی طرح ہیں+

مرزا مرحوم کہتے ہیں۔ (رباعی):۔

آج آئے ہیں۔ کل کوچ کی طیاری ہے　　غفلت میں کٹی عمر یہ ہشیاری ہے

دنیا ہے عجب مقام حیرت۔ نہ کھلا　　یہ عالم خواب ہے۔ کہ بیداری ہے

اسے متنبی کا شعر ہے۔ ؎ مَا زِلْتَ تَضْرِبُهُمْ دِرَاكاً فِي الذُّرَى ۔
ضَرْباً كَأَنَّ السَّيْفَ فِيهِ اثْنَانِ ۔ تو اُن کے اُوپر کے حصۂ جسم میں پے در پے تلواریں
مارتا رہا۔ گویا ہر بار اُن پر دو تلواریں پڑتی تھیں۔ سیف الدولہ کی مدح میں یہ قصیدہ ہے
مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک تو تیری تلوار سیف تھی۔ دُوسرے تو خود (اسم بامسمّٰی) سیف
تھا پس ہر ضرب پر گویا دوسری تلوار پڑتی تھی +

مرزا مرحوم ضعیف العمر بہادر صحابی حبیبؓ ابن مظاہر اسدی کی جنگ میں کہتے ہیں ؎

تھا ضرب کے عالم میں عجب حسن کا عالم — اک سمت خم تیغ کا وہ بل وہ خم و چم
اور ایک طرف آپ کا وہ پیکر پر خم — ہر مُوئے بدن جوہر شمشیر کا ہمدم
جس صف پہ جُھکے ساتھ چلی تیغ ولی کی
غُل تھا کہ یہ شمشیر دو پیکر ہے علیؑ کی

ناظرین!! اس موقع کا ایک بند اور بھی سُن لیجیے:-

طیار کس آہن سے یہ شمشیر ہوئی تھی — اعجاز نما۔ اُلفت شبیرؑ ہوئی تھی
کیا جنگ میں سیدھی کمر پیر ہوئی تھی — اللہ کی قدرت سے کماں تیر ہوئی تھی
اس طنطنے سے پیروں کو تنتے نہیں دیکھا
نیزہ کسی تلوار کو بنتے نہیں دیکھا

باب سیزدہم کلام بعض شعرائے ایران و کلام مرزا دبیر مرحوم

فردوسی طوسی رح کے بعض مقامات سے بعض مقامات مرزا مرحوم کا مقابلہ کر کے میں دکھانا
چاہتا ہوں۔ کہ یہ اُردو کا فردوسی کس پایہ کا شاعر ہے +

(۱) فردوسی کا بڑا کمال یہ ہے۔ کہ وہ واقعہ کو اس طرز سے بیان کرتے ہیں۔ کہ
اکثر آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ اور جزئیات کو خوب ادا فرماتے ہیں۔

مثلاً جب سہراب نے کیکاؤس کے خیمے کی میخیں اپنے نیزے سے اُکھاڑ کر پھینکی ہیں۔
فردوسی نے اُس کی تصویر (شاہنامہ میں) یوں کھینچی ہے۔

ازاں پس بجنبید از جائے خویش — بہ نزدیک پردہ سرا رفت پیش
خم آورد پشت و سنان (طویل) ستیخ — بزد و تُند و برکند ہفتاد میخ
سراپردہ یک بہرہ آمد زپائے — زہر سو بر آمد دم کرّہ نائے

اس واقعہ میں حسب ذیل جزئیات بیان کئے ہیں۔ (۱) سہراب (جوش میں) اپنی بگ سے کود کر پردہ سرا کے پاس آیا۔ (۲) اپنی پیٹھ جھکائی۔ اور پیٹھ کے ساتھ ہی لانبا برچھا خم کیا۔ (۳) اور زور سے مارا۔ (۴) ستّر میخیں اُکھاڑ لیں۔ (۵) وہ خیمہ یکایک ایک طرف سے گرا۔ (۶) باجے بجنے لگے۔ فردوسی نے کمال یہ کیا ہے۔ کہ ایسے مختصر لفظوں میں (نظم میں) تصویر کھینچدی۔ جو دُوسرا شخص شاید نثر میں بھی اس خوبی و اختصار سے نہ بیان کر سکے۔ اب مرزا مرحوم کو دیکھئے۔ وہ کس قدر مختصر لفظوں میں جزئیات واقعہ بیان کر کے تصویر کھینچتے ہیں:۔

(الف) دو پہلوان شاہزادہ علی اکبرؑ کے مقابلہ کو میدان جنگ میں آئے ہیں۔ اور جب وہ اپنے وار کر چکے۔ تو اب جناب علی اکبرؑ کی باری آئی۔

گھوڑے کی عناں باندھ لی اکبرؑ نے کمر سے — زانو کے تلے تیغ و سپر رکھ لی ہنر سے
اور دونوں کی گردن لی ادھر اور اُدھر سے — سر ایک کا ٹکرا نے لگے ایک کے سر سے

اکبرؑ کے تصرّف میں خدائی نظر آئی
جنگل میں پہاڑوں کی لڑائی نظر آئی

اس میں (۱) یہ بیان کیا۔ کہ گھوڑے کی لگام کمر سے باندھ لی۔ کہ لڑائی میں نہ اُلجھ جائے (۲) پھر تلوار اور ڈھال زانو کے نیچے ہنر سے رکھ لی۔ (۳) پھر دونوں کی گردنیں ادھر اُدھر سے ایکر (۴) ٹکرا دیا۔ اُن کے تن و توش کو اس تشبیہ میں بیان فرمایا۔ کہ (۵) گویا

جنگل میں پہاڑ لڑ رہے تھے*

(ب) مرزا مرحوم نے ایک مرثیہ میں شاہزادہ علی اکبرؑ شبیہ پیغمبرؐ کی پیدائش کا حال لکھ کر لکھا ہے۔ کہ اُس زمانے کے اکثر مسلمان اشتیاق میں تھے۔ کہ امام حسینؑ انکو باہر لائیں۔ تاکہ ہم محبوب خدا صلعم کی زیارت سے سرافراز ہوں۔ اور اکثر جناب فضہؑ سے آ آکر پوچھ جاتے تھے۔ کہ کس روز گھر سے وہ شاہزادے باہر برآمد ہونگے۔ ایک روز اہلبیتؑ کی طرف سے مشتاقوں کو اعلان دیا گیا۔ کہ

کل بہ خدا کے گھر سے مراد اپنی پائینگے مسجد میں شاہِ دین علی اکبرؑ کو لائینگے

جو شخص مشتاق ہو۔ زیارت کرے۔ نماز صبح کے وقت حاضر ہو۔ اس واقعہ کو آئندہ مرزا صاحب یوں خلعت نظم پہناتے ہیں:۔

ناگاہ خواب شب سے کھلی چشم آفتاب مسجد میں پہلے صبح سے۔ در آئے شیخ و شاب

مجمع تھا آستانِ حرم پر بھی بے حساب محراب در سے نکلے امامؑ فلک جناب

آقا کے بر میں اکبرؑ یوسفؑ جمال تھا

آغوشِ آفتاب میں روشن ہلال تھا

پہلوئے راست کو حسنؑ مجتبےٰ رواں پہلوئے چپ میں ماہ بنی ہاشمی عباسؑ

آگے دعائیں پڑھتے مدینے کے نوجواں بندے نگاہبان اور اللہ مہرباں

شہزادہ جس طرف رُخ روشن سے پھر پڑا

رستے میں ایک۔ ایک پہ غش کھا کے گر پڑا

شہر مدینہ مصر کا بازار ہو گیا یوسفؑ ہزار جان سے خریدار ہو گیا

(۱) اوّل تو صبح ہونے کو ایک نئے طرز سے بیان کیا ہے۔ کہ آفتاب کی آنکھ رات کی نیند سے کھلی (۲) صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے مشتاق مسلمانوں کا مسجد میں ہجوم ہو گیا۔ (۳) مسجد کا تو یہ حال تھا۔ بہت سے آدمی اہلبیتؑ کے در دولت پر جمع تھے۔ کہ ہم یہیں سے زیارت کرینگے۔ یہ

مشتاقوں کے اشتیاق کی صُورت تھی۔ (۴) امام حسینؑ گھر سے برآمد ہُوئے۔ ازبسکہ مسجد کو جا رہے ہیں۔ اس لئے استعارہ بھی اُسی قسم کا کیا۔ کہ محراب در سے امام نکلے۔ (۵) مگر کس شان سے کہ علی اکبر کو اپنی گود میں لئے ہُوئے۔ لطف تشبیہ کو ذرا دیکھئے۔ کہ سورج کی گود میں (ہلال، پہلی یا دُوسری تاریخ کا چاند تھا۔ (۶) اب جانے کی شان و شکوہ ملاحظہ فرمائیے۔ کہ دہنی طرف بڑے چچا امام حسنؑ۔ بائیں طرف چھوٹے چچا جناب عباسؑ۔ آگے آگے مدینہ کے خوش عقیدہ نوجوان مسلمان جا رہے ہیں۔ (۷) اب اس موقع پر یہ کمال دیکھئے۔ کہ حسن و جمال کی تجلی کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ جس طرف شاہزادے کا رُوئے روشن پھرا۔ گویا نُور کی بجلی گری۔ کہ ایک دُوسرے پر غش کھا کر گر پڑا۔ (۸) شہر مدینہ منوّرہ اُس وقت گویا مصر کا بازار تھا۔ مگر بازار مصر میں تو لوگ حضرت یوسفؑ کے خریدار تھے یہاں خود حضرت یوسفؑ ہزار جان سے ہمشکل محبوب خداؐ کے گاہک ہو گئے۔

(ج) ایک مشہور و لاجواب مرثئے میں مرزا مرحوم نے یہ مضمون نظم فرمایا ہے۔ کہ جب اپنے برادر جری حضرت عباسؑ کو روز عاشو جناب امام حسینؑ نے اپنی فوج کا علم بخشا ہے تو عون و محمد پسران جناب زینبؑ کو (جو جعفر طیّارؓ کے پوتے اور حیدر کرارؑ کے نواسے تھے۔ اور اپنے دادا اور نانا کے مقدس رشتہ کے خیال سے دل میں یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ وہ دونوں بزرگوار علمدار رسول خدا صلعم تھے۔ ہم اُن کے ورثہ دار ہیں۔ یہ علم ہمیں دونوں میں سے کسی ایک کو ملیگا۔ اور) جو کم عمر تھے۔ ایک قسم کا خیال و ملال ہُوا۔ دیکھئے مرزا صاحب اس مضمون کو بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہتے۔ کہ افسوس ہم کو علم نہ ملا۔ بلکہ ایک نئی مگر سچی بات یہ کہتے ہیں۔ کہ علمدار سب فوج سے آگے ہوتا ہے۔ اکثر جنگ میں اوّل وہی کام آتا ہے۔ اگر آج علمدار ہوتے تو سب سے پہلے شربت شہادت پیتے۔ اب اس شرف سے محروم رہ گئے۔ محض علم نہ ملنے کا خیال ایک خود غرضی کا (بظاہر) خیال تھا۔ اس کو کس عمدگی سے شربت شہادت بدل کر عمدہ بنا دیا ہے تمثیل کا لطف و کمال یہی ہے (کہتے ہیں):-

اک گوشے میں کھڑے تھے رکئے گردنوں کو خم
پرنم دوے کے عون و محمد ملک شیم

تھی فکر یہ۔ کہ فدیۂ اوّل ہوئے نہ۔ ہم | ہوتے ہیں آگے فوج کے سب حاملِ علم
سبقت نصیبِ حضرت عباسؑ ہو گئی
تھی آس پہلے مرنے کی۔ اب یاس ہو گئی

جاسوس نے عمر کے جو دیکھا یہ ماجرا | جا کر کہا عمر سے۔ خداوند کچھ سُنا؟
بولا وہ کیا؟ کہا کہ مبارک کرے خدا | واں تفرقہ سپاہ حسینیؑ میں پڑ گیا
منصب جو اپنے جد کا نہ پایا۔ خفا ہوئے
جعفر کے پوتے فوج خدا سے جدا ہوئے

کچھ کم نہیں نسب میں یہ سیفِ خدا سے ہیں | عباسؑ ہیں علیؑ کے خلف یہ نواسے ہیں
لبریز دل حمیت و مہر و وفا سے ہیں | ہفتمؑ سے سب کے ساتھ یہ بچے بھی پیاسے ہیں
اب ہو گیا یقین کہ ظفریاب ہم ہوئے
شبیرِ خداؑ کے بیٹے سے دو شبیر کم ہوئے

گردن اُٹھا کے کہنے لگا شمر بدشعور | ہاں سچ تو ہے بگڑے ہیں الگ سب سے وہ غیور
اُس نے کہا کہ ان کا مِلا لینا ہے ضرور | تجھ کو ہے جوڑ توڑ کا اپنے بڑا غرور
ہاں ہدیہ یزید کو زینبؑ کے لال لا
دو لختِ دل حسینؑ کے دل سے نکال لا

پر سر کے بھل دلیروں کی خدمت میں جائیو | مرتے ہیں بات پر نہ اجل سے ڈرائیو
مِنّت سے عاجزی سے خوشامد سے لائیو | غُصّے کے وقت آنکھ نہ اُن سے ملائیو
صحبت رہی ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کی
دیکھی ہیں آنکھیں کھول کے آنکھیں حسینؑ کی

لے کشتیاں بھی میووں کی اور سرد جام بھی | آداب عرض کیجیو اور یہ پیام بھی
ہوتا ہے پیشوائی کو حاضر غلام بھی | کوفہ تمہارا مُلک ہے اور مُلکِ شام بھی

نقارے بج رہے ہیں سلامی کے واسطے
سردار مستعد ہیں غلامی کے واسطے

روٹھے ہیں اک علم پہ یہ شاہِ انامؑ سے — لے جاتو چار پانچ علم فوجِ شام سے
سمجھا بُجھا کے اِن کو جدا کر امامؑ سے — بھڑکا چراغ نور کے حُسنِ کلام سے
آئینگے بھانجے جوشِ دیں سے چھوٹ کر
ہم سے ملینگے اور بھی پھول اُن کے ٹوٹ کر

سینے پہ ہات رکھ کے پکارا وہ بدشیم — یہ بھی ہے کوئی کام ۔ ابھی لائے اُن کو ہم
اچھے سے اچھے اُس نے چنے جلد دو علم — پٹکوں میں جن کے نصب جواہر تھے یک قلم
دو کشتیاں لیں ایک میں تو سرِ جام تھے
اور ایک میں چنے ہوئے میوے تمام تھے

آگے گمان بد ہوا پیچھے یہ بدگماں — تدبیر کے اُلٹنے کو تقدیر درمیاں
رعشے کی ہر قدم تھی ندا جُھک یہاں وہاں — آیا وہاں کھڑے تھے یہ دونوں خضرِ جہاں
دونوں کی آنکھ شمر پہ جو یک بیک پڑی
نخوت پسینہ بن کے جبیں سے ٹپک پڑی

خم ہو کے نیم قد ۔ یہ کیا شمرؔ نے کلام — اے وارثانِ حیدرؑ و جعفرؑ مرا سلام
یہ آن بان مان گئے رستمانِ شام — واللہ ۔ واہ ۔ تم پہ ہے جرأت کا اختتام
یہ بانکپن نظر میں کھبا جی میں گڑ گیا
سکّہ دلوں پہ آپ کی غیرت کا پڑ گیا

حیراں ہیں سب یہ آپ کے ماموں نے کیا کیا — تم کو نہ حاملِ علمِ مصطفےٰ کیا
منصب تمہارا بھائی کو اپنے عطا کیا — لشکر سے اُن کے آپ اُٹھ آئے بجا کیا
سمجھیں جب بزرگ ۔ تو خردوں کو چارا کیا

الفت خدا کی دین ہے - اِس میں اجارا کیا

ناظرین!! دیکھئے (۱) تو مرزا مرحوم نے یہ بیان فرمایا - کہ حضرت عباسؑ کو علم ملنے کی مسرت میں عون و محمدؓ (بھانجوں) نے نذر دی - (۲) پھر ایک گوشہ میں اس فکر و افسوس میں کھڑے ہوئے کہ ہم کو علم نہ ملا جو سب سے پہلے شہید ہوتے - (۳) وہاں فوج مخالف کے جاسوس نے یہ حال دیکھ کر خیال کیا - کہ یہ بچے امام حسینؑ سے (علم نہ ملنے کے سبب سے) روٹھ گئے - (۴) سردار لشکر عمر ابن سعد سے جا کر کہا - کہ مبارک ہو - امام حسینؑ کی فوج میں تفرقہ پڑ گیا - اب ہم کو ضرور فتح ہوگی - (۵) جاسوس کا طرز بیان اُسی طریق کا ہے - جیسے خبر دار خوشامدانہ لہجہ میں سردار لشکر سے عرض کیا کرتے ہیں - (۶) شمر جو ایک بڑا چالاک و مکار آدمی ہے - اُس نے یہ سُن کر گردن اُٹھا کر دیکھا (اس طرز کو دیکھئے) اور خبر دار کے کلام کی تائید کی - کہ ہاں واقعی وہ غیرتمند (دونوں) صاحبزادے سب سے الگ کھڑے ہوئے ہیں - (۷) ابن سعد بولا - کہ ان کو ملا لینا ضرور ہے - اور یہ جوڑ توڑ تیرا ہی کام ہے - تو ہی جا - اس موقع پر یہ مصرع کتنا پاکیزہ و مؤثر ہے - کہ ع دو لختِ دلِ حسینؑ کے دل سے نکال لا - مگر نہایت مؤدب (سر کے بھل) اُن کی خدمت میں جانا - یہ بچے بڑے دلیر ہیں - ان کو موت سے نہ ڈرانا - کہ یہ بات پر مرتے ہیں - موت کو کیا سمجھتے ہیں - بہت چاپلوسی - خوشامد - عاجزی کرنا - یہ بچے معمولی بچے نہیں ہیں - بلکہ امام حسینؑ کی صحبت میں پلے ہیں - اس مصرع کی شان کو دیکھئے ع دیکھی ہیں آنکھیں کھول کے آنکھیں حسینؑ کی - (۸) میووں کی کشتیاں اور ٹھنڈا پانی لے جا - اور میری طرف سے کہنا - کہ غلام بھی پیشوائی کو ابھی حاضر ہوتا ہے - ہم سے ملو گے - تو بس تمام مُلکِ عرب تمہاری مِلک ہو جائیگی - اس موقع پر یہ مصرع "سردار مستعد ہیں غلامی کے واسطے" کیسا شاندار ہو گیا ہے - شاعر جانتا ہے - کہ اس کے اوپر مصرع لگانا کتنا مشکل تھا - مگر مرزا مرحوم کی مضمون آفرین طبیعت نے کہاں سے مصرع پیدا کیا ع نقارے سک رہے ہیں سلامی کے واسطے - (۹) چار پانچ علم بھی لے جا - اور جس طرح ہو - سمجھا بُجھا کر ان کو

امام حسینؑ سے جُدا کر سمجھانا بجھانا روزمرہ ہے۔ اُس کے ساتھ چراغ نُور بھڑکا نا لائے ہیں۔ بجھانا چراغ کے واسطے بھی بولا جاتا ہے۔ صنعت ایہام اس بے تکلفی سے ہو جب لطف ہے۔ پھر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ امام حسینؑ کے یہ بھانجے ہم سے مل جائینگے۔ تو پھر اور بھی اُن کے عزیز و رفیق غالباً مل جائیں۔ اس مضمون کو مرزا مرحوم کس رنگین پیرایہ میں ادا فرماتے ہیں کہ ع ہم سے ملینگے اور بھی پھول ان کے لوٹ کر۔ (۱۰) اب شمرؔ کے جواب کے ادا کو ملاحظہ فرمائیے۔ کہ ع سینے پہ ہات رکھ کے پکارا وہ بدشیم۔ ایشیائی ملکوں خصوصاً عرب و عجم میں تعمیل حکم کرنیوالا ضرور سینے پر ہاتھ رکھکر افسر کو جواب تعمیلی دیتا ہے۔ ویسا ہی شمر نے بھی کیا۔ اُس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ع یہ بھی ہے کوئی کام ابھی لائے اُن کو ہم۔ گویا اپنے ذہن میں یہ مکّار سمجھا ہُوا تھا۔ کہ یہ صاحبزادے ہم سے مل جائینگے کشتیاں اور پانی اور علم لیکر یہ روانہ ہُوا۔ (۱۱) ع آگے گمان بد ہُوا پیچھے یہ بدگماں۔ گمان بد اور بدگمان کے الفاظ کی تاثیر کو دیکھئے۔ گویا شمر یہ امر اپنے دل میں طے کر چکا ہے۔ کہ ضرور میں ان صاحبزادوں کو پھانس لاؤنگا۔ مگر یہ خبر نہ تھی۔ کہ تدبیر کے اُلٹے کو تقدیر درمیان میں ہے۔ شمر پورا مکّار ہے (اور اُن شیروں کے پاس جاتا ہے۔ جو اپنی جان پر کھیلے ہُوئے ہیں)۔ اور مکّار آدمی ضرور بزدل ہوتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ تمام بدن میں رعشہ پڑ رہا ہے۔ (۱۲) وہاں پہنچا۔ جہاں یہ دونوں خضرؑ کھڑے تھے۔ دیکھئے۔ اس موقع پر قمر نہیں کہا خضر کہا۔ اس میں رعایت یہ ہے۔ کہ خضر کا کام ہدایت کرنا ہے۔ وہ دُوسرے کے بہکانے میں کب آسکتے ہیں۔ اُن دونوں شیروں نے جو تیز نظر سے دشمن کو دیکھا۔ تو ع نخوت جبیں سے بن کے پسینہ ٹپک پڑی۔ بہادروں کے سامنے سب مصنوعی غرور مکّار آدمی کا جاتا رہتا ہے۔ (۱۳) اب شمر کے خوشامدانہ ملنے کی تصویر دیکھئے۔ نیم قد خم ہو کر کہا۔ اے حیدرؔ و جعفرؔ کے وارثو میرا سلام۔ میں اُوپر لکھ چکا ہُوں۔ کہ حیدرؔ و جعفرؔ دونوں بزرگوار لشکر اسلام کے جرار علمدار تھے۔ گویا سلام ہی سے تمہید مطلب شروع کر دی۔ کہ علم کے مستحق تم ہو۔ ماں کی طرف سے

بھی تمھارا حق ہے باپ کی جانب سے بھی۔ سلام کے بعد کہتا ہے۔ ؎

یہ آن بان مان گئے رستمانِ شام　　　واللہ۔ واہ۔ تم پہ ہے جرأت کا اختتام

الفاظ کی نشست کو ملاحظہ فرمائیے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سونے کی انگوٹھی پر کسی کامل ساده کار نے فیروزہ کا نگ جڑ دیا ہے۔ اب یہاں خاص بانکوں۔ جوان مردوں۔ وضعداروں کے الفاظ نظم کرتے ہیں ؎

یہ بانکپن نظر میں کھبا۔ جی میں گڑ گیا　　　سکہ دلوں پہ آپ کی غیرت کا پڑ گیا

اب تعریف و خوشامد کے بو تعجب کے لہجہ میں کہتا ہے۔ کہ ہم سب حیران ہیں۔ یہ آپ کے ماموں (امام حسینؑ) نے کیا کیا۔ کہ آپ کا منصب اپنے بھائی کو دیدیا۔ (۱۴) آپ اُن کے لشکر سے چلے آئے۔ یہ بہت مناسب و بجا کیا۔ محبت تو خدا کی دین ہے۔ (خاص روزمرہ ہے) اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ اور جب بزرگ ہی حق نہ سمجھیں۔ تو خردوں کو کیا چارہ ہے۔ دیکھئے ایسی ذرا ذراسی باتیں نظم کی ہیں۔ جو گویا رات دن ہوا کرتی ہیں۔ مگر ہر شاعر کا کام نہیں ہے۔ کہ ان کو نظم کرے۔ دریا تو موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر غوطہ لگا کر عمدہ موتی نکالنا ہر غواص و شناور کا نہ کام ہے نہ ممکن ہے۔ ؎

رشک بے جا ہے گر رقیب کرے　　　یہ تو جس کو خدا نصیب کرے*

(۲) منوچہری جو متقدمین ایرانیوں میں بہت کامل شاعر ہے۔ ایک باغ کی مدح میں کہتا ہے:۔

آں قطرۂ باراں بیں از ابر چکیدہ　　　گشتہ سر ہر برگ ازاں قطرہ باآثار

آویختہ چوں ریشۂ دستارچۂ سبز　　　سیمیں گرہے برسر ہر ریشۂ دستار

*اس موقع کی پوری گفتگو شمر اور صاحبزادوں میں ہوئی ہے۔ حقیر نے شرح و بسط کے ساتھ جلد دوم (حیات دبیرؒ) میں لکھی ہے۔ انشاء اللہ ناظرین کتاب دیکھ کر بہت خوش ہونگے۔ یہاں زیادہ بند بخیال طوالت نہیں لکھ سکتا ۱۲ مؤلف ہیچمدان۔

فصل ۳ (۲) منوچہری

مرزا مرحوم ایک مرثیہ میں ایک مرد مومن کا خواب بیان کرتے ہیں [۱]۔ کہ جس نے ایک باغ (عالم رویا میں) دیکھا ہے :-

شبنم کا عجب لطف ہے ہر برگ چمن پر ۔ سجادے پہ ۔ ہے ٹوٹ گیا سبحہ مگوہر
ہر شاخ ہے معراج بہار گل احمر ۔ جس طرح سناں پر ہے پسر فاطمہؑ کا سر

ہر غنچہ ہے ۔ دفتر غم شاہ دوسراؑ کا
ہر ۔ لالہ ہے ۔ محضر گل زخم شہداؑ کا

حکیم سنائی

شعر و معاشرت

(۳) حکیم سنائیؒ جو فرقۂ صوفیہ میں صاحب احترام بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور جن کی نظم تاثیر کے لحاظ سے اکثر شعرائے کاملین سے بہتر ہوتی ہے فرماتے ہیں :-

قطعہ

با ہمہ خلق جہاں گرچہ ازاں ۔ بیشتر گمرہ و کمتر برہ اند
آں چناں زی کہ چو میری برہی ۔ نہ چناں زی کہ چو میری برہند

کیا اچھی نصیحت ہے ۔ کہ اگرچہ دُنیا میں گمراہ زیادہ اور راہ راست پر بہت کم لوگ ہیں ۔ مگر تو سب کے ساتھ اس طرح بسر کر ۔ کہ جب مر جائے ۔ تو اُن کے عذاب سے تجھ کو نجات مل جائے ۔ نہ کہ تیرے مرنے سے اُن کو (تیرے پنجۂ ظلم سے) نجات ملے +

مرزا مرحوم کہتے ہیں :-

رباعی

جو چاہیں بزرگوار ارشاد کریں ۔ ہم کاہے کو گھر حیا کا برباد کریں
اس واسطے بھولا ہوں بدی سب کی دبیرؔ ۔ مرجاؤں تو نیکی سے مجھے یاد کریں [۲]

---

[۱] اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے ع ناجی بجز فرقہ اثنا عشری ہے ۔ دفتر ماتم کی نویں جلد میں یہ مرثیہ چھپ چکا ہے +

[۲] مرزا مرحوم نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا ہے ۔ اور سب کی بدی کو بھلا دینا اعلیٰ درجے کی خوش اخلاقی ہے ۔ دوسرے سے بدی کرنے کا تو یہاں ذکر ہی کیا ہے ۔ یہ بلاغت کے نکات ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر ۔

اس موقع پر یہ لکھنا بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔ کہ سب سے پہلے جناب امیرؑ نے یہ مضمون ادا فرمایا ہے۔ اگر حکیم سنائیؒ اور مرزا دبیر کے پیش نظر نہج البلاغہ کا یہ مضمون تھا۔ تو یہ کہا جائیگا۔ کہ اُن دونوں بزرگوں نے تبرکاً یہ مضمون (باب مدینہ علم سے) لیا ہے۔ اور ایک صاحب نے اس مضمون کے ذریعہ سے فارسی کی اور دُوسرے نے اُردو کی عزت بڑھائی ہے۔ ورنہ توارد سمجھا جائیگا۔ مگر یہ توارد اس مصرع جناب نفیس مرحوم کا مصداق ہے ع مصرع بھی جو لڑ جائے تو موتی کی لڑی سے۔ بہرحال وہ فقرہ یہ* ہے خَالِطُوا النَّاسَ مُخَالَطَةً اِنْ مُتُّمْ مَعَهَا بَكَوْا عَلَيْكُمْ وَاِنْ عِشْتُمْ حَنُّوا اِلَيْكُمْ۔ یعنی تم اس طرح آدمیوں میں مل جل کر بسر کرو۔ کہ اگر تم مرجاؤ۔ تو وہ تمکو یاد کرکے روئیں۔ اور زندہ رہو۔ تو تم سے ملنے کی خواہش رکھیں +

مضمون نہج البلاغہ

(۴) حکیم سنائیؒ فرماتے ہیں:۔

از پے ردّ و قبول عامہ خود را خر مکن — زاں کہ نبود کار عامہ خرخری یا فرفری
گاؤ را دارند باور در خدائے عامیان — نوحؑ را باور ندارند از پئے پیغمبری

اہل دنیا کا ردو قبول

فرماتے ہیں۔ کہ عام لوگوں کے ردو قبول کا کیا اعتبار ہے۔ ان میں نیک و بد۔ اچھے بُرے کے پہچاننے کی تمیز ہی نہیں۔ یہ جاہل گائے کی تو پُوجا کرتے ہیں (جیسے گوسالہ پرستی حضرت موسےٰؑ کی امت نے کی تھی) مگر جلیل القدر اولوالعزم جناب نوحؑ کو پیغمبر خدا ہی نہیں مانا جب اہل دُنیا کی بدتمیزی کا یہ حال ہے تو تو ردو قبول عوام کے واسطے بیوقوف نہ بن +

مرزا دبیرؒ کہتے ہیں۔ (رباعی)

بُلبل یہ زمانہ ایک گُل کا نہ ہُوا — محکوم ائمہؑ و رُسلؑ کا نہ ہُوا
بندوں کو عبث خیال یکتائی ہے — اللہ پر اتفاق کُل کا نہ ہُوا

* ملاحظہ ہو نہج البلاغہ کتاب مراسلات و کلمات جناب امیرؑ صفحہ ۱۴۵ جس کو علامہ جناب مفتی محمد عبدہ (مفتی مصر) نے مع شرح چھپوایا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اہل دُنیا نے رسولوں اور آئمۂ اطہار کی تو پیروی کی ہی نہیں۔ اور یہ جو نفوس قدسیہ اپنے اپنے عہد میں بےمثیل و نظیر (معصوم) تھے۔ اُن کو تو یکتا مانا ہی نہیں۔ پھر بندے کس بنا پر اپنے آپ کو یکتا سمجھتے ہیں۔ آگے ترقی یہ کی۔ کہ پیغمبر و امام تو درکنار خدا کے یکتا ہی کو سب اہل عالم نے نہیں مانا۔ نہ آج مانتے ہیں۔ بہتیرے زبان و دل سے منکر ہیں بہت سے زبان سے کہتے ہیں۔ مگر دل سے منکر خدا ہیں۔ یہ اہل دُنیا کا رنگ ہے +

فصل ۳ عمر و خیام شکایت فلک

(۵) عمر و خیّام (رباعی)

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم — آزاد کنم کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نا اہل ست — من نیز چناں اہل و خرد مند نیم

کہتا ہے۔ کہ اے آسمان میں تیری گردش سے ناخوش رہتا ہوں مجھے اپنے پنجہ ظلم سے چھوڑ دے کہ میں تیری اسیری کے قابل نہیں ہوں۔ اگر تو بے عقل اور نالائق آدمیوں سے ہی راضی اور خوش رہتا ہے۔ تو میں بھی کچھ ایسا عقلمند اور قابل نہیں ہوں مجھے بھی بے عقل و نالائق سمجھ کر چھوڑ دے +

مرزا مرحوم کہتے ہیں:۔ (رباعی)

زردار نہیں اور طلب زر بھی نہیں — میں بے سر و پا کسی کا ہمسر بھی نہیں
پھر خاک میں مجھ کو کیوں ملاتا ہے فلک — میں کون ہوں خاک کے برابر بھی نہیں

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نہ تو خود مالدار ہوں نہ طالب مال۔ نہ میرے سر میں کسی کی ہمسری کا سودا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کی طبیعت مقابلہ کو ناپسند کرتی تھی۔ پھر مجھے آسمان خاک میں کیوں ملاتا ہے۔ میں تو خاک کے برابر بھی نہیں ہوں۔ یہ مرزا مرحوم کی خاکساری اُن کے بوترابی ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ اور اشارہ ہے۔ کہ خاک میں اُس کو آسمان ملائے جو خاک کے برابر ہو۔ کہ ہر جنس اپنی جنس میں ملتی ہے۔ جیسے کہ مثل "الجنس یمیل الی الجنس" مشہور ہے۔ سبحان اللہ ایک رباعی میں اور اتنا بڑا بلیغ مضمون نظم فرمایا ہے +

(۶) خیّام (رباعی)

عالم بے ثباتی و عبرت

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند
در کشف دقیقہ شمع اصحاب شدند
رہ زیں شب تاریک نہ بروند بروں
گفتند فسانۂ و در خواب شدند

مرزا مرحوم

(رباعی)

آج آئے ہیں۔ کل کوچ کی طیاری ہے
غفلت میں کٹی عمر۔ یہ ہشیاری ہے
دنیا ہے عجب مقامِ حیرت۔ نہ کھلا
یہ عالم خواب ہے کہ بیداری ہے

بند مسدس

یاں روز اک طلسم بنا اور بگڑ گیا
یاں گل نہالِ تازہ جما۔ آج اکھڑ گیا
یاں شب کی شب بسا جو مسافر اجڑ گیا
نام خزاں کا سکّۂ زرِ گل پہ پڑ گیا
نے دن نہ سن حساب کا کچھ ہیر پھیر ہے
ناقے کسے کھڑے ہیں سواری کی دیر ہے

محمل

نعل اسپ کی تشبیہ ہلال سے منطقی رازی والوری و ظہیر فاریابی

(۷)۔ (۱) منطقی رازی۔

تو گفتی خنگِ صاحب تافتن کرد
فگند ایں نعل زریں در بیاباں

(۲) الوری۔
دیدم اندر سواد طرّۂ شب
گوشوار فلک ز گوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگِ دستور ست
قرۃ العین و فخر آل نظام

(۳) ظہیر فاریابی۔ نعل سمند شاہِ جہانست کاسماں
ہر ماہ بر سرش نہد از بہر افتخار

مرزا دبیر مرحوم۔ سن لو نسب بہ رخش بڑا قوم دار ہے
تخمِ مراد ابلقِ لیل و نہار ہے
کھیت اس کا صحنِ قدرتِ پروردگار ہے
یہ شیر خوار دایۂ ابرِ بہار ہے
مالک ہے ماہِ نو سے یہ چرخِ بلند کا
پہلے فلک پہ نال گرا ہے سمند کا*

مرزا مرحوم کی طباعی اور بات میں سے بات نکالنے کو دیکھئے نعل جو عین سے ہے۔ وہ تو گھوڑے کا

* یہ بند جس مرثیہ کا ہے وہ ابھی تک طبع نہیں ہوا صرف چند تلامذہ مرزا صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ حقیر کے پاس بھی ہے جو نانا مرحوم سے مجھے پہنچا ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

نعل مراد ہے۔ مگر یہاں نال الف سے چاہے مراد لیجے۔ چاہے (نعل) عین سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اُس کا نال کاٹ کر زمین میں گاڑا جاتا ہے۔ روزمرہ میں بولتے ہیں۔ ہمارا وہاں کیا نال گڑا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ جس جگہ آدمی کا نال گڑتا ہے۔ اُس مقام سے اُس کو محبت ہوتی ہے۔ اور اکثر آدمی کا نال اُس کے مملوکہ مکان میں گاڑا جاتا ہے۔ اور مولد کا تعلق ہمیشہ آدمی سے رہتا ہے۔ پس اس موقع پر مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ عقاب اسپ جناب علی اکبر کو آسمان سے یہ تعلق ہے۔ کہ ماہ نو جس کو لوگ سمجھ رہے ہیں۔ وہ اس گھوڑے کے نال گڑنے کا نشان ہے۔ اس میں صنعت ایہام ہے۔ دُوسری صورت میں نعل سے وہی نعل آہنی مراد ہے۔ جس کو اکثر شعرا کہتے آئے ہیں ؀

فصل ۴ فائدہ سفر میر معزی الوری

(۸) میر معزیؒ۔ مردم بشہر خویش ندارد بسے خطر ؀ گوہر بکان خویش ندارد بسے بہا

الوری۔ بشہر خویش دروں بے خطر بود مردم ؀ بکان خویش دروں بے بہا بود گوہر

واقعی آدمی کی قدر اکثر اُس کے وطن میں کچھ نہیں ہوتی۔ جس طرح موتی جب تک دریا میں رہتا ہے کچھ قیمت نہیں پاتا۔ سفر میں آدمی کی قدر ہے۔ اور موتی سمندر سے نکل کر قیمت پاتا ہے ؀

(رباعی)

دبیر مرحوم

پہنچا جو کمال کو وطن سے نکلا	قطرہ جو گہر بنا عدن سے نکلا
تکمیل کمال کی غریبی ہے دلیل	پختہ جو ثمر ہُوا چمن سے نکلا

ناظرین۔ دیکھیے۔ کس قدر مضمون کو ترقی دی ہے۔ یہ رباعی مرزا صاحب نے عظیم آباد پٹنہ پہنچ کر کہی تھی۔ جیسا کہ میں مفصّل اپنے مقام پر لکھ آیا ہوں ؀*

انوری

(۹) الوری (پیغمبر سخن) در جہانی و از جہاں بیشی ؀ ہمچو معنی کہ در بیاں باشد

(الف) دبیرؒ۔ قاتل کو جام دیتے ہیں تعذیر کے عوض ؀ رہتے ہیں یہ خدا کی عبادت میں بے غرض

جوہر ہے لعل حضرت زہرا کا سب عرض ؀ یہ خاص سب عوام۔ یہ درماں ہیں سب مرض

*فارسی کی الف لیلہ جو ناصر الدین شاہ قاجار (شہید) کے زمانہ کی تالیف ہے اُس میں ملک الکلام سروش کے یہ دو شعر لکھے ہیں جو اسی مضمون کے ہیں ؀ قدر مردم سفر پدید کند ؀ خانہ خویش مرد را بند است ؀ گر سنگ اندروں بود گوہر ؀ کس چہ داند کہ قیمتش چند است ؀ مؤلف حقیر۔

سب سایہ ہیں یہ جان نبیؐ بے گمان ہے

سایہ نہ جان میں ہے نہ سایہ میں جان ہے

انوری اپنے ممدوح کو کہتا ہے کہ تو جہان میں ہے۔ مگر تمام جہان سے فضیلت میں زیادہ ہے۔ جیسے معنی الفاظ میں ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر بیان میں معنی نہ ہوں۔ تو وہ مہمل ہوگا۔ انوری نے عجب بلیغ مضمون ادا کیا ہے۔ کہ ممدوح باوصفیکہ جہان میں شامل ہے۔ مگر پھر سب سے الگ اور افضل و اعلےٰ ہے۔ ایسے ایسے اعلےٰ مضامین کی بدولت انوری پیغمبر سخن مانا گیا ہے +

مرزا مرحوم فرماتے ہیں۔ کہ میرے ممدوح (امام حسین علیہ السلام) بمنزلہ جوہر ہیں۔ جوہر اُس کو کہتے ہیں۔ جو بالذات قائم ہو۔ اور سب بنی آدم بمنزلہ عرض ہیں۔ کہ عرض جوہر کے دم سے قائم رہتا ہے شیعوں کے اعتقاد میں امام عصر اور صوفیوں کے عقیدے میں غوث بنی نوع انسان میں سب سے افضل و اعلےٰ ہیں۔ اور تمام دُنیا اُسی کے دم سے قائم ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ عوام سایہ کی طرح ہیں۔ اور امامؑ بمنزلہ جان ہیں۔ اور جان بھی کس کی؟ نبی آخر الزماںؐ (روحی لہ الفدا) کی۔ پھر اس پر ترقی یہ کی۔ کہ نہ سایہ میں جان ہوتی ہے نہ جان میں سایہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ نہ عام لوگ امامؑ کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ نہ امامؑ عوام میں شامل و داخل ہیں +

(ب) دُوسرے مرثیہ میں مرزا صاحب جناب عباسؑ کی مدح میں فرماتے ہیں:۔

دُنیائے دنی ان کا نشاں کفِ پا ہے — لیکن وہ نشاں ہے جو کفِ پا سے جدا ہے

دُنیا انہیں کے دم سے قائم ہوئی۔ انہیں کے نور سے پیدا ہوئی۔ جیسے نشانِ قدم قدم سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ دُنیا سے یوں الگ تھلگ رہتے ہیں جیسے نشانِ قدم قدم سے جدا ہے۔ انوری مضمون آفریں شاعر ہے۔ مرزا صاحب کے کلام میں اس کا نام اُسی طرح آتا ہے۔ جیسے ایک شاعر شاعرانہ تفاخر سے اپنے متقدم شاعر کو یاد کرتا ہے۔ چنانچہ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:۔

(رباعی)

اے ابر تری گہر فشانی کیا ہے — آ۔ دیکھ کہ یہ در معانی کیا ہے
یاں گُل ہے چراغ انوری کا بالکل — اے شمع تری چرب زبانی کیا ہے

اس میں اشارہ ہے۔ کہ شعرائے ایران تو مضمون آفرینی میں میرا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ ہندوستانی کیا مقابل ہونگے۔ انوریؔ کی نسبت ایک مقام پر اُنھوں نے یہ بھی افسوس ظاہر کیا ہے۔ کہ بادشاہوں کی تو اُس نے کثرت سے مدح کی۔ کہ اُس کا کلیات (مدح سے) بھرا پڑا ہے۔ مگر خاصان خدا کی شان میں قصائد وغیرہ نہ کہے۔ چنانچہ ایک مرثیہ میں فرماتے ہیں:۔

اندھیر ہے جو مجھ سے مقابل ہو انوری — شاہوں کی اُس نے کی ہے فقط مدح گستری
حیدرؑ کی منقبت۔ نہ ہے نعت پیمبری — کس بات پر حسینؑ کے ذاکر سے ہمسری؟

(۱۰) سعدی شیرازی سے ز مغرور دنیا رہ دیں مجو ÷ خدا بینی از خویشتن بیں مجو ÷
مرزا مرحوم سے نمرود کو خدائی کے دعوے سے کیا ملا ÷ بندہ جدا ہُوا جو خودی سے خدا ملا ÷

(۱۱) سلمان ساوجی سے

در دُرجِ دُرِ عقیق لبت نقد جاں نہاد — جنس نفیس بود بجائے نہاں نہاد
قُفلے ز لعل بر در آں درج زد لبت — خالت ز عنبر آمد و مہرے بر آں نہاد
باریک تر ز مو کمرت را دقیقہ — ناگاہ در دل آمد و آتش میاں نہاد

دبیرؔ گیسوئے رسا روئے کتابی کے قریں ہے — قرآں کا حافظ پر جبرئیل امیں ہے
لب موج۔ دہن کوثر فردوس بریں ہے — دانتوں سے لطافت کا جہاں زیر نگیں ہے
دنداں و دہن کے لئے تشبیہیں بھلی ہیں
کلیاں سمن خلد کی۔ کوثر میں کھلی ہیں

لو قدرت داور کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو خال رخ انور کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو
اک نقطہ میں دفتر کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو خورشید میں اختر کو نہ دیکھا ہو تو دیکھو
ہے قرب۔ نیا روئے ضیا بار کے آگے
قنبر تو نہیں حیدرؑ کرار کے آگے

قنبر حبشی تھے۔ اور خال سیاہ ہوتا ہے۔ رُوئے ممدوح انور و روشن ہے ان وجوہ سے یہ تشبیہ اعلےٰ درجہ کی ہے +

ایک مرثیہ میں دختر فغفور چین کی کمر کی نسبت یہ بند ہے :۔

تعریف کمر میں شعرا کے تھے یہ اقوال یہ بال کی ہے کھال و یا کھال پہ اک بال
میزان نزاکت میں جو تولو۔ تو کھُلے حال موئے مژہ موسے بھی کم تھی کئی مثقال
اُس موئے کمر ہی کی زباں سے یہ کھُلا پیچ
عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

مجنت خواجو رح حافظ رح

(۱۲) خواجو رح گے بر کنم دل از رخ جاناں کہ مہر او + با شیر در دل آمد و با جاں بدر شود۔
حافظ شیراز رح۔ عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم + با شیر در بدن شد و با جاں بدر شود۔

مرزا مرحوم مدح ہند بنت عبداللہ عامر صحابی میں (یہ دوستدار اہلبیتؑ زوجہ یزید تھی) کہتے ہیں :۔

حق کی نگہ مہر سے سرمہ جو یہ پایا مادر نے وضو کر کے سدا دودھ پلایا
تقدیر نے گہوارۂ عفّت میں جھلایا ٹوپی کی جگہ سر پہ یداللہ کا سایا
افزود توانائی بھی ایک ایک گھڑی تھی
حیدر کی ولا ہند کی گھُٹّی میں پڑی تھی

ناظرین۔ دیکھئے۔ گھٹی میں پڑنے کے روزمرّہ کو کیسے موقع پر صرف فرمایا ہے +

تعریف محبت حافظ بر عبادت خالص

(۱۳) حافظ شیراز - از حدیث سخن عشق ندیدم خوشتر + یادگاری کہ دریں گنبد دوّار بماند -

دبیرؔ - جس دن تلک آبادیہ ویرانہ رہیگا + عباسؑ کی الفت کا بھی افسانہ رہیگا -

(۱۴) حافظؔ - تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن + کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند -

دبیرؔ مصرع کے عوض آپ سے طوبےٰ نہیں لیتا لوجنّت اعلےٰ بھی یہ ادنےٰ نہیں لیتا

اب پُوچھئے کیا مانگتا ہے کیا نہیں لیتا مَیں نام زباں سے کسی شئے کا نہیں لیتا

جز نقد رضا - کچھ مجھے منظُور نہیں ہے

خادم تر امدّاح ہے مزدُور نہیں ہے

حافظؔ کے شعر میں تو خفیف سا شائبہ بھی ہے - کہ خواجہ خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے وہ پرورش کریگا - مگر مرزا مرحوم کہتے ہیں - مَیں صرف رضا چاہتا ہُوں اور کچھ نہیں چاہتا - کہ دل سے مدّاح ہُوں - کوئی مزدور نہیں ہُوں +

سفر آخرت ابن یمین

(۱۵) ابن یمین - منگر کہ دل ابن یمیں پرخوں شد + بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد -

مصحف بکف و چشم برہ - رو بدوست + باپیک اجل غمزہ زناں بیروں شد -

سبحان اللہ مومن کی موت کی گویا تصویر کھینچ دی ہے +

مرزا مرحوم (رباعی)

رحمت کا - تری - اُمیدوار - آیا ہُوں مُنہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہُوں

چلنے نہ دیا بار گنہ نے پیدل تابُوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہُوں

ناظرین !! اس مضمون کی یا اس سے بہتر کوئی رباعی میری سماعت میں ابتک نہیں آئی - اب چاہے اس کو میری بے بضاعتی و کم علمی سمجھئے - چاہے مرزا صاحب سے حسن عقیدت خیال فرمائیے - مگر مَیں اس کو لاجواب سمجھتا ہُوں +

تشبیہ امیر خسرو

(۱۶) امیر خسرو کا لاجواب شعر ہے -

بوے خوشم اید از تو - در جیب گل داری یا ہمیں ست بو یت

اے محبوب خوشبو آرہی ہے۔ یہ تیری جیب میں کوئی پھول ہے۔ یا تیری ہی (جسم کی) خوشبو ہے؟ کیسا عمدہ مضمون تعجب کے پیرایہ میں ادا فرمایا ہے۔ تعریف نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موقع پر یہی بزرگوار فرماتے ہیں ؎

چہ گردست این کہ می خیزد کہ با جان ہم نشین آید
کہ می آید؟ چنیں یارب مگر مہ بر زمین آید

(الف) مرزا مرحوم زہیر ابن قین کے مرثیہ میں اس موقع پر فرماتے ہیں جب جناب علی اکبرؑ حضرت امام حسینؑ کے حکم سے ان کے خیمے پر ان کے بلانے کو گئے ہیں۔ اور زہیر مع مصاحبین کے بیٹھے ہوئے ہیں :۔

خیمے میں ایک نور کی بجلی چمک گئی
محفل شمیم عطر عرق سے مہک گئی

آتی ہے کس طرف سے رسولؐ خدا کی بو
پڑھ پڑھ کے سب نے صلّ علیٰ کی یہ گفتگو

چل جلد پیشوائی کو اب اے زہیر تو
کہنے لگا غلام زہیر آ گئے رو برو

گیسو ہیں دونوں کاندھوں کے اوپر پڑے ہوئے
دروازے پر حبیبؐ خدا ہیں کھڑے ہوئے

یہ امام زادۂ عالی وقار سر سے پاؤں تک حبیب خدا اشرف انبیا محمد مصطفےٰ کی گویا تصویر ہے۔ اس مشابہت کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ۔

(ب) ایک عورت (خورشید بانو) نے ایک راہرو شخص کے پاس سر امام حسینؑ رومال میں لپٹا ہوا دیکھا ہے۔ اس موقع پر کہتے ہیں ؎

ہے چاند اس کے ہات میں یا آسمان پر!!
آنکھیں فلک پہ اور یہ سخن تھا زبان پر

(ج) جناب شاہزادہ علی اکبرؑ گھر سے باہر نکلے ہیں۔ میدان شہادت کو جاتے ہیں۔ اس موقع پر مرزا مرحوم فرماتے ہیں ؎

نور نظر شاہ جو گھر سے نکل آیا
حیراں ہیں سب چاند کدھر سے نکل آیا

فصل ۶ آفتاب کا طلوع ملا محتشم

(۱۷) ایران کے مشہور مرثیہ گو شاعر ملا محتشم کا مشہور و مقبول شعر ہے:-

روزے کہ شد بہ نیزہ سر آں بزرگوار — خورشید سر برہنہ بر آمد ز کوہسار

اس میں شاعر نے آفتاب کا سر برہنہ نکلنا بیان کیا ہے۔ اور اُس کی وجہ بیان کی ہے۔

اب مرزا صاحب کی حسنِ تعلیل اور لطفِ تخئیل کو دیکھئے:-

تھی بسکہ صبحِ قتلِ شہنشاہِ نامدار — اہلِ حرم تھے جیب دریدہ اور اشکبار

تارِ شعاع سے بھی ہوتا تھا۔ آشکار — خورشید نے کیا ہے گریباں کو تار تار

پو پھٹتے ہی رسول ص کا دامان پھٹ گیا

زہرا ؑ کے بھی کفن کا گریبان پھٹ گیا

ممدوح و چراغ ملا طہوری

(۱۸) ملا طہوری ؒ اپنے ممدوح ابراہیم عادل شاہ کی مدح میں فرماتے ہیں:-

مروّت کردہ شب ہا برلو سیر بام و در لازم — نمی باشد چراغے خانۂ بے دستگاہاں را

مطلب یہ ہے۔ کہ تو جو کوٹھے پر چڑھتا ہے۔ اور لوگوں کے دروازہ پر جاتا ہے۔ یہ تیری مروّت کی دلیل ہے۔ کہ مفلسوں کے جھونپڑوں میں چراغ نہیں ہوتا تیرے چہرہ کی روشنی اُن کے لئے چراغ بن جاتی ہے۔

مرزا دبیر مرحوم کے ممدوح بادشاہانِ دُنیا سے اعلےٰ ہیں۔ اس لئے انکی تخئیل بھی دُنیا کے چراغ سے روشنی نہیں لیتی۔ بلکہ وہ چاند سُورج سے کام لیتے ہیں اور چاند سُورج بھی دُنیا کے نہیں بلکہ جنّت کے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

سورج ہے نہ دن خلد میں نے چاند نہ شب ہے — شمس و قمرِ عدن یہ فرخندہ نسب ہے *

صائب تواضع دشمن

(۱۹) صائب فرماتے ہیں۔ س

بر تواضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست — پائے بوسِ سیل از پا افگند دیوار را

مطلب یہ ہے۔ کہ دشمن گو بظاہر تواضع کرے۔ مگر اُس پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ کہ اس

* یہ شعر حضرت عباس ؑ ماہِ بنی ہاشم کی مدح میں ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

صورت میں نقصان پہنچیگا۔ جیسے سیل (بہیا) دیوار کی پابوس ہوتی ہے۔ اور اُس کو جڑ تک سے گرا دیتی ہے +

مرزا دبیر مرحوم کا مضمون دُوسرا ہے۔ مگر اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مَیں دشمن سے بھی خلاف مروّت برتاؤ نہیں کرتا ہُوں۔ اُن کا شعر یہ ہے ؎

دشمن سے بھی ہم قطع نہیں کرتے حیا کو
مانند غُبار اُٹھتے ہیں تعظیم ہوا کو*

دیکھئے ہَوا غبار کی دشمن ہے۔ کہ اُس کو اُڑا کر پریشان کر دیتی ہے۔ مگر غبار اُس کی تعظیم کو اُٹھتا ہے۔ یعنی جب ہَوا تیز چلتی ہے۔ تو غبار زمین سے اُٹھتا ہے +

(۲۰) مرزا صائب کا مشہور و لاجواب شعر ہے ؎

دوست دشمن میشود صائب بوقت بیکسی
خون زخم آہواں پے می برد صیّاد را

بیکسی کا وقت بُرا ہوتا ہے۔ دوست بھی دشمن بن جاتا ہے۔ چنانچہ صیّاد جب ہرن کو زخمی کرتا ہے۔ اور اُس کا خون زمین پر ٹپکتا ہے۔ تو اُسی نشان خون پر صیاد چلا جاتا ہے۔ اور آخرکار جہاں ہرن ہوتا ہے۔ وہاں پہنچ کر اُس کو گرفتار اور ذبح کر دیتا ہے +

مرزا مرحوم زبانی جناب زینبؑ ذیل کی بیت فرماتے ہیں۔ وہ معظمہ جب جناب امام حسینؑ کی لاش پر پہنچی ہیں اور سر اقدس کو بدن پر نہ پایا۔ تو بَین کرتی ہیں ؎

خواہر تری غربت پہ فدا ہو گئی بھیّا
تنہائی میں گردن بھی جُدا ہو گئی بھیا

صائب بیکسی

*نہج البلاغہ مطبوعہ مصر شرح مفتی محمد عبدہ کے صفحہ ۲۰۹ پر یہ ہدایت جناب امیرؑ کی ہے۔ اَحْبِبْ حَبِیْبَکَ ھَوْنًا مَّا عَسٰے اَنْ یَّکُوْنَ بَغِیْضَکَ یَوْمًا مَّا وَ اَبْغِضْ بَغِیْضَکَ ھَوْنًا مَّا عَسٰے اَنْ یَّکُوْنَ حَبِیْبَکَ یَوْمًا مَّا۔ اپنے دوست سے خلق و مدارات کے ساتھ دوستی کر۔ شاید کسی دن تیرا دشمن ہو جائے (تو تیری مدارات کو یاد رکھے) اور اپنے دشمن سے خلق و مدارات کا پہلو لئے ہُوئے دشمنی کر۔ شاید کسی دن وہ تیرا دوست ہو جائے۔ اس مضمون اقدس سے مرزا صاحب کا مضمون مستنبط معلوم ہوتا ہے۔ عجب مروت و دُور اندیشی کا خیال ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہر مومن کو یقین کے قلم سے لوح دل پر یہ مضمون لکھ کر اس پہ عامل ہونا چاہئے تاکہ دین و دُنیا کی بھلائی حاصل ہو + ۱۲ مؤلف حقیر۔

گردن سی شئے تنہائی میں جسم سے جُدا ہو گئی - اور سب دوست تو علیحدہ ہوئے ہی تھے گردن نے بھی ساتھ چھوڑ دیا - بلاغت کی شان سے اختصار بھی ہے - جس مضمون کو مرزا صائب نے ایک شعر میں کہا تھا - اُس کو مرزا صاحب نے ایک مصرع میں ادا کر دیا - یہ مرزا مرحوم کا کمال بھی قابل داد ہے +

ناظرین!! میں اس مضمون کو اس لئے طُول دینا نہیں چاہتا - کہ میرے بعض احباب مانع ہیں - اور اُن کی یہ رائے ہے - کہ زمانہ ایسے مضامین کی قدر کرنے پر طیّار نہیں ہے - ورنہ بہت سا مصالح ایسے مضامین متقابلہ کا فراہم کر چکا ہوں - اگر ان مضامین کی ملک میں قدر ہوئی - اور ناظرین نے نظر پسند سے دیکھا - اور رغبت ظاہر کی - تو انشاء اللہ آئندہ کتاب کے دوبارہ چھپنے پر اس سے زیادہ ایسے اشعار پیش کر دُونگا - ورنہ خیر +

باب چہاردہم - کلام بعض شعراء ہند و کلام مرزا مرحوم

فصل ۱ کلام شعرائے ہند و کلام دبیر

اس باب میں چند ایسے شعر لکھتا ہوں - کہ جن کا مضمون قریب قریب ہے - تا کہ ناظرین کو معلوم ہو سکے - کہ مرزا صاحب اگر کسی معمولی مضمون کو بھی کہتے ہیں - تو ایک نہ ایک لفظ یا بات ایسی کہتے ہیں - کہ وہ مضمون گویا نیا ہو جاتا ہے - ازبسکہ گروہ شعرا میں میر تقی میر مرحوم بہت بڑے قابل تعظیم اُستاد مانے جاتے ہیں - اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے - کہ ع آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں - اس لئے میں تبرّکاً میر صاحب سے اس باب کو شروع کرتا ہُوں +

و نظیر ایک شعر میر انیس

(۱) میر مرحوم فرماتے ہیں - ؎

میرے تغیّر رنگ پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

نسیم لکھنوی

نسیم لکھنوی گلزار نسیم میں کہتے ہیں - ؎

جامے سے جو زندگی کے تھی تنگ　　کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ

مرزا مرحوم شیریں کنیز امام حسینؑ کی پریشانی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

اندیشوں نے یہ حال کو تبدیل کیا تھا　　پوشاک بدلنا بھی۔ غرض۔ چھوڑ دیا تھا

تغیّر رنگ کے مضمون کو مرزا صاحب ایک اور مرثیہ حال جناب سکینہ میں بالکل نئے طرز پر فرماتے ہیں۔ ناظرین! دیکھئے لفظوں ہی سے مضمون یوں پیدا کرتے ہیں۔

تغیّر رنگ

وہ رُخ کہ روح فاطمہؑ جس پر پڑھے درود　　رنگ اُس کا حادثہ سے بدلتا تھا زُود زُود

زردی کبھی عیاں تھی سفیدی کبھی نمود　　تھا سرخ اشک سرخ سے سیلی سے تھا کبود

نیرنگ بے پدر کو زمانہ دکھاتا تھا

اک رنگ منہ پہ آتا تھا اک رنگ جاتا تھا

چھٹا مصرع اس لئے لاجواب ہے۔ کہ اس میں پوری مثل نظم فرما دی ہے۔ ع اک رنگ منہ پہ آتا تھا اک رنگ جاتا تھا۔ انتہائی تشویش و اضطراب و مصیبت میں آدمی کی یہی حالت ہوتی ہے اور اُس حالت کو یوں ہی بولتے ہیں کثرت سے بولنے کے سبب اب یہ مثل ہو گئی ہے مثل کو چاروں مصرعوں میں چار رنگوں {زرد، سفید، سرخ، کبود (نیلا)} کو بیان کرکے اصل کر دکھایا ہے۔ شاعری کی معراج کمال یہ ہے۔ کہ ایسے مثل ہی سے مضمون پیدا ہو۔

(۲) نسیم لکھنوی کی گلزار نسیم لاجواب مثنوی میں یہ مشہور شعر قلم کی نسبت نعت و منقبت میں ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ؎

نسیم لکھنوی
پانچ انگلیاں اور پنجتن پاکؑ

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے　　یعنی کہ مطیع پنجتنؑ ہے

مرزا صاحب کے بیت مندرجہ تحت میں قلم کا مضمون نہیں ہے۔ پانچ انگلیوں اور پنجتن پاکؑ کا مضمون ہے۔ مگر بالکل نیا۔ اُس سے بالکل علیحدہ۔ یہ علم نہیں کہ مرزا مرحوم کا شعر مقدم ہے یا نسیم آنجہانی کا۔ ؎

پانچ انگلیوں سے ہم نے چُنا ایک بات کو　　بس پنجتنؑ کے سامنے پھیلاؤ ہات کو

ہاتھ پھیلانا سوال کرنے کے معنی پر اردو کا روزمرہ ہے یعنی پانچ انگلیاں خدا نے اس لئے بنائی ہیں۔ کہ ہم پنجتن ؑ سے سائل ہوں۔ اور کسی دروازہ پر نہ جائیں۔ کسی سے نہ مانگیں۔ اللہ اللہ کیا زور تخئیل ہے۔ کتنا معقول شاعرانہ استدلال ہے جس کو شعراحسن تعلیل کہتے ہیں*

(۳) جناب میر تقی میر مرحوم فرماتے ہیں:۔ (قطعہ)

گو توجہ سے زمانے کی جہاں میں مجھ کو
جاہ وثروت کا میسّر سروساماں نہ ہوا

شکر صد شکر کہ میں ذلّت وخواری کے سبب
کسی عنوان میں ہم چشم عزیزاں نہ ہوا

مرزا صاحب کہتے ہیں:۔ (رباعی)

سر کو سرگشتہ بہر ساماں نہ کیا
دل کو پئے جمع زر۔ پریشاں نہ کیا

ہم تو ہیں ترے شکر گذار اے گردوں
احساں کیا جو ہم پر احساں نہ کیا

ناظرین! دیکھئے مضمون کو الفاظ کی خوبی۔ بندش کی چستی وصفائی۔ زبان کی لطافت بیان کی متانت نے کس اوج پر پہنچا دیا ہے۔ سر کے ساتھ سرگشتہ اور پھر اُس کے برابر سامان کا لفظ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سروساماں بولتے ہیں اُسی کے دو ٹکڑے کر دئے ہیں۔ پھر دل کو روپیہ جمع کرنے کے واسطے پریشان کرنا کیا عمدہ بات ہے۔ جمع وپریشان باہم ضدین ہیں۔ صنعت تضاد اور اس بے تکلّفی کے ساتھ ہے۔ کہ یہاں جمع وپریشان کے سوا دُوسرے لفظ ہی نہیں لاسکتے۔ پھر چرخ کا شکریہ بھی ہے۔ تو نئے انداز کا۔ کہ ہم پر تو نے بھی احسان کیا۔ کہ کوئی احسان نہ کیا۔ تو احسان کرتا۔ تو سروسامان اور مال فراہم ہوتا۔ اُس سے سر کو سرگشتگی اور دل کو پریشانی ہوتی۔ بے زری اور مفلسی کی بدولت ان تمام مصیبتوں سے بچے۔ کیسی بے تکلّف نظم ہے۔ طبیعت کی روانی اور شاعر کے قدرتی شاعر ہونے کا انہیں باتوں سے پتہ چلتا ہے*

(۴) جناب میر تقی میر مغفور کے مشہور بہتر نشتروں میں سے شعر تحت ۷۲

ایک لاجواب نشتر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

اب مرزا دبیر مرحوم کی رباعی سنئے:۔

عابدؑ کہتے تھے آسرے ٹوٹ گئے باغِ چمنِ فاطمہؑ سب لوٹ گئے
خواب و خورش و تاب و تواں صبر و قرار سب ہم سے چھٹے جب سے پدر چھوٹ گئے

حق یہ ہے۔ کہ میر تقی مرحوم کا شعر نشتر ہے۔ مرزا مرحوم کی رباعی خنجر ہے جس میں درد بڑھا ہوا ہے۔ شاید اس کا یہ سبب ہو۔ کہ اہل بیتؑ کی مصیبتیں تمام دنیا کی ہر قسم کی مصیبتوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں۔ پس ان کے بیان میں بھی (شاعر مقبول کی زبانی) وہی اثر ظاہر ہو گیا +

(۵۱) خاقانی ہند ذوق دہلوی نے ایک لاجواب مطلع کہا ہے وہ یہ ہے۔

تو جان ہے ہماری گر جان ہے تو سب کچھ ایمان کی کہینگے ایمان ہے تو سب کچھ

واقعی بقول صفیر بلگرامی سب کچھ کا تعلق بس جان و ایمان دونوں ہی چیزوں سے ہو سکتا ہے

دبیر الملک جناب غالب ایک نئی ادا سے اس کے قریب قریب فرماتے ہیں۔

کیوں نہ اس بت سے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

واقعی بقول خواجہ حالی صاحب اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اگر جان عزیز رکھونگا تو وہ (بت) ایمان لے لیگا۔ (۲) اس پر جان قربان کرنا عین ایمان عاشق کا ہے

حضرت دبیر مرحوم کے محبوب و ممدوح دنیا کے معشوقوں سے بدرجہا افضل ہیں ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ وہ اپنے محبوب حضرت عباسؑ کی مدح میں کہتے ہیں۔

ایمان کو یہ جانتے تھے جان سے پیارا اور حضرت شبیرؑ کو ایمان سے پیارا

جان سے بڑھ کر ایمان اور ایمان سے زیادہ خدا کے پیارے امام حسینؑ کو سمجھنا ایسا

خاقانی ہند ذوق۔ محبوب و جان و ایمان دبیر الملک غالب

اعلیٰ مضمون ہے۔ جس کی داد صرف اہل ایمان دے سکتے ہیں۔

(۶) پرانی روشوں کے ناسخ اور زبان کو باقاعدہ بنانیوالے جناب ناسخ مرحوم فرماتے ہیں:۔

جناب شیخ ناسخ مصلح اردو لطف تشبیہ

ماہ نو ہے مثل ابرو لیکن اُس کا رو نہیں ماہ کامل صورت رو ہے۔ مگر ابرو نہیں

اب مرزا مرحوم کی فکرِ دماغ کو ملاحظہ فرمائیے۔ کس قدر مضامین کس بیساختہ پن سے نظم فرما گئے ہیں:۔

(۱) اس رو کے مقابل کوئی اب رو نہیں رکھتا آئینہ کے رو ہے فقط۔ ابرو نہیں رکھتا
خوش رنگ ہے لالہ پہ یہ خوشبو نہیں رکھتا بو رکھتا ہے گل ان کی سی۔ پر خو نہیں رکھتا
دنداں ہیں صدف کے۔ لب خنداں نہیں دیکھے
غنچے کے دہن ہے دُرِ دنداں نہیں دیکھے

(۲) ایضاً

رو دار ہے خورشید پر ابرو نہیں رکھتا ابرو مہ نو رکھتا ہے پر رو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہے طوبےٰ پہ یہ گیسو نہیں رکھتا سنبل کے ہیں گیسو۔ قدِ دلجو نہیں رکھتا
گر آنکھ ہے نرگس کی تو بینائی نہیں ہے
غنچے کے دہن ہے تو یہ گویائی نہیں ہے

ایک دوسرے مرثیہ میں فرماتے ہیں:۔

بو ہے گلِ جنت میں یہ رخسار نہیں ہے ایمن میں تجلی ہے یہ دیدار نہیں ہے
قد رکھتا ہے طوبےٰ پہ یہ رفتار نہیں ہے شیریں لبِ کوثر ہے پہ گفتار نہیں ہے
آئینہ میں رو ہے یہ خط سبز کہاں ہے
غنچے کے دہن ہے نہ زباں ہے نہ بیاں ہے

اس سے معلوم ہوگا۔ کہ مرزا صاحب جس مضمون کو لیتے ہیں۔ اُس کے تمام پہلو اس خوبی سے

بیان فرماتے ہیں۔ کہ پھر کوئی مضمون آئندہ کسی شاعر کے لئے گویا باقی نہیں چھوڑتے۔ یہ جامعیت دوسرے شعرا کے کلام میں کم نظر آتی ہے

مصافحۂ مرزا غالب مرحوم و مرزا دبیر مغفور

فصل ۲ — دبیر و غالب میں مناسبتیں

مرزا غالب اور مرزا دبیر میں بہت سی مناسبتیں حالات و کلام میں مجھے نظر آتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کا قدردان و مداح تھا۔ ہمارے زمانہ کے مبصر سخن عالم علوم مشرقیہ و مغربیہ دستگیر اہل کمال جناب مسٹر حامد علی خاں صاحب بیرسٹر لکھنؤ کا یہ ارشاد کہ اگر بلینک ورس (غیر مقفّٰی نظم) کا ہندوستان کے شاعروں میں (مثل شعراء یورپ کے) رواج ہوتا۔ تو سب سے بڑھ کر یہی دونوں شاعر (غالب و دبیرؒ) کامیاب ہوتے۔ اور ان دونوں میں بھی غالباً دبیرؒ کو زیادہ کامیابی ہوتی۔ مجھے بہت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اب میں ذیل میں چند مناسبتیں لکھتا ہوں:۔

مناسبت قومی تخلص و خطاب

(۱) دونوں شاعر مغل ہیں۔ ایک کا تخلص دبیر دوسرے کا خطاب دبیر الملک ہے +

دو بڑے شہروں سے نسبت ولادت و وفات

(۲) مرزا غالب اکبرآباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں جا کر رہے اور دفن ہوئے۔ اسی طرح مرزا دبیر دہلی میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں رہے اور پیوند زمین ہوئے۔ ان دونوں شاعروں کی وجہ سے ہندوستان کے دو بڑے بڑے شہروں کو فخر و مباہات ہے +

عمر و تاریخ وفات شاعرانہ

(۳) مرزا غالب آٹھویں رجب سنہ ۱۲۱۲ ہجری کو پیدا ہوئے۔ دوسری ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری (۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ع) کو تہتر برس اور قریباً چار مہینہ کی عمر پاکر (بقول جناب خواجہ حالی صاحب) انتقال فرمایا۔ غریب تاریخ وفات اور آہ غالب بمرد تاریخ وفات ہے (۱۲۸۵) + مرزا دبیرؒ کی پیدائش ۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۸

کی ہے۔ وفات ۳۰ محرم سنہ ۱۲۹۲ ہجری کو ہوئی۔ تہتر برس ۸ مہینے ۱۹ دن کی عمر پائی
بخت دبیر سے سال ولادت اور آیۂ وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنیٰ سے سال ہجری
وفات نکلتے ہیں۔ جو مؤلف حقیر نے نکالے ہیں +

مزاج

(۴) مرزا غالب مرحوم انتہا درجہ کے رند مزاج سُنے جاتے ہیں ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مرزا دبیر مغفور بدرجہ کمال متقی و پرہیزگار تھے۔ ع

خدا بخشے۔ ہزاروں خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

غرض یہ ہے۔ کہ دونوں بزرگوار اپنے اپنے رنگ میں پکّے تھے +

(۵) جلوہ خضر و سرور ریاض کے حوالہ سے مَیں اُوپر لکھ چکا ہُوں۔ کہ
مرزا غالب مرزا دبیر مرحوم کے قدردان و مدّاح تھے۔ اور یہ فرماتے تھے۔ کہ مرثیہ گوئی
حق دبیر کا ہے۔ دُوسرا اس راہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح تحقیق طور پر
مجھے معلوم ہُوا ہے۔ کہ مرزا دبیر مرحوم کی صحبت میں جب مرزا غالب مرحوم کا ذکر خیر ہوتا
تھا۔ اور اُن کا کچھ کلام پڑھا جاتا تھا۔ تو مرزا صاحب ایک ایک شعر کی تعریف و
تشریح فرما کر بعض مرتبہ گھنٹوں وجد فرماتے تھے۔ اور اکثر فرماتے تھے۔ کہ ایسا قدرتی
عالی دماغ شاعر ہندوستان تو کیا ایران و عرب میں بھی شاید ہی نکلے۔ بعد غدر
۱۸۵۷ء جب مرزا عباس بیگ مرحوم اودھ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہو کر آئے
اور لکھنؤ میں رہے۔ تو یہ بزرگوار[۲] مرزا غالب مرحوم کے حقیقی بھانجے اور مرزا دبیر مغفور کے

ڈپٹی مرزا عباس بیگ مرحوم

۱ دبیر مغفور نے غالب مرحوم سے ۳ برس ۹ مہینے زیادہ عمر پائی۔ یہ قدرتی اشارہ ہے کہ وہ دنیا رو کے مدّاح نہ تھے بلکہ پنجتن پاک کے شاعر مقبول تھے +

۲ یہ حالات کچھ میں نے اپنا نانا مرحوم سے کچھ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ سے سُن کر لکھتا ہوں۔ مَیں خود بھی ڈپٹی عباس بیگ کی خدمت میں اپنے نانا مرحوم کے ساتھ بارہا گیا ہوں۔ اور محرم کی مجلسوں میں جو ۸ بجے سے ۱۲ بجے رات تک ہوتی تھی اپنے نانا کی پیش خوانی میں کبھی کبھی سلام بھی مَیں نے پڑھا ہے۔ افسوس کیا صحبتیں تھیں اور کیا صورتیں تھیں + ۱۲ مؤلف حقیر۔

معتقد خاص تھے۔ شعر کہتے بھی تھے (غالباً اپنے ماموں کے شاگرد تھے) اور جیسا کہتے تھے اُس سے بہتر شعر کے حسن و قبح کو سمجھتے تھے۔ اکثر مرزا صاحب کے روبرو مرزا غالب مرحوم کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور مرزا صاحب حسب مذکورہ داد دیتے تھے۔ ان کے نام جو خطوط مرزا غالب مرحوم بھیجتے تھے۔ افسوس کہ وہ نہ عودِ ہندی نہ اردوئے معلّٰی میں چھپے۔ اُنہیں خطوں میں برابر مرزا دبیر کو سلام اور ایک نہ ایک پھڑکتا ہوا فقرہ بطور پیام وہ ضرور تحریر فرماتے تھے۔ ان کے فرزند مرزا فیاض بیگ مرحوم حاتم تخلّص (جو منصف بھی ہو گئے تھے) جناب استاذی حضرت اوج مدظلہ کے شاگرد تھے۔ جن کے بعض سلام دفتر ماتم میں چھپے ہیں[۱]۔

فیاض بیگ حاتم مرحوم

یادگار غالب سے حکایت

خواجہ حالی صاحب یادگار غالب میں سید اکبر مرزا صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ "ایک دفعہ مرزا دبیر مرحوم نے اس شعر غالب مغفور پر

مزدِ شفاعت وصلہ صبر و خوں بہا[۲] ہیچ از کسے نخواستہ الّا گریستن

مصرع لگائے تھے۔ مگر اُن کو خود پسند نہ آئے۔ اور یہ کہا۔ کہ جس رتبہ کا یہ شعر ہے۔ ویسے مصرع نہیں لگ سکتے"۔ ہرچند میں نے لکھنؤ میں جناب مرزا اوج قبلہ یا نانا مرحوم یا اور کسی اور بزرگ سے یہ روایت نہیں سُنی۔ مگر مرزا دبیر مرحوم کی عادات و اخلاق کی رُو سے میں کہتا ہوں۔ کہ یہ حکایت بالکل سچی ہے۔ درحقیقت یہ شعر بڑے پایہ کا ہے۔ اور مرزا دبیر ایسے ہی قدردان اور صاف گو تھے۔ اگر اس پایہ کے مصرع نہ لگ سکے ہونگے۔ تو ضرور صاف صاف کہدیا ہوگا۔ کہ یہ صاف گوئی بھی کامل کی دلیل کمال ہے۔ کہ وہ اپنے عجز طبیعت کے بیان میں کبھی نہیں شرماتا[۲]۔

---

[۱] میں نے سنہ ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ جاکر ان خطوط حضرت غالب مرحوم کو ان کے خاندان میں تلاش کیا۔ مگر افسوس کامیابی نہ ہوئی۔ ورنہ ان خطوں سے بہت سی باتیں حیات دبیر کے اندراج کے قابل معلوم ہوتیں۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

[۲] دیکھئے معیار میں جناب شیخ نصیر الدین محقق نے جس موقع پر فوائد علم عروض کو بیان فرمایا ہے۔ دہاں لکھتے ہیں کہ علم عروض کے پڑھنے سے جو شخص موزوں الطبع نہ ہو وہ بھی موزوں ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کیفیت میں نے اپنی دیکھی۔ دیکھئے اپنے نقص عیب کو کس طرح صاف صاف بیان فرما دیا۔ ۱۲ مؤلف

دقیق و سلیس ہر قسم کا کلام

(۶) جس طرح مرزا غالب مغفور کا کلام متضاد دقیق و سلیس دونوں قسم کا موجود ہے اُسی طرح مرزا دبیر مبرور کا دونوں طرح کا کلام موجود ہے۔ جب وہ دقیق کلام کہتے ہیں۔ تو بڑے بڑے عالم گھنٹوں سوچا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے کچھ پیندیہ تو سمجھتے ہی نہیں۔ بلکہ اُس کو مہمل بتا دیتے ہیں۔ المرء یقیس علیٰ نفسہ (ہر شخص اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے) کی مثل کو اصل کر دکھاتے ہیں۔ اور جب وہ سلیس کلام کہتے ہیں۔ تو اُس سے بڑھ کر نظم تو نظم دُوسرا نثر بھی ایسی عام فہم نہیں لکھ سکتا۔ چنانچہ دونوں طرح کے نمونے ہم نے دونوں جلدوں (بالخصوص جلد دویم) میں بکثرت پیش کر دئے ہیں۔

کلام

مصیبت میں شکایت

(۷) مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں ؎

زندگی اپنی جب اس طور سے گذرے غالب ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

انتہا کی شوخی و بیباکی اس شعر میں ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت ہی افلاس اور تنگی و مصیبت کے وقت دلِ مجروح سے (یہ شعر) نکلا ہے۔ اسی کے قریب قریب فارسی میں بھی (مگر مہذب طرز میں) فرماتے ہیں ؎

گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت میتواں گفت کہ این بندہ خداوند نداشت ✲

اب مرزا دبیر مغفور کے شعر کو دیکھئے۔ کہ اصل مضمون تو یہی ہے۔ مگر کس قدر مہذب طرز میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ شوخی و بیباکی کا شائبہ بھی نہیں۔ جناب فاطمہ صغرےٰ اپنی نانی ام المومنین جناب ام سلمہ سے اپنی مصیبتیں بیان کرتے کرتے فرماتی ہیں ؎

دن زیست کے باقی ہیں سو رو رو کے بھرونگی مرتے ہوئے دُنیا کا میں کیا یاد کرونگی

✲ اس شعر کا ماخذ شاید یہ شعر امام زین العابدینؑ کا ہو جبکہ وہ جناب شام کے رستے میں پڑھتے اور اونٹوں کی مہار کھینچتے جاتے تھے۔ اُقاد ذلیلاً فی دمشق کانّنی۔ عبد من الزنج غاب عنہ نصیر۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ میں اس ذلت سے مقید ہوں جیسے کوئی زنگبار کا غلام ہو۔ غلام بھی ایسا کہ جس کا آقا سر پر سے اٹھ گیا ہو۔ ۱۲ مؤلف حقیر۔

دونوں اُستادوں کے (اُردو کے) شعروں میں جو باریک فرق ہے۔ وہ ہونا چاہئے۔ یعنی غالب
مرحوم نے غزل میں یہ مضمون ادا کیا ہے۔ اس لئے ویسے الفاظ ہیں۔ جو غزل کی شوخی و بیباکی
کے مناسب حال ہیں۔ مرزا دبیر مرحوم نے مرثیہ میں یہ مضمون ادا کیا۔ وہ ایسے الفاظ متین لائے۔
جو مصیبت زدہ کی زبانی لانے لازم تھے۔ پھر اُس پر طرّہ یہ کہ خاص عورتوں کے محاورے
و روزمرہ کا خیال رکھا۔ کہ "دن زیست کے رو رو کے بھرنا" شریف عورتیں ہی زیادہ تر بولتی
ہیں۔ یہ وہ نکات شاعری ہیں۔ جن کو شاعر اہل زبان خوب سمجھ سکتے ہیں +

(۸) غالب مرحوم۔ بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ + لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر۔
دبیر مغفور۔ گو گوہر سخن کا مرے جوہری نہیں + یوسفؑ کا کیا ضرر ہے اگر مشتری نہیں۔
غالب مرحوم تو کہتے ہیں۔ کہ جب کبھی لائق خریدار ملتا ہے۔ تو کلام کے ساتھ میں خود بھی بک جاتا
ہوں۔ مگر دبیر فرماتے ہیں۔ میرے گوہر مضمون کا کوئی مشتری ہی نہیں۔ پھر بھی کچھ پروا نہیں۔
اور عزّت کلام میں کمی و فرق نہیں آسکتا۔ جیسے حضرت یوسفؑ کے خریدار نہ ہونے سے اُن کے
حسن و عظمت کا کچھ نقصان نہیں +

(۹) مرزا غالب اپنی بے سرو سامانی پر ان لفظوں میں شکر خدا کرتے ہیں ؎

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

مرزا دبیر الفاظ ذیل میں اپنا استغنا ظاہر کرتے ہیں۔

مدّاح ہوں میں امام بے سر کا دبیر — سامان کیسا۔ کہ سر بھی درکار نہیں

(۱۰) حضرت غالب اپنے ایک خط میں منشی نبی بخش کو لکھتے ہیں "میں بھی تمہارا ہمدرد
ہوں منگل کے دن ۱۸ ربیع الاول کو میری وہ پھوپھی کہ میں بچپن سے آج تک اُس کو ماں سمجھتا
تھا اور وہ بھی مجھ کو بیٹا سمجھتی تھی مر گئی۔ گویا نو آدمی میرے مرے۔ ۳ پھوپھیاں ۳ چچا
ایک باپ ایک دادی ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے میں یہ جانتا تھا۔ کہ ۹
آدمی زندہ ہیں۔ اُس کے مرنے سے میں نے جانا۔ کہ ۹ آدمی مر گئے +

یہی خیال جناب دبیر مرثیہ میں لاش علی اکبرؑ پر اُن کی والدہ کی زبانی ظاہر کرتے ہیں مگر صرف ایک بیت میں۔ یہ اختصار بھی قابل داد و لائق دید ہے۔

کوئی نہ رہا کنبہ میں میرے علی اکبرؑ | سب مر گئے اک مرنے سے تیرے علی اکبرؑ

(۱۱) غالب مرحوم فرماتے ہیں۔

قوی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالب | ندیدہ کہ سُوئے قبلہ پُشت محراب ست

مرزا دبیر سراپائے ممدوح کی مدح میں فرماتے ہیں:۔

دیکھا جو مہِ نو نے اس ابرو کے شرف کو | کعبہ کی طرف پُشت کی رُخ ان کی طرف کو

اور خاص محراب کی کجی کا مضمون بھی مرزا دبیرؒ کا دیکھنے سُننے کے قابل ہے۔

شکوہ بے جا ہے کج نہادوں کا دبیر | مسجد میں بھی رُو بقبلہ محراب نہیں

مطلب یہ ہے۔ کہ جس کی بُنیاد ہی ٹیڑھی ہو۔ وہ کبھی سیدھا نہیں ہو سکتا۔ جیسے محراب مسجد کہ اُسکی نیو ہی ٹیڑھی (کج) اُٹھائی گئی ہے۔ پس اُس کا مُنہ قبلہ کی طرف کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی حال کج نہاد آدمیوں کا ہے۔

(۱۲) مرزا غالب مرحوم فارسی کے ایک مخمس میں فرماتے ہیں۔

رسمیست خسروانہ کہ شاہاں بروز بار | گیرند کار خویش ز دستور و پیشکار
دستور حق نبیؐ و خداوند۔ دستیار | میگویم و ہر آئینہ گویم ہزار بار
کار خدا بعرصۂ محشر کنند علیؑ

ان کا تو ادّعا ہے۔ کہ قیامت میں خدا کا کام جناب امیرؑ کرینگے۔ مگر مرزا دبیر مغفور ذیل کی رباعی میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ جناب دُنیا میں بھی خدا کا کام کرتے ہیں۔

حل عقدوں کو شاہ پل لتے کرتے ہیں | حق بندگیٔ حق کا ادا کرتے ہیں
مارا بھی۔ جلایا بھی۔ نُصیری کو دبیر | بندے ہیں مگر کارِ خدا کرتے ہیں

(۱۳) جناب غالبؒ خاصان خدا کی شان میں ایک فارسی کے قصیدہ میں فرماتے

محراب پشت بقبلہ است

خاصان خدا کی شان عالی

ہیں۔ سے

رہرواں چوں گہر آبلۂ پا بینند — پائے را پایہ فراتر ز ثریا بینند
(سالکان طریقت)

ہرچہ در دیدہ عیانست۔ نگاہش دارند — ہرچہ در سینہ نہانست ز سیما بینند

قطرۂ راکہ ہرکہ آئینہ گہر خواہد بست — صورت آبلہ بر چہرۂ دریا بینند

(۱) یعنی خاصان خدا۔ سالکان طریقہ رضا جب راہ چلتے چلتے اپنے تلووں میں چھالے دیکھتے ہیں۔ تو وہ اپنے پاؤں کو ثریا سے اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ (۲) آنکھوں میں ظاہر بظاہر جو دیکھتے ہیں۔ اُس کی لم کو پہنچ جاتے ہیں اور محفوظ رکھتے ہیں۔ دل میں جو کچھ ارادہ ہے۔ وہ چہرہ انسان کو دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ (۳) جو قطرہ آئندہ موتی بنیگا۔ اُس کو چہرۂ دریا پر اس طرح دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے کسی کے منہ پر آبلہ ہو۔ اور وہ صاف نظر آئے + یہ خدا کے خاص مقرب بندوں کی شان ہے سبحان اللہ کس لطافت و فصاحت سے بیان فرمایا ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اور کس قدر بلیغ مضامین ہیں۔ اللہ اللہ + اب مرزا دبیر مغفور کی اردو کی نظم دیکھئے۔ وہ خاصان خدا کے اختیارات کے ساتھ ساتھ اُن کی مجبوری کی شان بھی دکھاتے ہیں۔ مگر اُس مجبوری میں اُن کی عظمت نمایاں ہے۔ یہ دوسرا کمال ہے معصوم کی مدح شاید اس سے بہتر ہو سکے:۔

قدرت یہ ہے کہ غیب کے اسرار دیکھ لیں — اپنے محل ہے خلد کا گلزار دیکھ لیں
چیونٹی کی یہ اندھیرے میں رفتار دیکھ لیں — آنکھوں میں نبض مردم بیمار دیکھ لیں
قدرت ہے سب طرح کے سفید و سیاہ کی
لیکن نہ ہے۔ نہ ہوئیگی۔ طاقت گناہ کی

یہ بند امام حسینؑ کی مدح و منقبت میں فرمایا ہے۔ اس کے دوسرے مصرع میں اُس واقعہ مشہور کی طرف اشارہ ہے۔ کہ امام مظلوم و معصوم نے اپنے خدا پرست صحابیوں کو روز عاشور سنہ ۶۱ھ صبح کی نماز کے بعد اُن کے جنت میں مکانات رفیع دکھائے تھے۔ جس سے اُن کا جوش ایمان زیادہ ہو گیا تھا۔ کس خوبی سے اختیارات بیان کر کے کہا ہے۔ کہ ہر چیز پر اُن کو قادر مطلق نے قدرت بخشی ہے

مگر گناہ کرنے کی اُن میں طاقت وقوت نہیں ہے۔ وہ اُن کا اختیار تھا۔ یہ (عصمت) گویا جبر ہے۔

کیا اردو میں ایسی نظم اور جگہ آپ کو مل سکتی ہے؟

صلہ کا طالب نہیں

(۱۴) مرزا غالب مرحوم کا یہ مشہور شعر مجھے بہت پسند ہے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب اُن کے مخالفین اُن کے بعض دقیق کلام کو سُن کر کہتے تھے۔ کہ یہ بے معنی ہے۔ اُس وقت مستغنی المزاج مرزا صاحب یہ شعر پڑھ کر اپنی جان چھڑاتے تھے۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

اُس قدر تو نہیں۔ مگر کبھی کبھی بعض کلام مرزا دبیر مغفور کو بھی سنکر اُن کے کم علم حریف کہتے تھے۔ کہ اس کلام میں معنی پہنائے جائیں جب معنی ہوں۔ مرزا صاحب موصوف اُن کو ذیل کے بند میں جواب دیکر اپنی استغنا کی شان دکھلاتے ہیں:۔

طالب نہیں صلہ کا امیر و فقیر سے
دل ہے غنی ولائے جناب امیرؑ سے
نز جیح ہے عطارد گردوں سریر سے
معجز بیاں ہُوں قدرت رب قدیر سے
سایہ میں بُوتراب کے یہ خاکسار ہے
کیسا ہُما۔ فلک کے بھی سایہ سے عار ہے

مطلب یہ ہے۔ کہ مجھے نہ کسی امیر سے غرض ہے کہ وہ کچھ دے۔ نہ فقیر سے مطلب کہ وہ تعریف کرے اپنے ممدوحؑ سے کام ہے۔ مشہور ہے۔ کہ ہما کا سایہ جس پر پڑ جاتا ہے۔ وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کسی بادشاہ اور رہنمائے بادشاہ گر کا تو کیا ذکر ہے مجھے آسمان کے سایہ سے بھی عار ہے۔ بس سایۂ حضرت ابوترابؑ درکار ہے۔ یہ اُس استغنا کی تصویر ہے۔ جو مرزا مرحوم کی طبیعت میں تھا۔

خالص عبادت

(۱۵) غالب مرحوم فرماتے ہیں۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

مطلب یہ ہے۔ کہ بندہ جو کچھ خدا کی عبادت کرے۔ وہ اس لالچ سے نہ کرے۔ کہ اس کے صلہ

میں جنّت پاؤنگا۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ بہشت ہی کو لیکر دوزخ میں ڈال دو۔ تاکہ بہشت کی نعمتوں کی ہوس ہی دل میں نہ رہے۔ اگرچہ بظاہر مرزا غالب صاحب نے یہ مضمون طرز بے باکانہ میں ادا فرمایا ہے۔ مگر مضمون شعر کا عارفانہ ہے۔ اس کا ماخذ جہاں تک میرا خیال ہے۔ جناب امیرؑ کا یہ ارشاد ہے۔ جو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۹۷ (کتاب مراسلات و کلمات حکمت حق) پر حسب ذیل درج ہے:۔ (۱) اِنَّ قَوماً عَبَدُوا اللّٰہَ رَغبَۃً فَتِلکَ عِبَادَۃُ التُّجَّارِ وَ (۲) اِنَّ قَوماً عَبَدُوا اللّٰہَ رَھبَۃً فَتِلکَ عِبَادَۃُ العَبِیدِ وَ (۳) اِنَّ قَوماً عَبَدُوا اللّٰہَ شُکراً فَتِلکَ عِبَادَۃُ الاَحرَارِ۔ خلاصہ اس کلام بلیغ کا یہ ہے۔ کہ عبادت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایک گروہ حصول ثواب کے واسطے عبادت خدا کرتا ہے۔ یہ سوداگروں کی سی عبادت ہے۔ کہ عبادت کا بدلا (ثواب) چاہتے ہیں۔ (۲) دُوسرا فرقہ عابدوں کا خدا کے عذاب سے ڈر کر عبادت خدا کرتا ہے۔ یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ (۳) تیسری جماعت ایسی ہے۔ جو خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے عبادت میں مصروف ہے۔ یہ آزادوں کی عبادت ہے۔ اس آخرالذکر عبادت کا کیا کہنا۔ جن کی عبادت محض خالصاً لوجہ اللہ ہے۔ یہ شان محمدؐ و آل محمدؐ کی عبادت کی ہے +

مضمون نہج البلاغہ

مرزا دبیر مرحوم اسی عبادت امام حسینؑ کی نسبت کہتے ہیں۔ ؎

خوف سقر۔ نہ شوق بہشت علا کا ہے
طالب وہ دو جہاں میں فقط اک خدا کا ہے

بحرین اور کلام بلیغ و فصیح کے بے بہا موتی

یعنی کلام دبیرؔ و انیسؔ کا مقابلہ

فصل ۲ کلام دبیرؔ و انیسؔ کا مقابلہ

قبل اس کے کہ میں چند نمبروں میں ان دونوں کاملوں کا کلام لکھوں یہ لکھنا واجب سمجھتا ہوں۔ کہ اکثر کلام میں ان دونوں اُستادوں کی روش بمصداق مصرع مشہور

عامِ طرز کلام دبیر و انیس میں فرق

ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔ الگ الگ نظر آتی ہے۔ میر صاحب کا زیادہ تر خیال و کمال یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلام عام فہم سلیس فصیح ہو۔ اور ہر بات کو خوب پھیلا کر بیان کیا جائے۔ مرزا صاحب کا جوہر یہ ہے۔ کہ بڑے سے بڑا مضمون تھوڑے (مختصر) لفظوں میں نظم ہو۔ کلام میں مضامین کی بارش ہو۔ تشبیہات و استعارات و صنائع سے زیور کلام مرصّع ہو۔ بلاغت کے تمام اصول پر نظر رہے۔ اسی سبب سے اُن مرحوم کے اکثر کلام کو ملک کے اہل کمال نے بلیغ مانا ہے۔ مگر ازبسکہ وہ مرحوم ہر رنگ میں کہتے ہیں۔ اور اُن کا دعوے بھی یہی ہے۔ کہ ؎

اک طرز کی تصنیف میں ہم کو ہے کلام
ہر رنگ میں جو خوب کہے خوب ہے وہ

پس جب کبھی وہ فصیح و سلیس کلام نظم فرماتے ہیں۔ اور واقعات کو پھیلاتے ہیں۔ تو سلاست و فصاحت اُس پیمانہ پر نظر آتی ہے۔ جس کو عام لوگ میر صاحب کا خاص رنگ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جب کبھی جناب میر صاحب مضمون آفرینی پر کمر باندھتے ہیں۔ تو مضامین تازہ کے دریا بہا جاتے ہیں۔ بلاغت کی داد دیتے ہیں۔ جس کو اہل سخن دبیر کا خاص رنگ سمجھے ہوئے ہیں۔ پس جہاں کہیں بمصداق آیہ کریمہ مرج البحرین یلتقیان یہ دونوں عظیم الشان دریا ملے ہیں۔ اُسی مقام بحرین سے یہ چند بے بہا موتی میں نے چُن لئے ہیں۔ جو پیشکش خدمت ناظرین میں پیش کرتا ہوں*

یہ بھی کہدوں۔ کہ بعض معاصرین کی طرح میں نے یہ نہیں کیا۔ کہ ایک کا چُست۔ دُوسرے کا سُست کلام تلاش کرکے درج کیا ہو۔ خاص کر میر صاحب کا وہ چیدہ و چُست کلام لیا ہے۔ جس کو میر احسن صاحب مؤلّف واقعات انیس یا مولوی اشہری صاحب صاحب حیات انیس۔ یا مولوی شبلی صاحب یا میرے عنایت فرما لالہ سری رام صاحب دہلوی ایم۔ اے مؤلف تذکرہ لاجواب خم خانہ جاوید نے انتخاب

فرمایا ہے۔ پس اُس کلام (میر صاحب) کا چیدہ وعمدہ ہونا یقینی ہے۔ اُس کے مقابلہ پر کلام مرزا مرحوم کا انتخاب ہے۔ جو مجھ ایسے بے بضاعت وکم فرصت نے کیا ہے۔ پس اس بنا پر ممکن ہے۔ کہ کوئی مرزا صاحب کے معتقد مجھ سے کشیدہ ہو جائیں۔ تو مَیں اُن حضرات سے عذر خواہ ہوں۔ اور میری کم فرصتی و بے لیاقتی غالباً میری سفارش کریگی۔ اور کہیگی۔ العذر عند کرام الناس مقبول۔ یہ بھی عرض کردوں۔ کہ یہ کتاب مرزا صاحب کی لائف ہے۔ پس اس میں کلام انیس مرحوم بمنزلہ مہمان ہے۔ اور مہمان کی خاطر داری واجبات سے ہے۔ اس لئے ہر جگہ مَیں نے اوّل کلام میر صاحب کو لکھا۔ مرزا صاحب کو میر صاحب سے انس قلبی تھا جس کا ثبوت تاریخ وفات انیس (مصنفہ دبیر) سے بھی ملتا ہے۔ پس اس خیال سے مجھے امید ہے۔ کہ مرزا صاحب کی روح بھی عمدہ کلام میر صاحب اوّل لکھ دینے سے خوش ہوگی۔ اور بھی کوئی صاحب تلامذہ یا معتقدین میں سے غالباً مجھ پر اس باب میں بھی عتاب نہ فرمائینگے۔ مَیں اس سے بہت زیادہ کلام ہر قسم وہر موقع کا دونوں صاحبوں کا لکھ سکتا تھا۔ مگر یہ کتاب بہت بڑی ہو جاتی۔ اس لئے ان اہم نمونوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زندہ رہا۔ اور کچھ سخن سنج آئندہ مجھ سے فرمائش کرینگے۔ تو ایک مستقل کتاب اس باب میں علیحدہ انشاء اللہ شائع کردونگا۔

مناجات و استغنا

فصل ۱۴ مناجات و استغنا (رباعیات)

انیس رح	دبیر رح
(۱) عزت رہے یار و آشنا کے آگے	قطرہ کو رہین بحر مواج نہ کر
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے	شرمندۂ اہل دولت و تاج نہ کر
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں	یا رب قسم رُوح ید اللہ تجھے
یہ ہات اُٹھیں جب تو خدا کے آگے	اُس ہات کو اس ہات کا محتاج نہ کر

آخری وقت خدا کا سامنا

(۲)

انیسؒ

آخر ہے حیات کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

دبیرؒ

رحمت کا تری اُمیدوار آیا ہوں
مُنہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل
تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں

لکھنؤ کی شاندار مجلسیں

حقیر کو اُن بعض مجالس عزا کی زیارت و شرکت کا فخر حاصل ہے جن میں مرزا صاحب یا میر صاحب پڑھتے تھے حقیقت میں سامعین کی وہ کثرت ہوتی تھی۔ کہ بعض آدمیوں کو زانو بدلنا دشوار ہو جاتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ سننے کو آتے تھے۔ دونوں کامل اس کثرت سامعین مجلس کی تصویر حسب ذیل رباعیوں میں کھینچتے ہیں:۔

(۳)

انیسؒ

اُمید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
ماشاء اللہ چشم بد دُور۔ انیس
مجلس میں جگہ نہیں ہے تل دھرنے کی

دبیرؒ

یاں مجھ کو بچھانا تھا ضرور آنکھوں کا
اس پردے میں تھا عین سرور آنکھوں کا
پر اب تو نہیں تل کے بھی رکھنے کی جگہ
آنکھوں کے عوض بچھاؤں نور آنکھوں کا*

(۴) دُنیا بے حقیقت ہے

(ایک ردیف و یکساں قافیے)

* نور آنکھوں کا کلام ہے۔ جو نور چشم کی طرح آدمی کو عزیز ہوتا ہے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بس کلام سُناؤں۔

انیسؒ	دبیرؒ
راحت کا مزہ عدوِّ جانی نکلا دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا پیاسے ہیں آکے چاہِ دُنیا پر انیس نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا جتنی کوشش راحت اُٹھانے کے لئے کی تھی اُتنا ہی جدوجہد میں رنج اُٹھایا۔ کبھی کسی کام میں کامیابی بھی ہوئی۔ تو ناقص طور پر ہوئی۔ آخرکار نامراد دُنیا سے چلے +	کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا باقی سامانِ عیش فانی نکلا چاہا تھا کہ ہات دھوئیں دُنیا سے دبیر اتنا بھی نہ اِس کوئیں میں پانی نکلا کھانے کا ذائقہ زبان تک ہے۔ پیٹ میں پہنچکر پلاؤ۔ زردہ اور جوار سب یکساں ہے۔ دُوسرے معنی مصرع اوّل کے یہ ہوئے۔ کہ طعام لذیذ کی بس زبانی تعریف ہوتی ہے۔ اور کچھ حاصل نہیں

باقی ہر چیز فانی ہے۔ دُنیا عجب مقام ہے۔ یہاں رہ کر اگر کوئی تارک دُنیا بھی ہونا چاہے۔ تو نہیں سکتی۔ اور دُنیا کو چھوڑ بھی نہیں سکتا +

(۵) حال خیر مآل حضرت حرؒ میں

حضرت حرؒ

ردیف دونوں رباعیوں کی ایک ہے مگر قافئے جدا جدا ہیں مضمون ایک ہی ہے

انیسؒ	دبیرؒ
جب حُر کا گنہ شاہِ اُمَمؑ نے بخشا قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا گردُوں سے ندا آئی کہ اے سبطِ نبیؐ تُو نے جسے بخشا اُسے ہم نے بخشا	حُر کو کیا بخت کبریا نے بخشا یہ نام اُسے بختِ رسا نے بخشا جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ مَیں نے بخشا حرے خُدا نے بخشا

رباعیاں دونوں اپنی اپنی طرز میں اچھی ہیں۔ میر صاحبؒ نے گویا خود زبان قدرت سے حضرت حرؒ کو معافی کی سند دلوادی ہے۔ مرزا صاحبؒ نے حر کے نام میں سے ایک بات نکالی۔ کہ یہ نام بخت رسا

نے بخشا جس کے معنی ہی آزاد کے ہیں۔ چوتھے مصرع میں کمال کر دیا ہے۔ کہ پورا محاورہ نظم فرما دیا ہے۔ جب کوئی عذر تقصیر کرتا ہے۔ تو جواب میں معافی دینے والا یہی کہتا ہے۔ میں نے بخشا مرے خدا نے بخشا۔ اس کو نثر کرنا چاہو۔ تو نہیں ہو سکتی۔ یہی لفظ رہینگے۔ اس کو سہل ممتنع کہتے ہیں۔ کہ دیکھنے میں تو آسان ہے۔ جواب کہنا ہو۔ تو نہیں کہہ سکتے +

موت وما بعد موت

(۶) فکر موت وما بعد موت

قافئے یکساں ہیں مگر ردیف مختلف مضمون ملتا جلتا ہے۔ دونوں رباعیاں دونوں کاملوں کے آخر عمر کے تبرکات سے معلوم ہوتی ہیں

دبیرؒ	انیسؒ
برزخ کی صعوبات* کٹے گی کیونکر	درد و الم ممات کیونکر گذرے
تنہائی میں اوقات کٹے گی کیونکر	یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
غفلت میں دبیرؒ صبح پیری ہوئی شام	پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیسؒ
دن رات ہوا۔ رات کٹے گی کیونکر	اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

موت سب جھگڑے فیصل کر دیتی ہے

(۷) موت سب جھگڑے فیصل کر دیتی ہے

ناظرین! میں آپ کی دعوت میں دو قسم کے طعام لذیذ پیش کرتا ہوں۔ ایک بقول ادیب لاثانی جناب مفتی میر عباس صاحب اعلے اللہ مقامہ (کلام انیس) شیریں اور دوسرا (کلام دبیرؒ) نمکین ہے۔ ذیل کی رباعیوں کا مطلب وہی معلوم ہوتا ہے۔ جو اوپر میں لکھ چکا ہوں۔ کہ مرنے سے سب جھگڑے جاتے رہینگے۔ مگر دونوں کاملوں نے ان دونوں رباعیوں میں ایک صنعت خاص رکھی ہے۔ جو شاعر کو ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ چوتھا شگفتہ قافیہ نہیں مل سکتا +

*برزخ بعد موت کے قیام قیامت تک کا سخت زمانہ ہے جسکو سخت تشویش و تردد کا زمانہ ائمہ اطہار نے فرمایا ہے + مؤلف

انیس رح

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیس
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

دبیر رح

میں لاکھ کہوں طبع سمجھنے کی نہیں
نافہم سے تُو مجھ کو اُلجھنے کی نہیں
ہستی کوتاہ قصۂ حرص دراز
بے موت کے گتّھی یہ سُلجھنے کی نہیں

(۸) معراج حضور سرورِ کائنات صلعم روحی فداہٗ

انیس رح

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے یہ خلق کے آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قُربِ معراجِ رسولؐ
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

دبیر رح

معراج نبیؐ میں جائے تشکیک نہیں
ہے نُور کا تڑکا شب تاریک نہیں
قوسین کے قرب سے یہ ثابت ہے دبیر
اتنا کوئی اللہ کے نزدیک نہیں

دونوں کاملوں نے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ میر صاحب کی رباعی میں ایک دقیق ولطیف اشارہ آیۂ فَاَوْحیٰ اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ کی طرف ہے۔ جس کی نسبت اپنے مقام پر طے ہو چکا ہے۔ کہ معراج کے باب میں ہے۔ اور جس کے ظاہری معنی یہ ہیں۔ کہ خدا نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اُس کو گویا عام لوگوں سے بیان نہیں فرماتا۔ میر صاحب کہتے ہیں۔ کہ یہ راہ ایسی باریک ہے جس میں سخن کو بھی راہ نہیں ہوتا۔ کہ کیا تکلم ہُوا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں (قاب قوسین او ادنےٰ کی مشہور آیت کی طرف اشارہ کر کے) کہ اس قرب (دو کمان) سے یہ ثابت ہُوا۔ کہ اور کوئی بندہ اتنا مقرب خدا نہیں ہے۔ دُوسرے ایک لطیف معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ اللہ کے نزدیک اتنا کوئی صاحب عزت نہیں۔ یہ روزمرہ ہے۔ کہ اُس شخص کے نزدیک جتنا زید ہے اتنا اور کوئی نہیں یعنی دُوسرے کو یہ پایہ و اعتبار و عزت و وثوق حاصل نہیں ؎

سفر آخرت

(۹) پیری و طیّاری سفرِ آخرت و بے ثباتیِ دُنیا

انیس رح

اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے — لے زادِ سفر کُوچ کی طیّاری ہے
مرمر کے پہنچتے ہیں مسافریاں تک — یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

دبیر رح

آج آئے ہیں کل کُوچ کی طیّاری ہے — غفلت میں کٹی عمر یہ ہشیاری ہے
دُنیا ہے عجب مقامِ حیرت نہ کھُلا — یہ عالمِ خواب ہے کہ بیداری ہے

ایضاً

اب نامِ خُدا زباں پر جاری کر — غافل دمِ آخری تو ہشیاری کر
بالوں کی سیاہی پہ سفیدی آئی — لے صبح ہُوئی کُوچ کی طیّاری کر

عبرت

(۱۰) عبرتِ عالم

انیس رح

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اَوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اک سُورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

دبیر رح

دُنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا
کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زرّیں
تربت پہ نہ اُن کی شامیانہ دیکھا

مرنا ضرور ہے

(۱۱) مرنا ضرور ہے

انیس رح

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے

دبیر رح

گر چاہتا ہے جینے کی خاطر مرنا
ہو کر شہِ مظلومؑ کا زائر مرنا

ہاں توشۂ آخرت مہیّا کر لے
غافل تجھے اک روز سفر کرنا ہے

کوئی بھی رہا ہے درمیانِ دُنیا
اوّل مرنا دبیر آخر مرنا

(۱۲) بے ثباتی عالم

انیسؒ

دُنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانند حباب ہستی انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

دبیرؒ

دُنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں
گہوارہ۔ بجز گردش ایام نہیں
آنکھوں میں سفیدی و سیاہی کی طرح
جھپکی جو پلک۔ صبح نہیں۔ شام نہیں

(۱۳) عصائے پیری

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برگ و تگرگ آیا ہے
محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

پیری سے جو ڈال قد میں خم اور ہوا
دم تیز روِ ملک عدم اور ہوا
سمجھو نہ عصا۔ سُوئے عدم جانے کو
دو پاؤں تو تھے۔ ایک قدم اور ہوا

(۱۴) شاعرانہ خودستائی (قافیہ وردیف کی مطابقت)

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

شیران مضامیں کو کہاں بند کروں
کیا طبع کا دریائے رواں بند کروں
خلّاق مضامیں تو سبھی ہیں لیکن
کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

عزم زیارت

(۱۵) عزم زیارت عتبات عالیات

انیسؒ

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہے تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؒ
کیوں رک گئے پاؤں ہات ملتا ہوں میں[۱]

دبیرؒ

گل ہو نہ - چراغ عمر جلتے جلتے[۲]
ہو جائے نہ چھاؤں دھوپ ڈھلتے ڈھلتے
چلنا ہے تو چل جلد زیارت کو دبیرؒ
آ جائے نہ موت راہ چلتے چلتے

خاکساری

(۱۶) خاکساری کی مدح

دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ
ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

بندوں پہ کرم - حضرت باری کا ہے
مقدور کسے شکر گذاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
ثمرہ یہ نہالِ خاکساری کا ہے

معرفت

(۱۷) معرفت

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدنِ کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر سو تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

خار و گل و بوستان و صحرا دیکھے
نیرنگ شب و روز کے کیا کیا دیکھے
اب قبرِ حسینؑ چل کے تو دیکھ دبیرؒ
دنیا دیکھی اور اہل دنیا دیکھے

---

۱ پاؤں - ہات میں صنعت تضاد ہے - مگر محض - بے تکلف - ایسی بے تکلف صنعت قابل داد ہے - اور اس صورت میں اثر کلام کا بڑھ جاتا ہے ۔ ۱۲ مؤلف حقیر -

۲ ناظرین! دیکھئے - دوہرے دوہرے قافیئے کس بے ساختہ پن سے آئے ہیں - اتنا قابو زبان پر ہو - جب بے تکلف قافیہ (شاعر) لا سکتا ہے ۔ ۱۲ مؤلف حقیر -

قبر

(۱۸) قبر

انیسؒ

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے　　رُخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر　　مَیں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

دبیرؒ

گھر اپنا اُجاڑ کر بسایا تجھ کو　　ڈھانپا جو کفن سے منہ۔ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش[۱]　　جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

ایضاً

مر کر بھی نہ چین زیرِ افلاک ملا　　اک تار کفن نہ گرد سے پاک ملا
اے خانہ خراب قبر! تیری خاطر　　کھویا بھی جو نقدِ جان کو تو کیا خاک ملا[۲]

(۱۹) قافیہ و ردیف یکساں مگر مضمون ایک دُوسرے کے معکوس

اب مَیں ذیل کی دو رباعیاں دونوں کاملوں کی ایسی لکھتا ہُوں جن کا قافیہ و ردیف تو یکساں ہے مگر مضمون ایک دُوسرے کے خلاف ہے۔ دبیر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو اپنے کمال کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اور اپنی تعریف آپ کرتا ہے۔ وہ خالی اور ناقص ہوتا ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ جو اہل جوہر ہیں۔ وہی اپنے کمال کا اظہار اور اس پردہ اظہار کمال میں شکر نعمت پروردگار کرتے ہیں۔ جیساکہ آیۂ کریمہ فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا مفہوم ہے۔ (کہ جب خدا تجھے نعمت دے۔ تو شکریہ وغیرہ کے ذریعہ سے اُس کا اظہار کر) جو ناقص ہیں۔ وہ دعوےٰ ہی کیا کر سکتے ہیں۔

---

[۱] قبر کی تلاش سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ بعض آدمی مدینہ منورہ یا کربلائے معلّیٰ یا نجف اشرف یا مشہد مقدس میں قبر ملنے کی آرزو دل میں لے جاتے ہیں۔ اور جہاں کی مٹی ہوتی ہے۔ وہیں ملتی ہے۔ ۱۲ مؤلف حقیر

[۲] یہ رباعی نہ اب تک تقسیم ہوئی ہے نہ چھپی ہے۔ جناب استاذی حضرت اوج مدظلہ نے کلام محفوظ میں سے بخشی ہے۔ ۱۲ مؤلف

اظہارِ کمال

دبیرؒ	انیسؒ
گنجینہ جسے ربِّ ہدا۔ دیتا ہے	رتبہ جسے دُنیا میں خدا۔ دیتا ہے
وہ دادِ عطیّۂ خدا۔ دیتا ہے	وہ دل میں فروتنی کو جا۔ دیتا ہے
خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی	کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ۔ اپنی
دریا میں ہیں موتی۔ وہ صدا دیتا ہے	جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
مطلب یہ ہے کہ ظرف حباب خالی ہے۔ اس لئے وہ کچھ آواز نہیں دیتا۔ دریا میں موتی ہوتے ہیں وہ شور کرتا ہے +	مطلب ظاہر ہے۔ کہ خالی برتن کو بجاؤ۔ تو خوب آواز دیگا +

قبر (۴۳)

دو دو رباعیاں ایک ہی مضمون و یکساں قافیہ و ردیف میں دونوں کاملوں کی بالمقابل دیکھئے اور لطفِ سخن اُٹھائیے

دبیرؒ	انیسؒ
اک دن پیوندِ خاک ہونا ہوگا	آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا
تنہا۔ تنہا لحد میں سونا ہوگا	جُز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
اِس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیرؒ	تنہائی میں آہ کون ہوئیگا انیسؒ
جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا	ہم ہوئینگے اور قبر کا کونا ہوگا
بیدار نصیب کو جو ہونا ہوگا	فردوس ہر اک قبر کا کونا ہوگا
تو دامنِ کربلا میں سونا ہوگا	مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
ہم پاؤں فلک پر بھی نہ رکھینگے دبیرؒ	راحت دُنیا میں غیر ممکن ہے انیسؒ
گر خاکِ شفا اپنا بچھونا ہوگا	آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

※ پہلی رباعیاں دونوں کاملوں کی لاجواب ہیں۔ انیس تخلص نے جان ڈال دی ہے۔ کیا عمدہ تنہائی قبر کی تصویر کھینچی ہے۔ مرزا صاحب کے یہاں تنہا کے مکرر آنے نے مصرع کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مضمون کیسا نفیس ہے۔ کہ "اس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیر۔ جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا"۔ واقعی قبر میں خاک ہی اوڑھنا وہی بچھونا ہے۔ طاب اللہ رمسہما + ۱۲ مؤلف حقیر۔

(۲۱) مدحِ شیریں سخنی

انیسؔ

کس مُنہ سے کہوں لائقِ تحسیں ہُوں مَیں
کیا لُطف جو گُل کہے کہ رنگیں ہُوں مَیں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کبھی شکر کہ شیریں ہُوں مَیں

دبیرؔ

شیریں سخنی پہ مُوردِ تحسیں ہُوں
واللہ نہ عیب بیں نہ نُکتہ چیں ہُوں
سکتے میں ہے میرے سخنِ شیریں سے
شکر کا ہے کیا مُنہ جو کہے شیریں ہُوں[۱]

(۲۲) اہلِ بیتِ محمد مصطفےٰ کی تباہی

دشمن جو یزید ستم ایجاد ہُؤا
محبُوبِ خدا کا باغ برباد ہُؤا
افسوس ہے۔ کربلا میں گھر زہرا کا
ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہُؤا

باراں سے ہر اک خشک شجر سبز ہُؤا
جو نخل چھٹا زیادہ تر سبز ہُؤا
پر باغیوں نے گلشنِ شادابِ بتولؑ
ایسا کاٹا کہ پھر نہ سرسبز ہُؤا[۲]

(۲۳) زندہ درگور ہونے کو دونوں کامل طرح یکساں قافیہ ردیف میں بیان فرماتے ہیں

کس جسم پہ بل کروں کہ شہزور ہُوں مَیں
دیکھو کہ ضعیف صُورتِ مور ہُوں مَیں
تن پر یہ پڑی ہے گردِ بازار کساد
ثابت ہونا ہے زندہ درگور ہُوں مَیں

شیریں سخنی کے فن میں شہزور ہُوں مَیں
پر بخت یہ کہتا ہے ارے شور ہُوں مَیں
اِس ہند میں طوطیِ قفس کی مانند
خوبی سے زباں کی زندہ درگور ہُوں مَیں

۱۔ اس مصرع کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ شکر کو خدا نے قوت ناطقہ ہی نہیں بخشی پھر وہ دعویٰ کیونکر کر سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ شکر کا کیا مُنہ یعنی کیا تاب و طاقت ہے۔ یہ روزمرہ ہے کہ کہتے ہیں اُس شخص کا کیا مُنہ ہے جو ایسا دعوےٰ کرے۔

۲۔ انیس و دبیر کی رباعیوں میں ایک باریک فرق ہے وہ یہ کہ میر صاحب تو محض واقعہ کربلا کو باعث بربادی بتلاتے ہیں مرزا صاحب تخصیص نہیں کرتے* بلکہ فرماتے ہیں کہ باغیوں نے ایسا کاٹا کہ پھر باغ فاطمہؑ برخلاف تمام باغوں کے سرسبز نہ ہوا اس میں تمام ائمہ طاہرین جو مصائب گذرے وہ سب آ گئے رباعیاں دونوں کی اچھی ہیں۔

(۲۴) تعریف اشکِ عزا

انیس رح	دبیر رح
مجلس میں عجب بہار چشمِ تر ہے	اشکِ غمِ شبیرؑ دُرِ یکتا ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے	ہر دیدۂ حق بیں سے یہ دُر پیدا ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی	بے اشکِ عزا آبروئے چشم ہے خاک
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے	پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

(۲۵) غدر ۱۸۵۷ء

حالِ غدر ۱۸۵۷ء میں ایک ایک رباعی یکساں قافیوں اور ردیف میں دونوں کاملوں کے کلام میں ملتی ہیں۔ دونوں کو ملا کر پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ باغیوں کی عملداری میں میر صاحب گھبرا رہے ہیں۔ مرزا صاحب تسکین دے رہے ہیں:۔

انیس	دبیر
افسوس زمانے کا عجب طور ہوُا	کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوُا
کیوں چرخِ کہن۔ نیا یہ کیا دَور ہوُا	گہ عدل گیے ظلم گیے جور ہوُا
گردش کب تک نکل چلو جلد انیسؔ	اللہ وہی ہے تُو نہ مضطر ہو دبیرؔ
اب یاں کی زمیں اَور فلک اَور ہوُا	کیا غم جو زمیں اَور فلک اَور ہوُا

(۲۶) مرثیوں میں سے قریب المضمون بند

پہلے اِس سے کہ ذیل کے بند لکھوں یہ عرض کردوں۔ کہ مضمونِ ذیل کے مُوجد مُلّا محتشم علیہ الرحمہ ہیں۔ اُن کا یہ مشہور و مقبول شعر ہے۔ ؎

روزے کہ شد بہ نیزہ سرِ آں بزرگوار خورشید سر برہنہ برآمد ز کوہسار

انیس رح

تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب نکلا تھا خُوں ملے ہُوئے چہرے پہ آفتاب

تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب　　روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

دبیرؒ

تھی بسکہ صبح قتلِ شہنشاہِ نامدار　　اہل حرم تھے جیب دریدہ اور اشکبار
تارِ شعاع سے یہی ہوتا تھا آشکار　　خورشید نے کیا ہے گریباں کو تار تار
پَو پھٹتے ہی۔ رسُولؐ کا دامان پھٹ گیا
زہراؑ کے بھی کفن کا گریبان پھٹ گیا

ایضاً

چاروں طرف تھا بسکہ ہجوم سپاہِ شام　　گویا سیاہ پوش تھا آب رواں تمام
بالکل اُلٹ دئے تھے حبابوں نے اپنے جام　　ماتم یہ تھا کہ مالکِ کوثر ہے تشنہ کام
دریا جو دُور پیاس میں تھا شہ کی فوج سے
مُنہ پر طمانچے مارتا تھا دستِ موج سے

(۲۷) راکب و مرکب

حضرت امام حسینؑ سردار و جناب عباسؑ علمدار اور دونوں حضراتؑ کے وفادار گھوڑوں کی ساتھ ساتھ مدح وثنا دونوں کاملوں نے فرمائی ہے قابل دید و لائق داد ہے۔

انیسؒ

تھا زین فرس رحل تو قرآں شہ والا
وہ تخت ہوا تھا تو سلیماںؑ شہِ والا
وہ دوشِ صبا بوئے گلستاں شہِ والا
وہ برج شرف نیّرِ تاباں شہِ والا

دبیرؒ

مرکب تو ہے۔ پر راکب ذی شاں بھی ہو ایسا
طور ایسا ہو۔ تو مُوسیٔ عمراں بھی ہو ایسا
اورنگ ہو ایسا تو سلیمانؑ بھی ہو ایسا
اس شاں کی ہو رحل تو قرآں بھی ہو ایسا

راکب و مرکب

بو گل کی نسیم سحری لے کے چلی ہے
غل تھا کہ سلیماں کو پری لے کے چلی ہے

آہو بھی مکیں۔ شیر حجازی ہو تو ایسا
غازی ہو تو ایسا ہو۔ جو تازی ہو تو ایسا

غرور

(۲۸) غرور و تکبر کی مذمت دونوں کاملوں کی زبانی سُنئے:۔

انیس رح

بد اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھُکے رہتے ہیں اکثر

دبیر رح

یہ جوشِ غرور اہلِ ہنر میں نہیں ہوتا
پانی میں ہے کف۔ آبِ گہر میں نہیں ہوتا

جنگی پہلوان

(۲۹) ایک ایک پہلوان لشکرِ یزید کی مختصر تصویریں دونوں اُستادوں کے یہاں دیکھئے:۔

میر صاحب رح

سر طبلک معکوس جبیں حد سے فزوں تنگ
غدار و سلح شور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر ہر قد و قامت کا نیا ڈھنگ
حیراں شبِ ظلمات ہو یہ تیرگی رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا منہ اُس دشمنِ رب کا
بن جائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منہ قبر سا کالا
شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کے قامت سے بلندی میں دو بالا
دانتوں کی کبودی دہن مار کا چھالا
شیر اُس کی صدا سُن کے لرز جاتے تھے بن میں
فاسد تھی ہوا ان کی۔ وہ بدبو تھی دہن میں

مرزا صاحب رح

سر تا بقدم زہر زباں سانپ دہن غار
شعلہ تھی نگہ۔ آنکھ تھی تنور شرربار
نخوت تھی وہ تیوری میں کہ تھے اپنے بھی بیزار
تلوار دھرے چہرے پہ خود بینئ غدار
اشقر پہ وہ ناری تھا کہ شعلہ پہ دھواں تھا
یا ریت کا پشتہ تھا کہ جادو سے رواں تھا

فولاد کے قلعہ میں چھپائے ہوئے سر کو
باندھے ہوئے زنجیر کے ٹکڑے سے کمر کو
دو چلتوں میں وسواس سے پنہاں کئے بر کو
اندھیر کی نیت میں لئے منہ پہ سپر کو
لڑنے میں کماں چھوٹتی تھی ساتھ سے اُس کے
آرام نہ تھا چرخ کو بھی ہاتھ سے اُس کے

(۳۰) گھوڑے کے نعلوں اور کیلوں کی تشبیہات

انیسؒ

دیکھی ہے سموں میں کسی گھوڑے کے یہ ضو بھی
اک جا ہیں ستارے بھی۔ قمر بھی۔ مہِ نو بھی

دبیرؒ

نعلوں کو دبائے ہوئے کیلوں کی ضیا ہے
پامال ستاروں نے ہلالوں کو کیا ہے

(۳۱) رجز کا ایک ایک بند جو دونوں کاملوں نے ایک ہی قافیہ و ردیف میں فرماتے ہیں:۔

انیسؒ

یہ فوج ہے کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں
کیا ڈر انہیں بچپن میں جو تلواروں سے کھیلیں
کوفہ تو ہے کیا شام کو اور روم کو لیلیں
الٹیں صفتِ کاہ اگر کوہ کو ریلیں
چاہیں تو زمیں کے ابھی ساتوں طبق الٹیں
یوں الٹیں۔ کہ جس طرح ہوا سے ورق الٹیں

دبیرؒ

رل جائیں پہاڑوں کو ہتھیلی سے جو ریلیں
اس فاقے میں دو انگلیوں پر عرش کو لیلیں
چوگان سر گردوں سے زمیں پر ابھی کھیلیں
پر حکم خدا یہ ہے۔ کہ اندوہ بھی جھیلیں
لڑنے میں بھی اپنی ہی فقط نفس کشی ہے
بخشی گئی امت یہ قیامت کی خوشی ہے*

(۳۲) شاہزادی سکینہ (چار سالہ) سے امام حسینؑ چلتے وقت گویا وصیت فرماتے ہیں:۔

انیسؒ

دنیا ہے یہ۔ شادی ہے کبھی اور کبھی آرام
راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کسی آغاز کا انجام
وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس سینے پہ آرام
ضد کرکے نہ اب باپ کو رو یا کرو بی بی
جب ہم نہ ہوں۔ تم خاک پہ سویا کرو بی بی

دبیرؒ

سینے پہ مرے سو چکیں۔ اب خاک پہ سونا
آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا
گو قہر ہے اس سن میں جدا باپ سے ہونا
لاشا مرا تڑپیگا۔ بہت مجھ کو نہ رونا
گر چاہو۔ مری روح ہو۔ ناشاد۔ سکینہ
تو غم میں مرے کیجیو۔ فریاد۔ سکینہ

*یہ قیامت کی خوشی کے ایک تو یہ معنی ہیں کہ انتہا درجہ کی یہ خوشی ہے رمز ترہ سے یہ معنی نکلے۔ دوسرے یہ قیامت کو امت بخشی جائیگی۔ کہ ہمارے صبر و شہادت وجہاد کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ لوگ ہدایت پر آ جاینگے اہل حق ناکامیابی میں ہماری نظیر پاکر حق پر قائم رہینگے۔ اس کے صلہ میں جنت پائینگے ۱۲ مؤلف خفیر۔

(۳۳) شہادت امام حسینؑ کے قریب جناب زینبؑ گھر سے نکلی ہیں:-

اضطراب و اضطرار

انیسؒ

پردہ اُلٹ کے بنت علیؑ نکلیں ننگے سر
لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھیں سر کو پیٹ کر
اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اٹّاں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش تک مرے ہاتھوں کو تھام کے

دبیرؒ

چلتی ہیں جلد اور زمیں سوجھتی نہیں
دھڑکا یہ ہے کہ ذبح نہ ہو جائیں شاہِ دیں
آنکھیں کہیں خیال کہیں اور دل کہیں
یاں لڑکھڑائیں اور وہاں مُنہ کے بل گریں
بو سونگھتی ہیں خون کے تھالے جو ملتے ہیں
دل کی طرح سے کانوں کے بُندے بھی ہلتے ہیں

(۳۴) ممدوح سے گزارش

فصل ۴ ممدوح سے گزارش

جب حکم ہو۔ کہ مانگ لے۔ کیا مانگتا ہے تُو؟
رگڑ کر کہوں قدم پہ۔ کہ دُنیا میں آبرو
ارشاد ہو۔ کہ اور بھی ہے کوئی آرزو
اُس دم کروں یہ عرض۔ کہ یا شاہِ نیک خُو
سب کچھ ہے اختیار شہِ مشرقین میں
مسکن ملے یہاں میں قبر جوارِ حسینؑ میں

مصرع کے عوض آپ سے طوبےٰ نہیں لیتا
لو جنّتِ اعلےٰ بھی یہ ادنےٰ نہیں لیتا
اب پُوچھئے کیا مانگتا ہے؟ کیا نہیں لیتا
مَیں نام زباں سے کسی شے کا نہیں لیتا
جُز نقدِ رضا کچھ مجھے منظور نہیں ہے
خادم ترا مدّاح ہے مزدور نہیں ہے

عرفان ہر چند میر صاحب کا خیال بھی اچھا ہے۔ مگر مرزا صاحب کا خلوص دیکھئے۔ کس پایۂ عرفان پر پہنچا ہوا ہے۔ یہ وہ نکتے ہیں جن کے سبب دبیر مانے جاتے ہیں:-

ایضاً

سب کچھ۔
مسکن جرا ہے اختیار شہِ مشرقین میں
یماں میں قبر جوار حسینؑ میں

ایضاً

آنکھیں رضاؑ کے روضے میں دل کاظمینؑ میں
قالب نجف میں رُوح رواقِ حسینؑ میں*

*اس موقع
*اس موقع پر بھی مرزا مرحوم نے دُعا نہیں کی ہے بلکہ دلی تمنّا بیان کردی ہے چنانچہ اُوپر کے چاروں مصرع یہ ہیں:- اک جان اور ہزار تمنّا ہے اے کریم ادنےٰ کو شوق منصبِ اعلےٰ ہے اے کریم۔ پر تیری بارگہ میں کمی کیا ہے اے کریم بندے کو آرزو دیدہ سرا پا ہے اے کریم۔ آنکھیں رضا کے الخ + ۱۲ مؤلف حقیر۔

زلف و رُخ

(۳۵) زلف و رُوئے اقدس کی مدح میں دو دو بند دونوں مداحوں کے سُنئیے :۔

انیسؒ

پیدا ہے زلف و رُوئے منوّر سے شانِ رب
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
یہ لطف عید اور شبِ قدر میں ہے کب
ہے دو طرف دو جبین و ختا بیچ میں حلب
رستہ نہ بھُول جائے مسافر ہجوم میں
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں

پہلو میں دن کے رات رہے شانِ کارساز
یوسفؑ جو دیکھے تو جھکائے سرِ نیاز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز
زیبا ہیں گورے رُخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر پہ یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا۔ رات بڑھ گئی

دبیرؒ

لاریب جرم ہے جو کہیں چاند رُخ کو ہم
ہے چاند میں تو جرم یہ بے جرم لاجَرَم
رُخ ہے وہ صبح۔ شمس ہیں جس کے شہِ امم
گیسو وہ شب کہ قدرِ شبِ قدر جس سے کم
گیسو و رُخ تو قدرتِ داور دکھاتے ہیں
ہر وقت شام۔ صبح۔ برابر دکھاتے ہیں

شرحِ بزرگیٔ رُخ و کاکل دراز ہے
نسبت سے صبح و شام کو یہ امتیاز ہے
قصر نماز گو کہ سفر میں جواز ہے
پر واں بھی صبح و شام کی پوری نماز ہے٭
عقدے فضائلِ رُخ و کاکل کے وا کئے
دونوں فریضے وقتِ فضیلت ادا کئے

گرمی

(۳۶) گرمی روزِ عاشور کا بیان

انیسؒ

وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لوں کا وہ چلنا
وہ دوپہر اُس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا

دبیرؒ

وہ دھوپ کہ مرغانِ ہوا گرتے ہیں نالا
بس ہاتھ دھرا قبضے پہ اور پڑ گیا چھالا

٭ رُخ کو صبح سے اور گیسو کو شام سے تو عام شعرا تشبیہ دیتے ہیں ان دونوں کاملوں نے بھی دی۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے۔ بات میں سے بات کیا نکالی ہے۔ کہ صبح کی دو رکعتیں ہیں اور شام (مغرب) کی تین رکعتیں ہیں۔ جو سفر میں بھی قصر (کم) نہیں ہوتیں۔ اور نمازیں (عشا و ظہرین کی) سفر میں قصر (کم) ہو کر چار چار رکعت دو ہی دو رہ جاتی ہیں۔ اسکی حسن تعلیل کتنی معقول ہے۔ کہ صبح و شام کو زلف و رُخ امام سے نسبت ہے۔ اس لئے یہ بندگی حاصل ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد ۱۲ مؤلف حقیر۔

ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا
اور تن پہ حرارت سے وہ ہتیاروں کا جلنا
جنگل کے پرندے سبھی جھیلوں میں پڑے ہیں
اور دھوپ میں پیاسے شہِ مظلومؑ کھڑے ہیں

وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن ہوتے ہیں کالے
اور ہانپتے ہیں شیر زبانوں کو نکالے
گرمی سے دو و دام ہیں مُنہ آب میں ڈالے
ریتی پہ دھریں پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
آہن کی بھی شے موم صفت نرم ہُوئی ہے
پتھر ہیں چٹکتے یہ زمیں گرم ہُوئی ہے

بریاں ہُوا۔ دانہ بھی زراعت میں جو ڈالا
اس دھوپ میں اس لو میں کھڑے ہیں شہِ والا
پانی کے عوض آگ برستی ہے زمیں پر
پر تیروں کی بوچھاڑ ہے جسمِ شہِ دیں پر

نایاب ہیں مرغانِ ہَوا صُورتِ عُنقا
بیٹھے ہیں سراسیمہ چرندے لبِ دریا
بالائے فلک ایک پرندہ نہیں پیدا
پر اَوجِ امامت کا ہُما رن میں ہے تنہا
کیا قہر ہے سایہ نہیں اور دھوپ کڑی ہے
کیا ظلم ہے پانی نہیں اور پیاس بڑی ہے

(۳۷) دُوسرے بحر کے دونوں صاحبوں کے مرثیوں سے تین تین بند گرمی کے بیان میں شاعرانہ تخئیلات

گرمی اور شاعرانہ تخئیلات

انیسؒ

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں

دبیرؒ

تنہا کھڑے ہیں رن میں امامِ فلک جناب
گرمی دکھا رہا ہے قیامت کی آفتاب
بے آگ مرغِ قبلہ نما ہوتے ہیں کباب
خطِ غبار سے ہے لبی۔ ابری سحاب
چھالا ہے آفتاب کا گردوں کے پاؤں میں
خود چھپ رہی ہے دھوپ درختوں کی چھاؤں میں

مٹی خراب چرخ پہ ہے برجِ آب کی
رنگت ہے برجِ حوت میں ماہی کباب کی

منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ۔ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی
وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا۔ دھوپ سے پانی فرات کا

دریا میں آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی
حدت ہے موج موج میں تیر شباب کی
فوارے کو نہ حوض میں گرمی سے کل پڑی
پانی کی بھی زبان دہن سے نکل پڑی
آتش بدل بھنور ہیں تو موجیں ہیں شعلہ وش
آتے ہیں مچھلیوں کو حرارت سے غش پہ غش
سوز جگر سے مردم آبی ہیں نالہ کش
نوحہ ہے تین روز کے پیاسوں کا العطش
نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے شہروں میں زاہد وضو کریں

(۳۸) اعلیٰ و ادنیٰ یا حق و باطل کا مقابلہ

اعلیٰ و ادنیٰ یا حق و باطل کا مقابلہ

کچھ خار مغیلاں گل تر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو۔ اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

ساماں سے کوئی۔ صاحب ایماں نہیں ہوتا
ہر اہل عصا۔ موسیٰ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہیں ہوتا
آئینہ گر اسکندر دوراں نہیں ہوتا
لاکھ اوج ہو پشّہ کا ہما ہو نہیں جاتا
بُت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہیں جاتا

(۳۹) امام حسینؑ کی مظلومی و بیکسی کا سماں (سبین)

فصل ۴ بیکسی کا سماں

انیسؒ

آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے

دبیرؒ

مومنو بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ

ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکر اعدا میں صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجہ نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مارلو۔ پیاسے کو۔ ہے شور ستمگاروں میں

خون میں تر۔ پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پُرنور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بکمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دوجہاں گرتے ہیں

لاکھ شمشیریں ہیں اور ایک تن اطہر ہے
ایک مظلومؑ ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجر فولاد ہیں اور اک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

سخت آفت میں گرفتار ہے مظلوم حسینؑ
گیا سراسیمہ و ناچار ہے مظلوم حسینؑ
دل شکستہ۔ جگر افگار ہے مظلوم حسینؑ
نیزے کاری ہیں لگے زخم پہ شمشیروں کے
نیزوں کے زخموں میں پیوستہ ہیں پھل تیروں کے

سینہ زخمی ہے بدن زخمی کلیجا زخمی
انگلیاں زخمی ہیں اور ساعد زیبا زخمی
ہونٹ زخمی ہیں گلا زخمی ہے ماتھا زخمی
نام کس عضو کا لوں میں۔ ہے سراپا زخمی
ایسے زخمی کو تو کافر بھی پلائیں پانی
حیف سیدؑ سے مسلمان چھپائیں پانی

دل کا یہ حال ہے پژمردہ ہوا جاتا ہے
ایک دریا ہے کہ زخموں سے بہا جاتا ہے
ایک دم میں جو کئی بار غش آجاتا ہے
کوئی برچھی کوئی تلوار لگا جاتا ہے
تیر ایک ایک جگہ ہیں جو قریب دل ہے
سانس کی آمد و شد سینے میں کیا مشکل ہے

تن سے گر کھینچتے ہیں ایک بھی پیکاں شبیرؑ
اتنے عرصے میں لگاتے ہیں عدو سیکڑوں تیر
کھا کے تیروں کو اگر کرتے ہیں قصد تکبیر
پاس سے نیزے لگاتے ہیں دہن پر بے پیر

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہیں
سامنے اہل حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں
کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر
پھر حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہل کیں کہتے ہیں یہ تیغ ستم چمکا کر
آب شمشیر پیو۔ برچھیوں کے پھل کھا کر
یہ سخن سُن کے بھی غُصّہ نہیں فرماتے ہیں
یاس سے سُوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

ایک پیکاں جو سینے سے گذر جاتا ہے
خُون کے روکنے کو دُوسرا تیر آتا ہے
کیا رحیمی ہے کہ غُصّہ نہیں آتا ہے ذرا
کیا کریمی ہے کہ سر کرتے ہیں اُمّت پہ فدا
کیا تحمّل ہے کہ ہر زخم پہ ہے شکرِ خُدا
کیا شجاعت ہے کہ لاکھوں میں کھڑے ہیں تنہا
تیر بھی نیزے بھی سینے پہ لئے جاتے ہیں
پر دعا نانا کی اُمّت کو دئے جاتے ہیں

عاشق و معشوق کے راز و نیاز

(۴۰) مناجات اور عاشق و معشوق میں راز و نیاز کی باتیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِّ غفور	انیس	تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چُور	〃	بات اُمّت پہ اُٹھانا نہیں مجھ کو منظور
جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں	〃	پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں
روزِ عاشور لُٹا جب کہ گلستانِ حسینؑ	دبیر	غم سے بھائی کے ہوا چاک گریبانِ حسینؑ
قتل اکبرؑ سے ملے خاک میں ارمانِ حسینؑ	〃	جُز اجل کوئی نہ تھا رن میں نگہبانِ حسینؑ
حق سے کہتے تھے نہیں رنج تباہی مجھ کو	〃	صبر دے پیاروں کی فرقت میں الٰہی مجھ کو
اب نہ قاسمؑ مرا جیتا ہے نہ اکبرؑ باقی	〃	نہ علمدار سلامت ہے نہ لشکر باقی
بھانجے ہیں نہ بھتیجے نہ برادر باقی	〃	اب فقط سر مرا باقی ہے اور اصغرؑ باقی
قتل اصغرؑ ہو مرا سر بھی جُدا ہو جائے	〃	اس امانت سے بھی شبیرؑ ادا ہو جائے

نوٹ. ناظرین باتوقیر! مضامین کی خوبی کے ساتھ ساتھ دونوں بزرگواروں کے یہاں سلاست و صفائی بندش کو بھی دیکھتے جائیے۔ دونوں باکمالوں نے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ مضامین کے دریا بہا دئے ہیں۔ ۱۲ مؤلف۔

یا خدا تجھ پہ مَیں صدقے مرا لشکر بھی نثار	[illegible]	دل فدا۔ جاں فدا۔ رُوح فدا۔ سر بھی نثار
علی اکبرؑ بھی نثار اور علی اصغرؑ بھی نثار	//	تجھ پہ باقرؑ بھی فدا۔ عابدؑ مضطر بھی نثار
مَیں نے جو کچھ ترے دربار سے پایا مولا	//	سب تری راہ میں خوش ہو کے لُٹا یا مولا
وہ کلیجے پہ دھرے ہات پڑے ہیں اکبرؑ	//	ہے وہ عباسؑ دلاور۔ وہ حسنؑ کا دلبر
ایک اک پیارے کو قرباں کیا گن گن کر	//	کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور
تو نے دولت تھی جو مجھ خاک نشیں کو سونپی	//	وہ امانت ترے بندے نے زمیں کو سونپی
قتل عباسؑ ہوئے مَیں نے کہا شکر ترا	//	پر کمر ہو گئی خم اس میں گنہ میرا کیا
نکلا اکبرؑ کا بھی دم آنسو نہ میرا نکلا	//	کی بدی نانا کی اُمت نے نہ بد مَیں نے کہا
یہ بھی بندے ہیں ترے مَیں بھی ترا بندہ ہوں	//	دشتِ غربت میں پریشاں ہوں پراگندہ ہوں
تُو نے بچپن میں مرے ناز اُٹھائے یارب	[illegible]	وہ عنایت کیا جو مَیں نے کیا تجھ سے طلب
تیرا محبوبؐ بنا عید کو میرا مرکب	//	روزہ رکھا تو چھپا مہر۔ نمایاں ہوئی شب
بھوک میں خلد کے میووں سے مجھے شاد کیا	//	خواہشِ بچہ آہو سے بھی آزاد کیا
تُو نے بچپن میں کھلائے ثمرِ خلد بریں	[illegible]	اب اگر تیسرا فاقہ ہے نہیں کچھ مَیں حزیں
چُوسی چُھٹپن میں زبانِ نبیِ عرش نشیں	//	آج اگر پینے کو پانی نہیں۔ تو خیر۔ نہیں
ایک دن حلق تھا اور فاطمہؑ کے شیر کی دھار	//	آج راضی ہوں گلے پر چلے شمشیر کی دھار
اب اگر یہ بھی تری مصلحت اے ربِ قدیر	[illegible]	ہو رواں پیاس میں اب حلق پہ پیرے شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیرؑ	//	حکم حاکم میں یہ طاقت ہے کہ کروں مَیں تاخیر
جلد گردن پہ رواں خنجرِ برّاں ہوئے	//	اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہوئے
تو شہنشاہ شہنشاہوں کا ہے بارِ خدا	[illegible]	ہیں برابر تری درگاہ میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشق جاں باز ہے البتّہ جدا	//	اے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا
حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلّاد رہے	//	لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے

غم نہیں کچھ بھی مجھے بیکس و بے یار ہوں میں	انیسؒ	تو مددگار ہے مختار ہے ناچار ہوں میں
زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں	″	وقتِ مشکل بھی عنایت کا طلبگار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جائے	″	عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہو جائے
دُرِ دنداں مرے نانا نے تجھے نذر دیا	دبیرؒ	لے گئیں نذر کو داغ غم احمدؐ زہراؑ
سرخرو ہے ترے دربار میں بابا میرا	″	دل کے ٹکڑے مرے بھائی نے کئے تجھ پہ فدا
آج شبیرؑ بھی ان سب کے مقابل ہو جائے	″	سر مرا گر تری سرکار کے قابل ہو جائے
سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں	انیسؒ	لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دل میں ہو یاد تری۔ بند ہو جس وقت زباں	″	دم بھروں تیرا ہی جس وقت نکلنے لگے جاں
بعد چہلم جو مجھے قبر میسر ہو جائے	″	زخمی تن کو نہ فشار اے مرے داور ہو جائے
سر مرا کٹ کے یقیں ہے سوئے کوفہ جائے	دبیرؒ	پھر یہ محتاج بھلا نذر تری کیا لائے
تیرِ اصغرؑ کو مگر ہاتوں پہ اب کھلوائے	″	درجہ صبر جو باقی ہے۔ وہ سب ہات آئے
پیشکش لاشۂ اصغرؑ ہی بھلا لائے حسینؑ	″	ہات خالی ترے دربار میں کیا آئے حسینؑ
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بار خدا	انیسؒ	بندگی کا تری حق تھا وہ ادا ہو نہ سکا
خوفِ محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا	″	ہو گی اعمال میں پرسش تو کہونگا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ	″	ہات خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ
سب مرے نورِ نظر قتل ہوئے پیشِ نگاہ	دبیرؒ	بندے نے شکر کیا یا کہا اِنّا لِلّٰہ
جب کہ ہو مرضیٔ معبود سے بندہ آگاہ	″	پھر ستم پر جو ستم ہو نہ کرے منہ سے آہ*
آ گئے کہتا تھا نہ عریاں سرِ خواہر دیکھوں	″	پر جو تو خوش ہو تو زینبؑ کو کھلے سر دیکھوں
تقویت دل کو کرم سے ہو ترے ربِّ جہاں	انیسؒ	نہیں مایوس کہ رحمت ہے تری بے پایاں

* مشہور آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ - خدا اپنے خاص بندوں کی شان میں فرماتا ہے کہ وہ نہیں چاہتے - مگر جو خدا چاہتا ہے ۔ ۲ اثابت بے بضاعت ۔

مشکلیں بندوں کی کر دیتا ہے دم میں آساں	انیسؔ	شکر الطاف و عنایات میں قاصر ہے زباں
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے	″	جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے[1]
اِک طرف قیدِ رسن میں ہوں حرم بیچارے	دبیرؔ	اِک طرف آگ سے جلتے ہوں یہ خیمے سارے
اِک طرف شمر سکینہ کو طمانچہ مارے	″	ظلم کُنبے پہ یہ ہوں اور میں کروں نظارے
جب کہیں آلِ نبیؐ مجھ سے کہ امداد کرو	″	میں کہوں اُن سے کہ اللہ کو تم یاد کرو
میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا	انیسؔ	ہے تو آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
چاہتا ہوں میں یہی اپنی شہادت کا صلا	″	مغفرت اُمت عاصی کی ہو۔ یا بار خدا
ہے گوارا مجھے جو مجھ پہ اذیت ہوئے	″	ان کو دُنیا میں بھی عقبےٰ میں بھی راحت ہوئے
قتل اکبرؑ تو مرا ہو چکا اے ربِّ غفور	دبیرؔ	اب اگر تجھ کو نہ ہو نسلِ امامت منظور
ذبح عابدؑ کو کروں آپ میں بالُوؑ کے حضور	″	میں خلیل اور وہ ذبیح آج سے ہوئے مشہور
ہات رُک جائے گلے پر تو قلم ہات کروں	″	ہات سے ذبح کروں لب سے مناجات کروں
بندہ پرورا میں ہوں اک عبد غریب و احقر	″	بیکس و بے وطن و بے پدر و بے مادر
منزل ملک عدم میں تو مرا ہو رہبر	″	نہ تو اس راہ سے آگاہ۔ نہ منزل کی خبر
شوق بھی رعب بھی مجھکو تری درگاہ کا ہے[2]	″	سامنا بندۂ ناچیز کو اللہ کا ہے
تین دن تڑپا ہے یاں پیاس کی شدت سے حسینؑ	″	اب ہو سیراب ترے قلزم رحمت سے حسینؑ
ڈر نہ جائے ملک الموت کی ہیبت سے حسینؑ	″	یا خدا کانپتا ہے قبر کی وحشت سے حسینؑ
آج تک ساتھ رہا بیٹے کا اور بھائی کا	″	سخت اندیشہ ہے اب قبر کی تنہائی کا
وحشت قبر۔ نکیرین کا ڈر یا اللہ	″	گھر نیا۔ لوگ نئے۔ اور میں ناواقف۔ آہ

[1] سبحان اللہ کیسی پاکیزہ زبان ہے اور کیا بندش کی صفائی ہے + مؤلف حقیر۔

[2] دیکھئے عبدیت کے ساتھ عشق الٰہی کی شان کس خوبصورتی سے دکھائی ہے۔ اِدھر تو شوق لقائے پروردگار ہے۔ اُدھر اُس کا رعب غالب ہے۔ بس یہی تو ہر شاعر کو نہیں سوجھتی +

سہل ہو راہ صراط اور ہو امت ہمراہ	دبیرؔ	دنیا خورشید قیامت سے قیامت میں پناہ
آگ سے خیمے جلیں دھوپ سے دلدار جلیں	"	پر دم حشر نہ دوزخ میں گنہگار جلیں
اب یہ حسرت ہے کہ قاتل جو چڑھے سینے پر	"	کہیو نانا سے کہ اس وقت وہ لیں میری خبر
جب مرا سوکھا گلا ہوئے بزیر خنجر	"	بھیجیو فاطمہؑ کو آ کے رکھیں گود میں سر
مشکل آساں مری حیدرؑ صفدر کرار کریں	"	شمر تو ذبح کرے اور علیؑ پیار کریں
ناگہاں آئی یہ آواز خدائے کونین	"	بس مرے بندۂ بیکس مرے مظلوم حسینؑ
شکر وہ کرتا ہے تو آج بصد شیون و شین	"	مجھ کو شرم آتی ہے اے فاطمہؑ کے نور العین
تشنہ کامی میں نہیں کام لب دریا سے	"	آفریں اے مرے چوبیس پہر کے پیاسے*
عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہ بندہ نواز	انیسؔ	یک بیک عالم بالا سے یہ آئی آواز
اے مرے شیر کے فرزند نبیؐ کے دمساز	"	تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز
مرد ہے عاشق کامل ہے وفادار ہے تو	"	جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہے تو
اے حسینؑ اپنی ہی قدرت کی میں کھاتا ہوں قسم	دبیرؔ	تیرے غمخواروں کو محشر میں نہ کچھ ہوئیگا غم
سختی موت غلاموں پہ ترے ہوئیگی کم	"	قبر ہے تعزیہ داروں کو ترے باغ ارم
تو عبث موت کی سختی سے ہراساں ہے حسینؑ	"	ملک الموت ترا تابع فرماں ہے حسینؑ
تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول	انیسؔ	یہ اطاعت بھی ہے مقبول یہ طاعت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول شہادت بھی قبول	"	تری خاطر سے ہمیں بخشش امت بھی قبول
ہم نے خیل شہدا کا تجھے سردار کیا	"	امت احمدؐ مختار کا مختار کیا
بس یہی ہے ملک الموت کے آنیکا مآل	دبیرؔ	کہ تری روح کا واجب ہے اسے استقبال
بے ترے حکم ہلانے کا نہیں وہ پر و بال	"	سب خدائی تری محکوم ہے زہراؑ کے لال
راہ حق میں تجھے ثابت قدمی ہے شبیرؑ	"	مرے دربار میں کس شے کی کمی ہے شبیرؑ

* کیسی بے تکلف سلیس نظم ہے۔ جس سے نثر بھی شرمندہ ہے۔ ۱۲ مؤلف حقیر

مصرع	شاعر	مصرع
دوستداروں کا ترے گلشنِ جنّت ہے مقام	انیسؒ	تا ابد سایۂ طوبےٰ میں کریں گے آرام
ہونگے محشور ترے ساتھ محب تیرے تمام	″	تجھ پہ جو روئینگے۔ آنچ اُن پہ ہے دوزخ کی حرام
غم نہ کھا اہلِ جناں تیرے محب سارے ہیں	″	تو بھی پیارا ترے پیارے بھی ہمیں پیارے ہیں
واہ کس مرتبہ۔خوش۔خالق اکبر کو کیا	دبیرؒ	وعدہ اپنا ہی تھا پر صدقے بہتّر کو کیا
مرحبا۔ہم سے نہ پیارا علی اکبرؑ کو کیا	″	پیش کش کے لئے تجویز اب اصغرؑ کو کیا
نذر مقبول ہے آؤ ہمیں دے جاؤ حسینؑ	″	میرے دربار سے جو چاہو سو لے جاؤ حسینؑ
ہیں ہر اک رنج سے محفوظ ترے تعزیہ دار	انیسؒ	سختی مرگ نہ اُن پر ہے نہ ایذائے فشار
دمِ مردن نظر آئیگا علیؑ کا دیدار	″	قبر میں گلشنِ فردوس کی دیکھیں گے بہار
دار دُنیا ہی میں جو کچھ ہے انہیں ایذا ہے	″	آنکھ جب بند ہوئی۔پھر درِ جنّت وا ہے*
حُلّے فردوس کے بانٹیگا تو ہی روزِ جزا	دبیرؒ	پر کفن تیرے ہی مُردے کو نہیں ملنے کا
بلکہ پامال ترا لاشۂ بے سر ہوگا	″	وحشت قبر سے اے سبط نبیؐ تجھکو کیا
خاک سے لاشۂ مجروح اُٹھائیگا خدا	″	پہلوئے عرش میں پاس اپنے جگہ دیگا خدا
تجھ سا عابد ہے کوئی اور نہ کوئی ہوگا	انیسؒ	نیزہ کھا کر نہ کسی نے کبھی یوں شکر کیا
طاعت خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا	″	عرش اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر تیری محبت میں فدا تو نے کیا	″	بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا
عرش کو تھامے ہوئے رہیو۔تو تا روز شمار	دبیرؒ	کیجیو اپنے محبّوں کے لئے استغفار
اپنے نانا کی بھی اُمت کے تمہیں ہو مختار	″	چاہو جنّت دو اُنہیں چاہو کرو داخلِ نار
جز خدا اور کوئی کیا تری عزّت جانے	″	ہم نے مالک کیا تم جانو اور امّت جانے
حشر تک روئیگا مظلومی پہ تیری عالم	انیسؒ	تیرا ماتم نہیں ہونے کا جہاں سے کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم	″	جمع سب تیری زیارت کو ملک ہونگے بہم

*۔اے سبحان اللہ۔آنکھ بند ہونا اور درِ جنت کھلنا کیا ساتھ ساتھ کس سلاست و فصاحت سے ادا فرمایا ہے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

انیسؔ

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا۔ یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہ دیں کے برادر کے واسطے
راحت سے شہ نشیں پہ امام زمن رہیں
حُجرہ یہ اس لئے ہے۔ کہ وُہ لھاڈُلھن رہیں

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی
تحفوں کو کشتیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے میں بہر شکر کبھی سر جھکاتی تھی
گھبراکے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بے قرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جاکر کبھی خواصوں سے کرتی تھی یہ کلام
کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہیں اب امامؑ
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا میں جام
لبریز آب گرم کے کردو سبو تمام
پردیسیوں کو خیر سے جب گھر میں لاؤنگی
ہاتھوں سے اپنے پاؤں سبھوں کے دھُلاؤنگی

دبیرؔ

مکان

بیت الحرم وہ گھر تھا کہ تھی آمد حرم
ہر سنگ فرش تھا حجر الاسود حرم[۱]
آئینوں سے حلب تھا تو گلدستوں سے ارم
ہر شے قرینے سے نہ زیادہ کہیں نہ کم
نظارۂ حسینؑ کے ارماں دکھائے
پلکوں کی چلمن آنکھوں کے پردے لگادیے

سازوسامان

مسند بچھائی بہر شہنشاہ مشرقین
تکیہ پہ ہما کے لگائے بزیب و زین
کیا جانتی تھی۔ ہوگا یہاں ماتم حسینؑ
سُن پایا تھا صغیر ہے بانو کا نور عین
دالان میں درست کیا گاہوارے کو
بولی میں خود جھلاؤنگی بی بی کے پیارے کو

گھر کو بنا سنوار چکی جب وہ نیک نام
حُجرے میں پھر سلیقے سے کھانے چُنے تمام[۲]
شربت صراحیوں میں بھرا دھوئے سارے جام
ہے ہے نہ یہ خبر تھی کہ پیاسے مُوئے امامؑ
میوے چُنے طبقچوں میں اکبرؑ کے واسطے
کوزوں میں دُودھ بھر دیا اصغرؑ کیواسطے

۱؎ بیت الحرم خانہ کعبہ اور حجر الاسود اُس قابل تعظیم پتھر سے مراد ہے جسکو خانہ کعبہ میں بوسہ دیتے ہیں۔ حرم سے مصرع اوّل میں اہل و عیال امام حسینؑ مراد ہیں۔ اور مصرع ثانی میں حرم کعبہ کے معنی پر ہے۔ اختلاف عَلَمیت سے ایطا نہیں رہا۔

۲؎ مرزا صاحب کے بند میر صاحب کے قریب المضمون بندوں کے مقابلہ میں لکھنے کی ضرورت سے میں نے آگے پیچھے کردئے ہیں۔ اصلی ترتیب نہیں یہی ہے مرزا صاحب کے مرثیہ کے موافق شبیر بن سن چکی ہے کہ امام حسینؑ منزل پر آچکے ہیں۔ اور طبل مقاری کی آواز بھی آچکی ہے۔ اس لئے اُس [illegible]

یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہوئیگی	انیسؒ	خاک تربت کی تری خاک شفا ہوئیگی
بولے شہ سن کے یہ فرمانِ خدا کا مضموں	دبیرؒ	سب تری بندہ نوازی ہے میں کس لائق ہوں
خوں بہا کیسا، مجھے تو نہیں کچھ دعوے خوں	"	کیا مرا رتبہ جو مختاری محشر میں لوں
بس یہ کافی ہے کہ مقبول شہادت ہوئے	"	تو رضا مند ہو اور بخشش امت ہوئے

(۴۱) حال شیریں کنیز آزاد کردہ جناب امام حسین علیہ السلام

شیریں کنیز امام حسین

مشہور ہے۔ کہ یہ شیریں جناب شہربانو کی کنیز تھیں۔ کہ ان کو جناب شہربانوؑ اور جناب امام حسینؑ نے آزاد کردیا تھا۔ (ہر چند روایت ضعیف ہے۔ مگر سب نامی مرثیہ گویوں نے نظم کی ہے)۔ دبیرؒ و انیسؒ کے دو مرثیوں سے جو ایک بحر کے ہیں۔ چند بند لکھتا ہوں۔ جس سے دونوں اُستادوں کے واقعہ نگاری کے جوہر ناظرین کو نظر آئیں۔ موقع یہ ہے کہ شیریں راہ شام میں رہتی ہے۔ اُس کو کسی نے خبر دی ہے۔ کہ امام حسینؑ مع اہل و عیال و رفقا آتے ہیں۔ وہ دعوت کی طیاریاں کر رہی ہے اور خوش ہو رہی ہے۔ کہ میرے آقا فرزند رسول صلعم میرے مہمان ہونگے:۔

انیسؒ

یہ کہکے اُس نے فرش کیا۔ گھر میں سر بسر
مومن کے دل کی طرح مصفّا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر
تکیوں کو صاف کرکے لگایا اِدھر اُدھر
کہتی تھی میرے گھر میں ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے

دبیرؒ

مصروفِ اہتمام ہوئی پھر وہ باوفا
جھاڑا۔ بہارا۔ گھر کو۔ کیا فرش جا بجا
مانندِ سنگِ فرش فلک ہوکے جبہ سا
آ بیٹھے دور دور ادب سے جدا جدا
کیا فرش تھا کہ عرش کو جائے سخن نہ تھی
پیشانیٔ سخی کی طرح اک شکن نہ تھی

ہمسائیاں

انیسؔ

ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار
اب کیجیو زیارت سلطان نامدار
ہے باغ فاطمہؑ پہ عجب حسن کی بہار
رشک ریاض خلد ہے ایک ایک گل عذار
سب نونہال گلشن دیں لاجواب ہیں
قد سرو باغ خلد ہیں رُخ آفتاب ہیں

ہمسائیوں سے شیریں کہ رہی ہے
شمشاد بوستان پیمبر کو دیکھیو
سرور ریاض حضرت شبر کو دیکھیو
کیا نوجواں ہیں شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حُور کا
جلوہ ہے اُس جری میں محمدؐ کے نُور کا

خالق رکھے اُسے صد وسی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گل عذار
بہنیں فدا ہیں۔ باپ تصدق ہیں۔ ماں نثار
سر پر پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہیں چار
چہرے کے آگے نیر تاباں بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

دبیرؔ

ہمسائیاں کھڑی ہوئیں ہر سو کہ ہم بھی آئیں
دن رات مانگتے تھے اسی روز کی دعائیں
پلکوں سے گھر کو جھاڑیں تو فرش آنکھوں سے بچھائیں
صدقے کیا تھا جو سر و سامان کہو وہ لائیں
پُوچھو تو اغنیا سے یہ دولت بھی پائی ہے
ائے حسینؑ اب ترے گھر میں خدائی ہے

ہمسائیاں شیریں سے کہ رہی ہیں
آیا ہے جن کی شان میں قرآں وہ آتے ہیں
کعبہ کے ہیں جو قبلۂ ایماں وہ آتے ہیں
جن کے گدا ہیں قیصر و خاقاں وہ آتے ہیں
فطرُس ہے جن کا بندۂ احساں وہ آتے ہیں
شیریں! خدا کے پیاروں کے پیارے حسینؑ ہیں
مالک ہمارے اور تمہارے حسینؑ ہیں

تم سے سفارشوں کے ہیں امیدوار ہم
پائیں سلام حضرت زینبؑ کی بار ہم
دیکھیں تمہاری بی بی کا عز و وقار ہم
ایران کی شاہزادی ہے کیسی نثار ہم
ہمسائے کے حقوق ادا آج کیجیو
ہم کو بُلا کے رتبۂ معراج دیجیو*

*ہمسائیوں سے باتیں کرنے میں دونوں کا ملوں نے کمال کیا ہے میر صاحب نے کس عمدگی سے باتیں نظم فرمائی ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ عورتیں باتیں کر رہی ہیں مرزا مرحوم نے ایک اور بلاغت کا حق ادا کیا ہے۔ وہ یہ کہ شیریں سے عورتوں نے جو باتیں کی ہیں۔ وہ صرف زنان اہل بیتؑ کی نسبت ہیں عورتوں کی عام عادت یہی ہے۔ کہ زیادہ تر وہ دوسروں ہی کی باتیں پوچھتی ہیں + ۱۲ مؤلف حقیر

دبیرؒ	انیسؒ
شیریں ہمسائیوں کو جواب دیتی ہے	شیریں ہمسائیوں سے کہ رہی ہے
اُس نے کہا "مَیں سعی کو حاضر ہوں عذر کیا"	اب خیریت سے گذریگا اٹھارھواں جو سال
پر بیبی بیبیوں کا چلن سب سے ہے جُدا	شادی کرینگی بیٹے کی بانوئے خوش خصال
ارماں امیر زادیوں کو کُوفہ میں رہا	زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
مہماں کسی کے گھر نہ گئیں بنتِ مرتضٰا	ہر دم یہی دُعا ہے کہ دُولھا بنے یہ لال
تُم سب کا اشتیاق زیارت سُنا دُنگی	آتی ہیں نسبتیں حلب و شام و رُوم سے
زینبؑ کا حکم ہوگا۔ تو بیشک بُلاؤنگی	شادی "خدا جو چاہے" تو ہوئیگی دھوم سے
لڑکوں کو اپنے ساتھ خدارا نہ لائیو	پر ہاتھ جوڑتی ہُوں کہ تنہا ہی آئیو
مجھ کو عتابِ آلِ نبیؐ سے بچائیو	پردہ نہ دخترانِ علیؑ کا بھلائیو
مَیں دم بدم فدا رہُوں وُہ مہرباں رہیں	یارب ہنسی خوشی مرے سب میہماں رہیں

انیسؒ شیریں کی شوہر سے باتیں دبیرؒ

دبیرؒ	انیسؒ
ان کی جناب ہے۔ اے اللہ کی جناب	جب ڈھل گئی اُسے انہیں باتوں میں دوپہر
ذرہ ذرا سی مہر سے بنتا ہے آفتاب	شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکوسیر
جن کو وہ چاہیں مُہرِ سلیماں ہو دستیاب	اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہ بحر و بر
خاصہ حضور کے لئے طیار کر شتاب	اُترے کہاں کسی سے مفصّل سُنی خبر
دیدار سے اب آنکھ کی تقدیر لڑتی ہے	بستی سے ساتھ لیکے ہر اک اپنے بھائی کو
لے سُن، وہ چوبِ طبل مقامی پہ پڑتی ہے	جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو*
فرش اُن کا عرش ہے تو غذا میوہ جناں	وہ بولی قابل اُن کے نہ کھانا ہے نے مکاں
سامان تھوڑا تھوڑا میں کرتی ہُوں سب یہاں	ہر طرح سرفراز کرینگے شہِ زماں
لونڈی کے گھر میں آتے ہیں وعدہ وفائی کو	جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو*

* یہ مصرع "جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو" دونوں بزرگوار وں کے یہاں توارد ہو گیا ہے معلوم نہیں پہلے کس نے فرمایا۔ نہ یہ خبر کہ ایک کے مصرع کی دوسرے کو خبر بھی ہُوئی یا نہیں۔ مرزا صاحب کے بند کو کیا بمقابلہ کلام میر صاحب ہیں نے مقدم مؤخر کردیا ہے میر صاحب نے تو یہ خیال نظم فرمایا ہے۔ کہ جب دوپہر ڈھل گئی اور امام حسینؑ نہ آئے جب شیریں نے شوہر کو بھیجا۔ مرزا صاحب نے اس طرح نظم فرمایا ہے۔ کہ شیریں کو جا کر کسی نے خبر دی۔ کہ امام حسینؑ مع لشکر اور اہلبیتؑ کے آتے ہیں۔ اور جب شیریں نے تعجب سے کہا۔ کہ غ زینبؑ کو تو حضور کہیں لے نہ جاتے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سُنتے ہیں سچ ہے آپ کہ [illegible]

باسمہ سبحانہ و نحمدہ و نصلی و نسلّم

باب پانزدہم طرز کلام دبیر کا مقابلہ کلام ملٹن شاعر سے

مضمون عطیۂ مخدومی و محسنی نواب مسٹر حامد علی خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ ۔ المتخلص بہ حامد

جناب سیّد صاحب مخدوم و مکرم بندہ جناب سیّد افضل حسین صاحب ثابت زاد لطفہ و محبتہ ۔ تسلیم *

حسب الحکم حضرت دبیرؒ کے کلام کا موازنہ کرتا ہوں ۔ لیکن صرف ایک مشہور انگریزی شاعر کے کلام سے *

جناب میر صاحب ۔ میری رائے میں ایک عمر چاہئے ۔ جس نے برسوں کلام کو پڑھا ہو ۔ اور وہ بھی ایک شاعر کے کلام کو وہ اُس شاعر کے کلام پر لکھ سکتا ہے※ ۔ مثلاً جن صاحبوں نے یورپ میں شکسپیر کی سوانح عمری لکھی ہے ۔ اور اُس کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے ۔ اُنھوں نے اپنی عمریں صرف کردی ہیں ۔ اور عمریں بھی وہ عمریں جو کروڑوں نیم کی عمروں سے بڑی تھیں ۔ ایسی ہی مثالیں میرے پیش نظر ہیں ۔ کہ جب کسی نے حضرت انیسؒ (سے زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا ۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے) کے متعلق کچھ لکھنے کی فرمائش کی ہے ۔ تو میں نے یہ جواب دیا ہے ۔ کہ یوں تو حضرت انیسؒ کی نسبت کچھ لندن میں لکھا تھا ۔ اور وہ چھپا بھی تھا ۔ لیکن جو لکھنے کا حق ہے ۔ اُس کے لئے کم سے کم دس برس درکار ہیں ۔ اور پھر کوئی کام اور نہ ہو ۔ میر انیس کا کلام ہو ۔ اور میں ہوں ۔

※ واقعی یہ مضمون جس سخت جانکاہ محنت سے علالت میں جناب حامد دام اقبالہ نے قریباً دو مہینے تک اپنے تمام کاروبار چھوڑ کر ڈومس کے مقام لکھا ہے اُسکی قدر وہی بزرگوار فرما سکتے ہیں جنکو تصنیف و تالیف کا موقع ملا ہے ۔ خدا جناب ممدوح کو جزائے خیر دے ۔ کہ یہ اُن کا بہت بڑا احسان مجھ پر خصوصاً اور تمام ملک پر عموماً ہے ۱۲ مؤلف حقیر ۔

تو کچھ لکھوں۔ فرصت معلوم۔ اور بفرض محال فرصت ملی بھی۔ تو ہائے تندرستی تجھ کو کہاں سے لاؤں۔ میرے لئے فرصت اور تندرستی دونوں موہوم چیزیں ہیں۔ جو نہ کبھی نصیب ہوئیں اور نہ ہوں۔ گویا یہ نعمتیں میرے لئے پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ لیکن بفضلہ طبیعت بے چین پائی ہے۔ معمولی بیماری میں بھی بیکار نہیں بیٹھا جاتا۔ ع ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے۔ میری تمام عمر علالت میں بسر ہوئی ہے۔ بچپن سے دائم المرض ہوں۔ کئی طولانی بیماریوں سے شفا پاکر آخرکار ذیابیطس کا شکار ہو گیا ہوں۔ ۲۳ برس سے اس مرض میں مبتلا ہوں بقول خود ؎

ہوئی مدت کہ حامد ناک میں دم ہے علالت سے + نہ اچھا ہی میں ہوتا ہوں نکلتا ہے نہ دم میرا

یہ تندرستی کی حالت ہے۔ اور اس حالت میں کسب معاش کی فکر۔ احبا کا خیال۔ قوم کی غمخواری جیسا کہ اس شعر میں کہہ چکا ہوں۔ شعر

کسب معاش و فکر احبا و ملک و قوم + بیماریوں میں ہم پہ یہ صدمے جہان کے ہیں

عزیزوں اور دوستوں کا داغ۔ بقول حامد دل افگار ؎

یاد کس کس یار رفتہ کو کریں + گنتی گنوانے کو باقی ہم رہے

ملک کا حال

خاندان کا خیال۔ ملک کا رونا۔ نفاق۔ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ غیبت۔ تہمت۔ مکاری۔ دغا بازی۔ جھوٹ۔ فریب۔ بے ایمانی وغیرہ وغیرہ عیبوں کا بازار گرم ہے۔ ظاہر کچھ۔ باطن کچھ۔ منہ پر تعریف۔ پیٹھ پیچھے برائی*۔ بقول خود ؎

سچ ہے کہ جن کے ظاہر و باطن میں فرق ہو + ایسوں کے قول و فعل کا پھر اعتبار کیا

مضمون کا مختصر حال

آپس میں وہ پھوٹ کہ خدا کی پناہ۔ ہندو مسلمانوں کے آئے دن وہ جھگڑے۔ جو کبھی اس سے قبل نہ آنکھوں نے دیکھے نہ کانوں نے سنے۔ مسلمانوں کی تباہی پر دل خون ہوا جاتا ہے۔ ملک کی حالت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کہاں تک سمع خراشی کروں۔ المختصر میرا یہ حال ہے۔ جو اس شعر میں نظم کیا ہے۔ ؎

---

* بقول دبیر مرحوم ؎ صحبت میں کچھ ہیں وقت زد و کشت پہ کچھ ہیں + آئینہ صفت منہ پہ ہیں کچھ پشت پہ کچھ ہیں + ثابت حقیر۔

کچھ نشاں صدموں کے ہیں کچھ حسرتوں کے داغ ہیں + ڈھونڈھتی ہیں جس کو آنکھیں ہائے اب وہ دل کہاں

یا بقول جناب استاذی مولانا (سید علی نقی صاحب) صفی لکھنوی یوں کہو ؎

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے + آشیاں اُجڑا کیا ۔ ہم ناتواں دیکھا کئے

میری عمر کا بہت بڑا اور بہترین حصہ۔ انگریزی زبان کے حاصل کرنے اور قانون پڑھنے میں صرف ہوا ہے۔ ہندوستان میں تھوڑی سی عربی۔ فارسی۔ انگریزی پڑھ کر اپریل ۱۸۸۰ء میں جب میری عمر تخمیناً ۱۸ سال کی ہو گی انگلستان روانہ ہوا۔ اور وہاں ساڑھے پانچ برس قیام کیا۔ اس عرصہ میں علاوہ بیرسٹری پاس کرنے اور تھوڑی سی لاطینی و فرنچ پڑھنے کے ایک آدھ رسالہ اور متعدد مضامین لکھے۔ انگریزی میں پوپ (Pope) اور گولڈ اسمتھ (Goldsmith) کے چند اشعار کی تضمین کی۔ اور ایک مضمون انگریزی نظم میں لکھا۔ جس کا نام **الوداع لندن** رکھا۔ اس وقت تک زبان انگریزی میں کئی سو مضامین قلم سے نکلے ہیں۔ انگریزی نثر و نظم میں جو کچھ لکھا ہے۔ اُس میں سے بہت کچھ مختلف اوقات میں شائع ہو چکا ہے۔ باقی چھپے یا چُھپے۔ ع نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

قیام لنڈن و شکسپیر و ملٹن و اصول شعر خوانی

لنڈن کے زمانہ قیام میں ملٹن اور شکسپیر کا کلام پروفیسر مل سے پڑھا ہے۔ اور شعر پڑھنے کے اصول اور طریقے جس کو انگریزی میں ریسیٹیشن (Recitation) کہتے ہیں۔ پروفیسر ہارٹلی (Hartley) سے سیکھے ہیں۔ کوئی فن خواہ وہ کتنا ہی آسان اور ادنٰے کیوں نہ ہو۔ نہیں آتا جب تک کہ طبیعت کو اُس سے خاص مناسبت نہ ہو۔ اور عمر بھر اُس کے حاصل کرنے میں صرف نہ کی جائے۔ پروفیسر مل نے عمر بھر کلام ملٹن اور شکسپیر پڑھا اور پڑھایا۔ ملٹن اور شکسپیر پر وہ ایسے فدا تھے۔ کہ کسی اور شاعر کا کلام پسند ہی نہ آتا تھا۔ سچ ہے جب کوئی شخص ایک مدت تک کسی شاعر یا نثار کا کلام بار بار پڑھتا اور غور کرتا رہتا ہے۔ تو اُس کو پھر اور کسی شاعر و نثار کا کلام پسند نہیں آتا۔ یہ مثال بعینہ ایسی ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ تو اُس کو سوا اپنے معشوق کے

اور کوئی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مثل مشہور ہے۔ کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید۔ رِند نے اِس مضمون کو خوب نظم کیا ہے۔ ؎

دیدِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور + میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

عربی کی مثل مشہور ہے۔ حُبُّ الشَّئِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ۔ محبّت کسی چیز کی اندھا اور بہرا کر دیتی ہے

پروفیسر ہارٹلی کا حال

جب مَیں پروفیسر مَل سے ملٹن اور شکسپیر پڑھتا تھا۔ اُس وقت اُن کی عمر قریب ستّر برس کے ہو گی۔ پڑھانے میں وجد کی حالت طاری ہوتی تھی۔ کُرسی سے اُچھل اُچھل پڑتے تھے۔ کھڑے ہو جاتے تھے۔ رگوں میں خون دوڑنے لگتا تھا۔ چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ گالوں کی جُھریاں کافور ہو جاتی تھیں۔ بُڈھا چہرہ جوان نظر آتا تھا۔ سر کے سفید بال (ڈاڑھی نہیں تھی) چہرے کی سُرخی کے ساتھ عجب سماں دکھاتی تھی۔ مَیں اُن کی حالت پر متحیر رہ جاتا تھا + پروفیسر ہارٹلی صاحب ہر مقام کو خُوب ہی ادا کرتے تھے۔ اور آواز سے اور صُورت سے گویا بولتی ہُوئی تصویر بن جاتے تھے۔

ہاتھ زیادہ بتانا

ہاتھ سے زیادہ بتانے کو منع کرتے تھے*۔ وہ شعر کے پڑھنے میں نیچر (قدرت) کی پیروی کرتے تھے۔ یعنی ہر حالت۔ غُصّہ۔ محبّت۔ رنج۔ غم۔ حزن واندوہ۔ خوشی۔ شجاعت۔ تہوّر۔ تعجب۔ حیرت۔ فکر وغیرہ وغیرہ کو کماحقہٗ ادا کرتے تھے۔ اور اس طرح پر کہ تصنّع بالکل نہ معلوم ہوتا تھا +

شعر پڑھنے کی خوبی

پروفیسر ہارٹلی کی عمر اُس وقت ۷۲ برس کی ہو گی۔ تمام عمر سوا شعر پڑھنے اور شعر پڑھنا سکھانے کے کوئی کام نہیں کیا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ ۲۴ گھنٹے روز صرف ہوتے ہیں۔ یہ بات برسوں کی مشق کے بغیر نہیں حاصل ہوتی۔ کہ جو مضامین نظم میں پڑھے جائیں۔ اُن کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو۔ کہ جو کیفیتیں منظوم ہیں۔ وہ پڑھنے والے

* یہی خیال مرزا دبیر مرحوم کا تھا۔ وہ ہاتھ سے زیادہ بتانے کے بالکل مخالف تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ بس جتنا ہاتھ باتیں کر نہیں اُٹھتا ہے اُتنا ہی اُٹھانا چاہیئے۔ اور جتنا تم باتوں میں اشارے چشم و ابرو وغیرہ کے کرتے ہو۔ اتنے ہی مرثیہ پڑھنے میں کیا کرو۔ فی زمانہ مرثیہ پڑھنے میں تانیکی نے اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ بعض آدمی اُسکو رقص منبری کہتے ہیں۔ ذاکروں کو اس کی احتیاط ضرور چاہیئے + ۱۲ ثابت مؤلّف۔

ہوں۔ جیسے رنج و خوشی۔ تکلیف و آرام۔ محبت و عداوت۔ نفرت و رغبت وغیرہ وغیرہ۔ اُس وقت لفظ رنج کو حُزن کی آواز سے پڑھنا اور پھر فوراً آواز و صورت بدلنا جس سے خوشی ظاہر ہو۔ اور اس طرح بدلنا کہ گویا بلاقصد خود بخود آواز و صورت بدل گئی۔ محبت و رغبت اُس آواز سے ادا ہو۔ جس سے محبت ٹپکے۔ اور پھر فوراً آواز میں وہ تغیر پیدا ہو۔ کہ جس سے عداوت و نفرت برسے۔ کسی* اُستاد کامل کے پڑھنے میں ان مقامات کا وہ لطف ملتا ہے۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ حق مغفرت کرے حضرت نفیسؒ یاد آگئے۔ دو تین واقعات سُنئے۔ خالی از دلچسپی نہ ہونگے۔ لیکن قبل اس کے ایک دو باتیں اور عرض کرنے کی اجازت مانگتا ہوں +

نفیس مرحوم

جب حضرت انیسؒ نے انتقال فرمایا۔ اُس وقت میری عمر بہت کم تھی میں نے کبھی حضرت انیسؒ کو پڑھتے نہیں سُنا۔ لیکن یہ سُنا ہے۔ کہ بے مثل پڑھتے تھے۔ ویسا پڑھنے والا ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ میں نے جناب مونسؔ کو بھی نہیں سُنا۔ لیکن جناب انسؔ و نفیسؔ کو سُنا۔ اور انگلستان سے واپس آنے کے بعد سُنا۔ انسؒ خوب ہی پڑھتے تھے۔ خصوصاً بَین +

انیس مرحوم کا پڑھنا

(۱) حکایت اوّل میر نفیس

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ جناب میر نفیس مرحوم ۲۵ رجب کی مجلس دلآرام کی بارہ دری (واقعہ محلہ چوپٹیاں لکھنؤ) میں پڑھ رہے ہیں۔ ہزارہا آدمی جمع ہیں۔ میں بھی شریک ہوں۔ تعریف کے نعرے بلند ہیں۔ ایک مقام آیا۔ میر نفیسؒ نے مرثیہ کو نیچا کرلیا۔ اس طرح کہ گویا خود ہی نیچا ہوگیا۔ بیت پڑھی اور خوب کھینچ کر پڑھی۔ بیت نے خوب رنگ

*جو صاحب ذاکر ہوں یا اسپیچ دینے والے یا شاعر یا واعظ وغیرہ۔ وہ ان مقامات کو بغور دیکھیں عجب نکات بیان فرما رہے ہیں۔ حقیر نے بھی کم سنی میں کئی برس تک مرثیہ پڑھنا اور مختلف مقامات کو مختلف آوازوں و لہجوں اور اشارات سے ادا کرنا باقاعدہ اپنے نانا مرحوم (میر محمد رضا صاحب ظہیر لکھنوی) سے سیکھا ہے۔ جو اس فن خاص میں یکتا تھے۔ انیسؒ و دبیرؒ و انسؒ و مونسؒ سلیسؒ نفیسؒ و عشقؒ علیہ الرحمہ یہ سب اساتذہ اُن کے پڑھنے کے مدّاح تھے۔ اس لئے اس تحریک کی قدر کرتا ہوں ۱۲ مؤلف حقیر۔

پر گذر رہی ہیں۔ اور ان کے اظہار میں کسی قسم کی بناوٹ معلوم نہ ہو۔* جیسے ایک مہذّب آدمی اپنی تقریر میں بہت کم ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح شعر کے پڑھنے میں بھی اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ یہ لکھتے لکھتے مجھ کو ایک واقعہ یاد آگیا۔ مَیں پروفیسر ہارٹلی سے لیڈی کلیرا ویر ڈے ویر (Lady Clara Vere de Vere) کا پڑھنا سیکھتا تھا۔ جو لارڈ ٹینیسن (Lord Tennyson) مشہور شاعر انگلستان کی مشہور نظم ہے۔ اس نظم میں ایک مصرع ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے "وہ شیر جو تمہارے پرانے پتھر کے پھاٹک پر ہے"۔ اُستاد نے فرمایا۔ کہ اگر پھاٹک کی طرف اُنگلی سے اشارہ کریں۔ تو بہتر ہے۔ اور یہ فرما کر مصرع کا اعادہ کیا۔ اور اُنگلی کو ذرا گشت دے کر (جب مصرع کا اِعادہ کیا تھا) پھاٹک کو بتلایا۔ اُسی وقت اُنگلی پھاٹک پر پہنچی جس وقت لفظ پھاٹک مُنہ سے نکلا۔ اور اس طرح کہ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا بالکل قصد ہی نہ تھا۔ جب مَیں نے بتایا۔ تو کبھی اُنگلی پہلے پہنچی۔ اور کبھی لفظ پھاٹک پہلے زبان سے نکلا۔ تھوڑے دنوں کی مشق کے بعد اُنگلی اُس وقت پہنچتی تھی۔ جب لفظ پھاٹک مُنہ سے نکلتا تھا۔ لیکن بناوٹ ظاہر ہوتی تھی۔ الغرض قریب ایک ماہ کی مشق کے بعد یہ بات میسّر ہوئی۔ کہ اُنگلی اُسی وقت پھاٹک کو بتاتی تھی۔ (اور بلا قصد و تصنّع بتاتی تھی) کہ جب لفظ پھاٹک مُنہ سے نکلتا تھا +

بڑی مشکل اُس وقت پڑتی ہے۔ کہ جب ایک مصرع میں متناقض الفاظ قریب قریب

بیں بناوٹ نہ

*؎ اس موقع پر مجھے ایک چشم دید واقعہ یاد آگیا۔ ایک مجلس عزا میں ایک صاحب مرثیہ منبر پر پڑھ رہے تھے۔ وہ اچھے پڑھنے والے ذاکر تھے مگر حد سے زیادہ بتاتے تھے پہلوان کی لڑائی کا موقع تھا اتفاقاً یہ مصرع آگیا کہ ع آیا تھا بھپکتا یہ دبکتا ہُوا بھاگا۔ وہ ذاکر پہلے تو بھبکے اور پھر منبر پر اس طرح دبکے کہ تمام جسم اپنا سمیٹ کر پیچھے کو ہٹے۔ گویا بالکل گُتّے بن گئے۔ تمام مجلس بے اختیار ہنس پڑی۔ اور پھر وہ پڑھ رہے تھے مجلس والوں کی ہنسی رکتی تھی لوگ مُنہ پر رومال رکھ رکھ کر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حال شہادت پڑھے مگر رقّت نہ ہوئی۔ لوگوں کو وہی خیال ذہن نشین رہا۔ مطلب اس حکایت لکھنے سے یہ ہے۔ کہ ذاکر اتنا نہ بتائے کہ مجلس کی رقّت اُڑ جائے ۔ ثابت۔

دیا۔ دُوسرے بند کے شروع میں تلوار کھینچنے کا ذکر تھا۔ جناب نفیس دہنے ہاتھ کو بائیں طرف لیگئے۔ اس طرح کہ گویا ہاتھ بلا ارادہ اُدھر چلا گیا۔ پھر تلوار کھینچی۔ اور اِس خوبصورتی سے کھینچی۔ کہ دل پھڑک گئے۔ اگر مرثیہ نیچا نہ ہوتا۔ تو یہ بانکپن اور صفائی ممکن نہ تھی ✦

حکایت دوم۔ ایک اور مجلس اسی دلآرام کی بارہ دری میں پڑھ رہے ہیں۔ مرثیہ خوب رنگ دے رہا ہے۔ سامعین پر عجب حالت طاری ہے۔ وہ بند گھوڑے کی تعریف میں ہیں۔ ایک مقام پر میر صاحب کچھ رُکے (مَیں منبر کے قریب تھا۔ مَیں نے دُور سے۔ قریب سے۔ وسطِ مجلس سے جناب میر صاحب کو سُنا ہے۔ تاکہ پڑھنے کا کما حقّہٗ اندازہ کرسکوں) ٹھیرے۔ دم لیا۔ خوب گہری سانس بھری۔ پوری سانس کھینچ کر ہونٹوں پر لائے یہ تمام باتیں اس حُسن و خوبی سے ادا ہوئیں۔ کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ اور اس طرح کہ معلوم نہ ہوں۔ پھر جناب میر صاحب نے نہایت زور اور تیزی سے پڑھا "وہ اُڑ گیا"۔ گھوڑے کا اُڑنا آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ اگر وہ "وہ اُڑ گیا" کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔ تو خاک لُطف نہ آتا ✦

ایک واقعہ اور سُن لیجئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جناب نفیس صاحب کی آواز بعد گھنٹوں کے پڑھنے کے جب خستہ ہوجاتی تھی۔ اور وہ مرثیہ ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت ایسی آواز نکالتے تھے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ آواز الگ کسی خزانہ میں محفوظ تھی۔ اور اس سے ابتک کام نہیں لیا گیا۔ لندن کے بعض کاملین میں بھی مَیں نے یہ صفت دیکھی ہے ✦

حکایت سوم۔ ایک مرتبہ ۲۵ رجب ۱۳۱۵ھ کو دلآرام کی بارہ دری میں میر صاحب کو مَیں نے سُنا۔ پڑھے اور خوب پڑھے۔ جب مجلس ختم ہوئی۔ جناب میر صاحب کے پاس مَیں گیا۔ تھوڑی دیر بیٹھا۔ اُن کے کلام اور پڑھنے کی تعریف کرتا

رہا جب رخصت ہوا۔ جناب میر صاحب کو عجب حسرت بھری نگاہوں سے میں نے دیکھا۔ میرے ساتھ چند میرے عنایت فرما تھے۔ اُن سے میں نے راہ میں آہ سرد بھر کر کہا۔ کہ افسوس آج میر صاحب کو آخر مرتبہ سُنا۔ اب سُننا میسر نہ ہوگا۔ اس حالت ضعف و پیرانہ سالی میں پڑھے۔ اور لاجواب پڑھے۔ لیکن جب مرثیہ ختم کرنے کو تھے۔ اُس وقت کوشش کی۔ اور زور لگایا۔ کہ وہ آواز جس سے معلوم ہو۔ کہ ابتک کام نہیں لیا گیا ہے۔ اور بالکل تازہ آواز ہے۔ نکلے۔ لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے وہ آواز صرف ایک دو منٹ کیلئے نکلی۔ گویا نہ نکلی +

تاریخ انتقال میر نفیس مرحوم

افسوس ہزار افسوس ایسا ہی ہوا۔ پھر جناب میر صاحب نے کوئی مجلس نہیں پڑھی۔ چند ماہ بعد ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ مارچ ۱۹۰۱ء کو انتقال فرمایا۔[1] اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[2] +

ہائے۔ نفیس کہاں۔ وحید کہاں۔ اُنس کہاں۔ مونس کہاں۔ انیس کہاں۔ دبیر کہاں۔ وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا جس میں یہ لوگ ڈھلتے تھے + جناب میر صاحب! یہ سرگذشت تو سُن چکے۔ سمع خراشی کی لیکن ابھی سمع خراشی کرونگا۔ میں اُن لوگوں میں ہوں۔ جو تعداد کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ خوبیوں کو دیکھتے ہیں۔ جو یہ نہیں دیکھتے۔ کہ عمر بھر میں شاعر نے کے دیوان کہے۔ بلکہ یہ کہ کس قدر اچھے شعر کہے۔ ایک عربی شاعر کا قول ہے۔ کہ جس نے عمر بھر میں تین شعر کہدئے وہ شاعر ہے۔

مختصر مگر اچھا کلام

[1] حقیر ثابت نے چند تاریخیں کہی تھیں جو اُس زمانے کے اکثر اخباروں نے چھاپی تھیں۔ ایک رباعی میں تاریخ تھی جس میں ثنا خوان علیؑ سے پورے ۱۳۱۸ھ نکلے تھے۔ شاید پورا مصرع یہ ہے۔ رضواں بجہاں گفت ثنا خوان علیؑ +

[2] مسٹر حامد علی خاں صاحب بیرسٹر فخر کرتے ہیں کہ جناب میر خورشید علی صاحب نفیس اُن کی نسبت فرماتے تھے۔ کہ تم آپکو اپنا کلام سُنا کر مجھے دلی مسرت ہوتی ہے۔ اور مجلس میں آپکا تشریف رکھنا برابر دو ہزار سامعین کے جو سخن فہم ہوں سمجھتا ہوں + ۱۲ ثابت

میری رائے میں اگر ایک شعر بھی کہدیا۔ تو مَیں اُس کو شاعر کہونگا۔* اور مجھ کو اس سے بھی بحث نہیں۔ کہ کتنی دیر میں کہا۔ مَیں نتیجۂ فکر کو دیکھتا ہُوں۔ خواہ وہ کتنی ہی دیر میں ہو۔ یا جلد ہو۔ اور اگر جلد بھی ہو۔ تو اور قابل تعریف ہے۔ لارڈ بائرن (Lord Byron) کی اکثر نظمیں ایسی ہیں۔ کہ نظر ثانی کی نوبت نہیں پہنچی۔ لیکن اُن کی عمدگی میں کلام نہیں گرے (Gray) کی ایلیجی (Elegy) جس میں کل چونسٹھ ۶۴ اشعار ہیں۔ اگر میرا حافظ غلطی نہیں کرتا ہے۔ (مَیں اُس جگہ سے یہ مضمون لکھ رہا ہُوں۔ جہاں کوئی کتاب میرے پاس نہیں ہے) مدت مدید غالباً بارہ برس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ لیکن ہر مصرع جزو زبان انگریزی ہوگیا ہے۔ اور جب تک انگریزی زبان روئے زمین پر رہیگی۔ اُس کے ساتھ وابستہ رہیگا گرے کا اگر اور کلام نہ ہوتا۔ اور صرف یہی ایلیجی (Elegy) ہوتی۔ تو انگریزی مبصرین کی یہ رائے ہے۔ کہ ہم گرے (Gray) کو بہترین شعرا میں شمار کرتے۔ جیسا اب شمار کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بالاتر*

بیریل آف سر جان مور (Burial of sir john moore) میں کُل سولہ شعر ہیں۔ چارلس وُلف (Charles Wolfe) نے جس نے ۱۸۲۳ء میں ۳۲ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ نظم کہی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ سوا اس نظم کے اور کوئی نظم اس شاعر کی دستیاب نہیں ہُوئی۔ یہ نظم بہت مشہور ہے۔ اور محض اسی نظم کی وجہ سے ولف (Wolf) شاعر سمجھا جاتا ہے*

اچھا شعر کس کو کہتے ہیں۔ اس بحث میں پڑنا میرا مقصود نہیں ہے مجھ کو اس قدر

اچھے شعر کی تعریف

*۔ عالیجناب مولانا و سیدنا دی آنریبل مسٹر جسٹس مولوی سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد نے جو عربی لٹریچر میں بے نظیر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور نیز علوم قدیم و جدیدہ بلکہ جامعیت فضل و کمالات میں بجز عالیجناب شمس العلما لجنۃ الافاضل نواب مولوی سید امداد امام صاحب قبلہ رئیس نیورہ اور مضافات پٹنہ اپنا ہمسر نہیں رکھتے۔ جنکی دوستی پر حکیم مسٹر حامد علی خاں صاحب کو فخر ہے مسٹر موصوف کا یہ شعر سُنکر ارشاد فرمایا کہ "مَیں آپکو شاعر سمجھتا ہُوں"۔ وہ شعر یہ ہے۔ جہاں خدا کے سوا اور کچھ نہیں حامد۔ وہاں پہ جا کے ٹھہرتا ہے سلسلہ دل کا + ۱۲ ثابت۔

بیان کر دینا کافی ہے۔ کہ مضمون شعر کو مَیں خوبصورت زندہ جسم سمجھتا ہُوں۔ اور الفاظ کو اچھا لباس۔ اگر مضمون نہیں تو محض الفاظ سے لطف پیدا نہیں ہوتا حسن ذاتی نہیں تو لباس حسن پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر مضمون اچھا نہیں۔ تو الفاظ کیسے ہی اچھے کیوں نہ ہوں مضمون کو اچھا نہیں بنا سکتے +

مقولہ جناب حالی

شعر کے متعلق مَیں اپنے خیالات اپنے الفاظ میں نہیں بیان کرتا۔ بلکہ حضرت حالی مدظلہ العالی کے بے مثل الفاظ میں مقدمہ شعر و شاعری میں (جو دیوان حالی کے شروع میں ہے) فرماتے ہیں "کھانے کی اصل خوبی یہ ہے۔ کہ لذیذ ہو۔ مفید ہو۔ جزو بدن بننے کے لائق ہو۔ بو باس اور رنگ رُوپ بھی اچھا رکھتا ہو۔ اگر باوجود ان سب باتوں کے چلتی کے باسنوں میں کھایا جائے۔ تو اور بھی بہتر ہے۔ یہی حال شعر کا ہے شعر کی اصل خوبی یہ ہے کہ سحر حلال ہو۔ مؤثر ہو۔ لفظاً اور معناً سانچے میں ڈھلا ہو۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی لفظی رعایت بھی اُس میں پائی جائے۔ تو اور بہتر ہے۔ ورنہ اُس کی کچھ ضرورت نہیں"۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۱۷۲) جیسے مرزا دبیر صاحب (اُس مرثیہ میں جس کا مطلع یہ ہے ؎ برہم ہیں صفیں شاہ شہیداں کی ہے آمد) فرماتے ہیں ؎

تلوار کا پھل پھول گیا شہ کے سخن سے + قبضہ نے ملی آنکھ کف نور فگن سے
یوں نکلا نیام کمر شاہ زمن سے + جیسے سخن حق کسی عارف کے دہن سے

پہلے مصرع میں پھل۔ پھول۔ دُوسرے میں آنکھ۔ کف۔ یہ لفظی رعایتیں ہیں۔ لیکن سُبحان اللہ۔ کس حُسن سے "پھول گیا" یعنی خوش ہوا قبضے کی شکل آنکھ سے مشابہ ہے۔ اور پھر کف نور فگن سے آنکھ ملنا۔ سبحان اللہ۔ تیسرے اور چوتھے مصرع میں تمثیل کا لطف بیان نہیں ہو سکتا سخن فہموں کے دلوں سے پُوچھئے*+

*امام عصر (نائب رسولؐ) کی تلوار جہاد میں نکلی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ جیسے کلمہ حق کسی عارف کے دہن سے نکلے۔ یہ تشبیہ نہ عام اہل سیف کیواسطے ہو سکتی ہے نہ عام تلواروں کے لئے۔ خاندان رسالت کیواسطے ہر جگہ حفظ مراتب کا خیال رکھنا اور ایسی طرح کرنا جو دوسروں کیلئے موزوں نہ ہو سکے یہ مرزا صاحب کے خاص کمالات میں سے ہے + ۱۲ مؤلف حقیر ثابت۔

ملٹن کا قول

بقول ملٹن شعر کی خوبی یہ ہے۔ کہ سادہ ہو۔ جوش سے بھرا ہوا ہو۔ اور اصلیت پر مبنی ہو۔ اس مضمون کو کیا کیا اچھی طرح انگریزی شاعروں نے بیان کیا ہے۔ چند اقوال یاد آ گئے۔ عرض کرتا ہوں۔ حتے الامکان ترجمہ میں خیالات و الفاظ کی پابندی کرونگا +

رابرٹسن کا مقولہ تخیل

فریڈرک ڈبلیو رابرٹسن صاحب (Fredrick W. Robertson) لکھتے ہیں "جذبات کی زبان کا نام شاعری ہے۔ وہ امجنیشن یعنی تخئیل کی تصنیف ہے جس کو صنعت جامہ ہستی سے آراستہ کرتی ہے" +

کیمبل کا قول

کیمبل (Campbell) کا قول ہے "اصلیت کی فصاحت کو شاعری کہتے ہیں" +

ریچٹر کا قول

رچیٹر (Richter.) کی رائے ہے "بہت سے نازک اور پاکیزہ جذبات جو مثل فرشتوں کے وجود کے ہماری باطنی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو جسمانی لباس میں نمایاں نہیں ہوتے۔ اور بہت سے خوب صورت اور خوش رنگ پھول ایسے ہیں۔ جن کے بیج نہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔ کہ نظم ایجاد ہوئی جس کی بدولت وہ وجود جامہ ہستی میں نظر آتے ہیں۔ اور ان پھولوں کی بو سے ہمارے دماغ ترو تازہ ہوتے ہیں" +

اسٹرلنگ کا مقولہ

اسٹرلنگ (Sterling) کا قول ہے "شاعری فی نفسہ ایک قوت اور مسرت ہے۔ اس کی حالت یکساں ہے۔ خواہ بنی نوع انسان اس کو اپنے سر کا تاج بنائیں۔ یا اس کو تن تنہا کسی جادو کے بنے ہوئے مکان میں چھوڑ دیں" +

کولیرج

کولیرج (Coleridge) کہتا ہے "کہ سرکار شاعری سے مجھ کو بڑے بڑے انعام ملے ہیں۔ شاعری نے میرے زخموں پر مرہم لگایا ہے۔ میری خوشیوں کو زیادہ کیا ہے۔ اور ان پر صیقل کی ہے۔ گوشۂ تنہائی کو عزیز کیا ہے۔ اور یہ صفت مجھ میں شاعری ہی کی بدولت ہے۔ کہ جو کچھ اپنے قریب یا دور دیکھتا ہوں

اُس میں اچھائی۔ بہتری اور خوبصورتی نظر آتی ہے"+

قول شیلی

شیلی (Shelley) کہتا ہے۔ کہ "شاعری دنیا کے پوشیدہ حسن کے چہرے سے نقاب اُٹھا دیتی ہے۔ اور ہم اُن خط و خال اور نقش و نگار کو دیکھتے ہیں۔ جو آنکھ سے اوجھل تھے"+

شیکسپیر

حضرت شکسپیر (Shakespear) فرماتے ہیں "دیوانہ۔ عاشق۔ شاعر قوت متخیلہ سے مرکب ہیں۔ ایک کو اُس قدر شیطان نظر آتے ہیں۔ جن کی وسیع دوزخ میں گنجائش نہیں۔ اس کو مجنون کہتے ہیں۔ عاشق ایسا ہی دیوانہ ہے جس کو ہیلن کا حسن ابروے مصر میں نظر آتا ہے+

شاعر کی آنکھ ایک دیوانی گردش میں عرش سے زمین اور زمین※ سے عرش تک دیکھتی ہے۔ اور جو ہیں انجینش یعنی تخیل اُن اشیا کو پیدا کرتا ہے۔ جن کی شکلیں معلوم نہ تھیں۔ شاعر کا قلم اُن کو لباس ہستی پہناتا ہے۔ اور عدم کو وجود کر دکھاتا ہے+

ڈاکٹر جانسن

ڈاکٹر جانسن (Johnson) فرماتے ہیں "شاعر کے لئے کوئی شے فضول نہیں ہے۔ کائنات میں جو کچھ خوبصورت تحیر خیز یعنی اعلےٰ سے اعلےٰ اور ادنےٰ سے ادنےٰ چیزیں ہیں قوت متخلیہ اُن سب سے واقف ہے۔ باغوں میں درخت اور پودے۔ جنگلوں میں حیوانات۔ زمین میں معدنیات۔ آسمان کے شہاب۔ شاعر کے دماغ میں لامتناہی قسم کے خیالات جمع کرتے ہیں۔ ہر خیال اخلاقی یا مذہبی صداقت کی تصریح یا زینت ہے۔ اور جس کی معلومات وسیع ہیں وہ مختلف سین کو مختلف طرح سے بیان کر سکیگا۔ اور اُس کے ناظرین دُور کے

※ حضرت دبیرؒ فرماتے ہیں بس پستی سے مرا ذہن سوے اوج ہے بیتاب۔ ہمراہ کواکب ہیں لئے ہاتھ میں مصباح۔ خامہ ہے مرا قفل درِ عرش کی مفتاح۔ جبریلؑ جو بتلاتے ہیں سو لکھتا ہے مداح + ثابت۔

کتابوں اور غیر متر قبہ تعلیم مضامین سے محظوظ اور مستفیض ہونگے +

بیلی

بیلی (Bailey) شاعر نے شاعری پر ایک مبسوط نظم لکھی ہے۔ جس میں وہ بیان کرتا ہے۔ کہ شاعر خیالات پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ خیالات شاعروں میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں ٭۔ جیسے جنگلوں میں قدرت خدا سے خودرو پھول یا درخت۔ شاعر کا جسم اور اُس کی رُوح نیچر سے وابستہ ہے۔ اور اُس کے دل پر کائنات کی صُورتیں جلی حرفوں سے مُنقّش ہیں۔ شاعر عشق کی سی گراں بہا شے اور بڑے بڑے اصُولوں کا خزانہ دل میں رکھتے ہیں۔ اور اُن کو نہایت خوبی اور حُسن سے بیان کرتے ہیں۔ اور سب کی جڑ عشق ہے۔ شاعری کتابوں میں مقیّد نہیں ہے۔ وہ قوّت وہ رُوح جس کی تجھ کو تلاش ہے۔ تیرے ہی آس پاس ہے۔ تجھی میں تو ہے۔ اور پھر ہر جگہ موجود ہے +

جو صفتیں شاعر و شاعری کی اُوپر نہایت مختصر طور سے بیان کی گئی ہیں۔ وہ بقول رچرڈسن (Richardson) ملٹن اور ملٹن کے کلام اور خصوصاً پیری ڈائز لاسٹ (Paradise Lost) میں پائی جاتی ہیں۔ رچرڈسن کہتا ہے۔ نظم جس کا نام ہے۔ وہ تو ملٹن کی پیری ڈائز لاسٹ میں ہے +

واقعات نہایت ہی کم ہیں۔ اور وسعت بیان نے اُن کو اللہ اللہ کیا کر دکھایا ہے۔ نئے نئے عالم ہماری آنکھوں کے سامنے پیدا کر دئے ہیں۔ اور نیچر کے کیسے کیسے مشاہدات۔ جن سے قدرت خدا نظر آتی ہے۔ نیچر کی تصویر اس سے بہتر پہلے کسی

٭ حقیر ثابت کا یہ خیال ہے۔ کہ جو خیالات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُن کو آمد۔ اور جو شاعر فکر و غور کے بعد پیدا کرتا ہے۔ اُس کو آورد کہتے ہیں۔ یہی مضامین آمد و آورد میں فرق ہے۔ مضامین آمد کا مرتبہ مضامین آورد سے بہت اعلیٰ ہے۔ ہاں بعض اُستادوں کے مضامین آورد میں بھی آمد کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو کثرت مشق کا نتیجہ یا خداداد طبیعت کا جوش یا جو چاہئے کہئے + ۱۲ مؤلف حقیر۔

شاعر نے نہیں کھینچی۔ نیچر کے سانچے میں خیالات ڈھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انسان کی ہر دل عزیزی کی تصویر اُس سے بہتر کھینچی گئی ہے۔ جو بہترین مصوّروں نے اپنی تصویروں اور مورتوں میں کھینچی ہے۔ اور یہ تمام اعلےٰ خیالات نہایت مؤثّر اور دل فریب طرز میں ادا کئے گئے ہیں۔ ناظرین کے دل خوشی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ رکھچتے ہیں۔ متاثّر ہوتے ہیں۔ نرم ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ نقوش جو شاعر دل پر جمانا چاہتا ہے۔ بخوبی جم جائیں۔ اس نظم سے فوّارۂ علم و پارسائی و نیکی جاری ہے۔ اور دریائے اطمینان قلب۔ جمیعت خاطر۔ شادمانی و مسرّت موج زن ہے۔ یہ منظر اُنہیں ناظرین کو نظر آتے ہیں۔ جو مفہوم شاعر پر گہری نظر ڈالتے ہیں۔ اور اُس کی نظم کے راگ کو بغور سُنتے ہیں۔*

ملٹن اور ڈرائڈن اور رابرٹ براوننگ

میرا قصد یہ ہے۔ کہ مَیں تعمیل ارشاد اس طرح کروں۔ کہ مَیں ملٹن کے کلام سے کچھ مقابلہ کروں۔ میرے نزدیک دو اور بھی شاعر انگریزی زبان میں ہیں۔ جن سے موازنہ ہو سکتا ہے۔ ایک ڈرائڈن (Dryden) جو ۹ دسمبر ۱۶۰۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۸ نومبر ۱۶۷۴ء کو انتقال کر گیا۔ اور مُتاخّرین میں رابرٹ براوننگ (Robert Browning) جو ۷ مئی ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوا۔ اور جس نے ۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ء میں انتقال کیا۔ اتنی فرصت نہیں۔ کہ مَیں ڈرائیڈن اور رابرٹ براوننگ سے مقابلہ کر سکوں۔ لیکن اس قدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ ڈرائیڈن کا نمبر متقدمین میں ملٹن کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ اور زندگی میں تو ملٹن سے زیادہ سمجھا

* شعر گوئی کی مدح حقیر نے اس رباعی میں نظم کی ہے۔ (رباعی) مضمون سے فکر جب ہم آغوش ہوئی + یاد دُنیا دوں فراموش ہوئی + ساکت جو ہوئی زباں۔ مثل سوز و گداز + جلنے سے بچی شمع جو خاموش ہوئی + ہر چند اساتذہ کے اقوال کے ساتھ اس کو بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ مگر یہ فائدہ مزید شعر گوئی کا میرے خیال میں تھا۔ اُس کو بھی ناظرین کی خدمت میں موقع پر پیش کر دیا + ۱۲ ثابت۔

جاتا تھا۔ اور رابرٹ براوننگ اُنیسویں صدی کے شعرا میں نہایت ممتاز ہے۔ اور اپنے ہم عصر الفریڈ ٹینیسن (Alfred Tennyson) جیسے فصیح اور شیریں بیان شاعر کے ہم عنان (جس کی پیدائش ۶ر اگست ۱۸۰۹ء اور وفات ۶ر اکتوبر ۱۸۹۲ء میں ہوئی) اُنیسویں صدی کے آخری دورِ شاعری کے میدان کو باہم تقسیم کرتا ہے۔ ملٹن اور ڈرائیڈن نثار بھی تھے۔ خصوصاً ملٹن بہت زبردست نثار سمجھا جاتا ہے۔ جناب مرزا دبیر کی نثر نہیں نے دیکھی۔ اور نہ کبھی سُنا۔ کہ جناب مرزا صاحب نے نثر میں کچھ فرمایا ہے[1]۔ البتہ یہ معتبر ذریعہ سے سُنا ہے۔ کہ دو دیوان اُردو جناب مرزا صاحب کے ہیں۔ لیکن اُن کے شائع ہونے کی جناب مرزا صاحب نے ممانعت فرمادی ہے۔ ملٹن ۹ دسمبر ۱۶۰۸ء کو پیدا ہوا۔ اور ۸ نومبر ۱۶۷۴ء کو مرگیا۔ تمام عمر افلاس و پریشانی میں بسر ہوئی[2]۔ خصوصاً اُس وقت کی تکلیفوں کی انتہا نہیں۔ کہ جب پیریڈائز لاسٹ (Paradise Lost) کہا ہے۔ جس سے ملٹن کا نام صفحۂ روزگار پر ہمیشہ یادگار رہیگا۔ ڈرائیڈن سے باکمال شاعر نے ملٹن کی تعریف

مختصر حالات ملٹن

---

[1] جہاں تک مجھکو علم ہے۔ مرزا صاحب جس کسی کو خط لکھتے تھے فارسی میں لکھتے تھے۔ اردو میں اُنکا صرف ایک رقعہ میں نے دیکھا ہے۔ جو نانا مرحوم کے نام اُنہوں نے تحریر فرمایا تھا۔ وہ معمولی نثر ایسی تھی جیسے باتیں کرتے ہیں۔ ایک کتاب بھی مرزا صاحب کی تصنیف مطبع یوسفی دہلی میں چھپی ہے جس کا نام ابواب المصائب ہے۔ اور جو ۱۲۴۵ھ ہجری عہد شاہ دیم اودھ نصیر الدین حیدر مرحوم کی تصنیف ہے۔ اسکی عبارت فسانۂ عجائب کے رنگ پر مقفٰے مسجع تو نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ روانی نہیں ہے جو مرزا غالب مرحوم کے رقعات عود ہندی و اردوے معلی میں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے۔ کہ عہد نصیر الدین حیدر تک مرزا غالب مرحوم بھی فارسی میں خط لکھتے تھے۔ اُس زمانے میں مرزا دبیر مغفور نے اتنی سلیس اردو لکھدی ہے اس لئے قابل مدح ہے ورنہ معمولی اردو ہے۔ آخر کتاب میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ صرف ایک ہفتہ میں یہ کتاب تصنیف کی ہے + ثابت

[2] شاعر کی پریشانی و افلاس کے ذکر میں مجھے جناب مشیر مرحوم یاد آگئے۔ فرماتے ہیں ؎ رزاقیٔ جناب الٰہی کے میں فدا + کھانا تو خیر ملتا ہے۔ پینا مگر گیا + عسرت میں ولولوں کی چڑھائی اُتر گئی + افسوس نامراد جوانی گذر گئی + ثابت۔

میں چند اشعار کہے ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ایک مصرع کا ترجمہ ایک ہی مصرع میں کیا ہے۔

مدح ملٹن زبانی ڈرایڈن

تین شاعر تین دوروں میں مگر پیدا ہوئے جو گریس اٹلی کا حسن اور انگلستان کا ہوئے
قوت تخئیل میں اول ہی سبقت لے گیا دوسرا شوکت میں فائق تیسرا دونوں میں تھا
قوت نیچر کہیں آگے چلے۔ ممکن نہ تھا پہلے دو شاعر ملا کر تیسرا پیدا کیا

اول سے مراد ہومر یونان کا۔ دوسرے سے ورجل اٹلی کا۔ تیسرے سے ملٹن انگلستان کا شاعر ہے+

کلام ملٹن

ملٹن کا کلام بہت ہے۔ لیکن جس نظم پر اس کے کمال اور شہرت کا دارومدار ہے۔ وہ پیراڈائز لاسٹ (Paradise Lost) ہے۔ یہ تمام عمر کی فکر کا نتیجہ ہے۔ افلاس۔ کسب معاش۔ عدم فرصت نے اس خیال کو عرصہ تک پورا نہ ہونے دیا۔ لیکن یہ خیال دل سے کبھی محو نہ ہوا۔ آخر کار ۱۶۵۸ء میں یہ نظم شروع ہوئی۔ اور ۱۶۶۵ء میں ختم۔ دوسری نظم پیراڈائز ریگینڈ (Paradise Regained) اسی سلسلہ میں لکھی ہے۔ ملٹن کے سامنے جب ان دونوں نظموں کا ذکر آتا تھا۔ اور کوئی پیراڈائز ری گینڈ کو کمتر بیان کرتا تھا۔ تو ملٹن اس کے سننے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ حالانکہ حق بات تو یہ ہے۔ کہ پیراڈائز لاسٹ (Paradise Lost) کہیں پیراڈائز ری گینڈ (Paradise Regained) پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ دونوں نظمیں بلینک ورس میں لکھی گئی ہیں۔ اور ملٹن انگریزی شعرا میں سب سے اول شاعر ہے۔ جس نے بلینک ورس کو ایپک (Epic) نظم میں صرف کیا ہے۔ ایپک نظم اس نظم کو کہتے ہیں۔ جس میں کسی واقعہ کو مسلسل بیان کریں۔ اور واقعہ بلندی خیالات پر مبنی ہو۔ اور جس میں کارنامے کسی ہیرو (ممدوح) کے منظوم ہوں+

بلینک ورس و ایپک

پیراڈائز لاسٹ ۱۲ باب میں منقسم ہے۔ خدا کے حکم کی نافرمانی اور حضرت آدمؑ کے خلد سے نکالے جانے کا حال ہے۔ یہ نظم اس حالت میں کہی ہے۔ کہ جب

لئے خاص قابلیت اور علم درکار ہے۔ اُس کے کلام میں سلاست و دشواری دونوں
موجود ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے خواہ الفاظ کے لحاظ سے کبھی سادہ اور عام فہم
مضامین سادہ سادہ الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ اور کبھی نہایت دقیق اور مشکل
مضامین مغلق اور غیر مانوس الفاظ میں ہیں۔ ملٹن پیراڈائز لاسٹ میں موقع پاکر اپنی
علمی لیاقت و فضیلت کو "جس کی کوئی انتہا نہیں" ظاہر کرتا ہے۔ قوت متخیلہ۔
بلندی خیالات۔ کمال علم کو تاریخ اور واقعات کے ساتھ عجیب لطف سے آمیزش
دیتا ہے۔ ملٹن آدمؑ و حوّاؑ کی تصویر میں اس طرح رنگ بھرتا ہے۔ کہ جس سے معلوم
ہو۔ کہ وہ بہشت کے رہنے والے ہیں اور اُس کے قابل ہیں۔ باوصف اس کے۔
اُن میں وہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ کہ جن کو ہم بحیثیت انسان کے سمجھ سکیں اور
اُن کی خوشی و غم میں حصّہ لے سکیں۔ ملٹن نے ان تصویروں کے کھینچنے اور رنگ بھرنے
میں کمال دکھایا ہے۔ کہیں اختصار مزہ دیتا ہے کہیں وسعت بیان۔ جس کی سرحد
وہم و خیال کی دُوربین سے نظر نہیں آتی۔ ملٹن کے یہاں وہ اختصار قابل مدح و ثنا
ہے۔ جہاں اُن واقعات کی جو انجیل میں درج ہیں پابندی کرتا ہے۔ اور اُس نے
جہاں قوت متخیلہ سے کام لیا ہے۔ وہاں دوزخ و بہشت کے وہ منظر دکھائے
ہیں۔ اور معانی و بیان کے دریا بہائے ہیں۔ کہ حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ سب سے
مشکل حصّہ ملٹن کی نظم کا وہ ہے۔ کہ جہاں ملٹن ایسے دو شخصوں کی تصویریں کھینچتا
ہے۔ کہ جن کی حالت سب بنی انسان سے جُدا ہے۔ اور جن میں وہ جذبات اور
محسوسات پائے جاتے ہیں۔ جن کو خود وہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس تصویر کا
اس طرح کھینچنا ملٹن ہی کا کام تھا۔

کہیں اختصار کہیں وسعت بیان

یہ چند خصوصیتیں جو نہایت مختصر طور سے مَیں نے بیان کی ہیں۔ ملٹن کے
کلام میں پائی جاتی ہیں۔ اور میری رائے کی تائید و سند میں ہزار ہا کاملین کی رائیں

ملٹن اندھا ہو گیا ہے۔ افلاس اور دیگر پریشانیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ جان کے خطرے سے رہائی پاکر اور خطروں میں مقید ہے۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ نظمیں لکھوا رہا ہے۔ کہ جن کی وجہ سے روئے زمین کے شاعروں میں (جو ہوئے یا آئندہ ہونگے) ہمیشہ ممتاز اور سرفراز سمجھا جائیگا۔ نظم کا لکھنے والا نہیں ملتا۔ کوئی لڑکا نہیں تین لڑکیاں ہیں۔ لیکن وہ اس نظم کی قدر کیا جانیں۔ لکھوانے میں لڑکیوں کی گھرکیاں کھانا پڑتی ہیں +

خلاصۂ مضامین پیرے ڈائز لاسٹ و حالت افلاس ملٹن

یہ واقعہ مَیں نے محض اس غرض سے لکھا ہے۔ کہ ہمارے ملک کے کاملین پریشانیوں اور افلاس سے دل تنگ نہ ہوں۔ کاملین کی کچھ یوں ہیں گذری ہے۔ ہومر (Homer) کو دیکھئے۔ کہ جس پر یونان بلکہ روئے زمین ناز کرتا ہے۔ وہ نابینا ہو گیا ہے۔ اور افلاس کا یہ حال ہے۔ کہ دربدر بھیک مانگ کر بسر اوقات کرتا ہے۔ لیکن فکر شعر سے غافل نہیں٭۔ سچ ہے۔ یہ وہ آگ ہے۔ جس کو نہ افلاس نہ جانکاہ فکر بیں سرد کر سکتی ہیں۔ اس مضمون میں خاص خاص مثالیں پیش کرنا جن سے موازنہ ملٹن و دبیر ہو میرا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ کل کلام پر موافق اپنی سیر کے اجمالاً لیکن گہری نظر ڈالونگا +

افلاس ہومر کا

فصل ۳

ملٹن کی نسبت کہا گیا ہے۔ کہ اُس کی نظم کی خصوصیّت یہ ہے۔ کہ وہ عالموں اور فاضلوں کے لئے ہے۔ وہ ناظرین جو انجیل اور دیگر پُرانی کتابوں سے واقف ہیں۔ اُس سے پورا حظ اُٹھا سکتے ہیں۔ جن کو اس قسم کی تعلیم نہیں ہوئی ہے۔ اُن کو نصف سے زیادہ ملٹن کی تصنیف کے حُسن نظر نہیں آتے۔ ایسے خیالات ادا کئے ہیں اور ایسے الفاظ میں بھی ادا کئے ہیں۔ جو عام فہم نہیں ہیں۔ اور جن کے

خصوصیت ملٹن

٭ حقیر نے ایک مرثیہ میں (مدح نظم میں) کہا ہے سہ عجیب مست عروس سخن میں خوشبو ہے۔ نہ یاسمن میں نہ نسترن میں خوشبو ہے۔ سرور اس کا کوئی پوچھے دل ملول سے ہے۔ دماغ جن کے بسے ہیں سخن کے پھولوں سے ہے ۱۲ ثابت حقیر۔

انگریزی میں موجود ہیں +

خصوصیات حضرت دبیرؒ

وہی خصوصیتیں حضرت دبیرؒ کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ (۱) بعض کلام ادق ہے [1]۔ چنانچہ جناب مرحوم اس مرثیہ میں (قرآن مبین سورۂ یک آیہ ہے کس کا) فرماتے ہیں۔ ؎

بعض کلام ادق

یعنی کہ ہے اللہ احد ارحم و رحماں | دانندہ و بینندہ و ہر مخفی و پنہاں
جبّار ہے قہّار ہے قادر ہے قوی ہے | توّاب ہے وہّاب ہے عادل ہے سخی ہے
اُس کے یم قدرت کے گہر حد سے فزوں ہیں | ہم سب گہر یک صدف کُن فیکوں ہیں
قدّوس ہے سبّوح ہے خالق ہے صمد ہے | خلّاق تن و روح ہے رازق ہے احد ہے
حیران بدایت سے نہایت میں [2] خرد ہے | واقف نہ ازل اُس سے نہ آگاہ ابد ہے

اقلیم ابد کشور پائندہ ہے اُس کا
جو اُس کے سوا ہے بخدا بندہ ہے اُس کا

(۲) کلام سلیس بھی ہے۔ سلاست کے دلدادہ اس منظر کو ملاحظہ فرمائیں۔ زبان کی صفائی۔ سراپا۔ حزن و اندوہ و رنج کی تصویریں کن کن دل خراش لفظوں میں کھینچی ہیں۔ کہ پتھر کا دل بھی موم سے زیادہ نرم ہو جائے۔ جب میں اس مرثیہ کے بندوں کو پڑھتا ہوں۔ اکثر سوچتا ہوں۔ کہ لکھتے وقت جناب مرزا صاحب کا کیا حال ہوا ہوگا۔ خون کے آنسو بے اختیار جاری ہیں۔ دل بیتاب ہے۔ دل کو سنبھالتا جاتا ہوں۔

---

[1] مرزا صاحب کا ادق کلام بہت مشہور ہے۔ چنانچہ جناب مفتی میر عباس صاحب اعلے اللہ مقامہ سے ادیب لاثانی نے اُن کے ایک بیت کی شرح ایک سائل عظیم آبادی کے جواب میں کئی صفحوں میں تحریر فرمائی ہے جسکو میں اس کتاب میں ایک جگہ مع ماحصل اردو لکھ چکا ہوں۔ بعض اصحاب یہی سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب کا اکثر کلام دقیق ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دقیق و سلیس اُنکا ہر قسم کا کلام موجود ہے۔ اور سلیس کلام دقیق سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ثابت۔

[2] بدایت کے معنی ابتدا اور نہایت سے مراد انتہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی ابتدا و انتہا سے عقل عاجز و حیران ہے + ۱۲ ثابت حقیر

آنکھوں سے آنسو پونچھتا جاتا ہوں۔ اور اس مرثیہ کے بند منتخب کرتا جاتا ہوں۔ رائے زنی نہیں کرتا۔ انتخابات خود میری رائے کو ظاہر کر دینگے +

حال علی اصغرؑ شیر خوار

حال علی اصغرؑ کلام انیس

بانوؑ کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے
بچّے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے
نے دُودھ ہے۔ نہ پانی کے ملنے کی آس ہے
پھرتی ہے آس پاس پہ جینے سے یاس ہے
کہتی ہے کیا کروں میں دوہائی حسینؑ کی
پُتلی پھری ہے آج مرے نورِ عین کی

فریاد یا علیؑ۔ میں کدھر جاؤں یا علیؑ
اِن داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں یا علیؑ
کس طرح ان کی سانس کو ٹھہراؤں یا علیؑ
پانی کا قحط ہے میں کہاں پاؤں یا علیؑ
پچھلے کو آنکھ کھولی تھی۔ اب کھولتے نہیں
روتے نہیں۔ ہُمکتے نہیں۔ بولتے نہیں

اک دم بھی ہائے۔ غم سے نہیں الفراغ ہے
تازہ ابھی جوانیٔ اکبرؑ کا داغ ہے
لو بجھ گئی ہے کان کی۔ گُل پر چراغ ہے
کیا لوٹنے کو موت کے میرا ہی باغ ہے
کیا خاک میں ملانے کو میرے ہی پیارے ہیں؟
کہدو اجل سے یہ تو علیؑ کے ستارے ہیں.

حال ارمان

(ماں کے ارمان)

میں کہتی تھی نجف میں انہیں لیکے جاؤنگی
شاہِ نجف کا ان کو مجاور بناؤنگی
انگلی پکڑ کے۔ گردِ لحد کے پھراؤنگی
ہے ہے انہیں کو قبر میں اب میں سُلاؤنگی
ماں کی مرادیں بیان فرما کر بیت لکھی ہے۔

مِنّت کے طوق بڑھ چکے۔ پروان چڑھ چکے
لیسیں کا وقت آگیا٭۔ قرآن پڑھ چکے

٭۔ عام اہل اسلام میں جب جان نکلنے کو ہوتی ہے۔ تو آسانی جاں کندنی کے خیال سے سورۂ لیسین پڑھا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے آخری وقت کو یاسین کا وقت کہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے عموماً بچے ابتداءً قرآن شریف پڑھتے ہیں ۱۲۔ ثابت حقیر

اب کس کی بامراد بڑھاؤ نگی ہنسلیاں　ہے ہے کرخت ہوگئیں یہ نرم انگلیاں
تیور بدل بدل کے پھراتے ہیں پتلیاں　لے لے کے اُلٹی سانس گراتے ہیں بجلیاں

باقی حواس پیاس سے معصوم کے نہیں
مُنہ میں انگوٹھے لیتے ہیں اور چوستے نہیں

اچھی عادتیں

رونا نہ جانتے تھے سدا مُسکراتے تھے　پھیلا کے ہاتھ گود میں سب کی یہ آتے تھے
خاطر سے میری جھولے میں یہ لیٹ جاتے تھے　جاتی تھی میں جدھر یہ اُدھر مُنہ پھراتے تھے

کس کی نظر لگی؟ کہ میں نظروں سے گر گئی
وہ چاؤ پیار اب نہ رہا۔ آنکھ پھر گئی

کمسن بہن اپنے چھوٹے بھائی کو یوں بہلاتی ہے:۔

ہر دم سکینہ سامنے بھائی کے آتی ہے　ہاتھوں میں لیکے اُنکے کھلونے دکھاتی ہے
سہلا کے ننھے تلوے یہ رو کر سُناتی ہے　من جاؤ بھائی جان سکینہ مناتی ہے

کُڑھتی ہیں اماں۔ آنکھ کو تم کھولتے نہیں
اللہ۔ ہم پکارتے ہیں۔ بولتے نہیں

(واقعات کا مرقع)

سر ننگے گرد جھولے کے سب کُنبہ ہے بہم　سہلا رہے ہیں سمٹے ہوئے پاؤں کو حرم
تکیہ پہ سر ڈھلا ہوا، رکھتے ہیں دم بدم　چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کبھی دیکھتے ہیں دم

قرآں کی ہوا۔ کبھی گھبرا کے دیتے ہیں
بانو۔ کو دیکھتے ہیں۔ تو مُنہ پھیر لیتے ہیں

آخر کہا یہ سب نے بُلاؤ۔ امامؑ کو　لاؤ خدا کے واسطے لاؤ۔ امامؑ کو
اس بے زباں کا حال سُناؤ۔ امامؑ کو　نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ۔ امامؑ کو

اچھی عادتیں

کمسن بہن کا بہلانا

واقعات کا مرقع

اکبرؑ کی لاش لے گئے ہیں قتل گاہ میں
کوئی پکار لو۔ وہ ابھی ہونگے راہ میں

حضرتؑ کے گوش حق نیوش میں بیبیوں کی آواز اُس وقت پہنچی ہے۔ کہ علی اکبرؑ کی لاش مقتل میں لٹا رہے تھے۔ حضرتؑ نوجوان بیٹے کی لاش سے یہ فرما کر رخصت ہوئے "اکبرؑ! تمہاری لاش کا خالق نگاہباں"۔

حضرتؑ لٹا رہے تھے وہاں لاشۂ جواں
خیمے سے جو بلند ہوئی بیووں کی فغاں
بولے کہ چھین بھائی کو بن بھائی کے کہاں
اکبرؑ تمہاری لاش کا خالق نگاہباں
ہم خیمہ گہ میں جاتے ہیں۔ اصغرؑ بلاتے ہیں
اُن کو بھی لا کے پاس تمہارے سُلاتے ہیں

خیمے میں امام حسینؑ کا آنا

خیمے میں حضرتؑ تشریف لائے۔ کس طرح؟

مُنہ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے
ماتم سرا میں گنج شہیداں سے شاہ آئے
جھولے پہ ہاتھ پکڑے ہوئے اہل بیت لائے
بچّے کے ہاتھ پاؤں ملا کر اُنہیں دکھائے
رو کر کہا۔ کہ سانس فقط آشکار ہے
سو اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

(تصویر)

بیٹھے سرہانے جھولے کے شبیرؑ سر جھکائے
اصغرؑ کے کان سے لب معجز نما ملائے
چُپکے سے کچھ کہا کہ وہ سُنتے ہی مُسکرائے
سُوئے حسینؑ ہاتھ بھی بیساختہ بڑھائے
بولی سکینہؑ بابائے مشکل کُشائی کی
اماں۔ مبارک۔ آنکھ کُھلی میرے بھائی کی

بچوں کے پیٹ میں بات نہیں پچتی۔ حضرت سکینہ (۴ سال کی دختر) سے نہ رہا گیا۔ بول اُٹھیں "اماں۔ مبارک۔ آنکھ کُھلی میرے بھائی کی"۔

بانو پکاریں۔ لونڈی کو صاحب! اجلا لیا ہاتھوں پہ لے چلے جو اُسے شاہ اتقیا
بولیں خدا نے سب کی دُعا سے کرم کیا سیدانیوں کے پاؤں پہ پھر سر کو رکھ دیا

لب پر تبسم آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں
ہم تم۔ کوئی نہیں۔ انہیں بابا ہی پیارے ہیں

ٹیپ کا یہ مصرع کیا قیامت ہے "لب پر تبسم آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں"۔ ٭

کیا آپ نے کہا؟ کہ جو چونکا یہ نیک ذات زینبؑ نے پوچھا شاہ سے اے فخر کائنات
اس بے زباں کے کان میں مَیں نے کہی یہ بات شہ بولے ان کے دادا ہیں حلّال مشکلات

چلتے ہو؟ پہلوئے علی اکبرؑ میں سونے کو
آتے ہو؟ میرے شیعوں پہ قربان ہونے کو

کیا لعل و دُر ہیں گنج شہیداں کو دیکھئے جھولے سے اٹھ کے قتل کے میداں کو دیکھئے
خنجر کے پھل کو۔ غنچۂ پیکاں کو دیکھئے لُوٹے ہوئے علیؑ کے گلستاں کو دیکھئے

یہ سُن کے میری گود میں جھولے سے آئے ہیں
مقتل کو شوقِ تیر میں منہ کو پھرائے ہیں

یہ حضرت بانو (مادر علی اصغرؑ) نے سُن لیا۔

بچّے سمجھ کے پانی بھی دشمن پلائینگے بانو پکاریں ان پہ تو سب رحم کھائینگے
پہلے اُنہیں کے آگے اِنہیں لیکے جائینگے شہ بولے جو نصیب میں ہوگا وہ پائینگے

ربط حرم سے خیالات

٭ لب پر تبسم آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں۔ واقعہ کی ایسی تصویر مختصر و دلچسپ مانی و بہزاد بھی تو نہیں کھینچ سکتے دیکھئے جس موقع پر واقعات کو مرزا مرحوم طول دینا چاہتے ہیں کس قدر پھیلاتے ہیں اصل واقعہ صرف اسقدر تھا۔ کہ علی اصغرؑ پیاس سے جھولے میں بیتاب ہوئے۔ امام مظلوم بیبیوں کے شور کی آواز سُنکر خیمہ میں آئے کچھ پڑھا۔ کان میں کچھ کہا۔ اور علی اصغر کو ہاتھوں پر اٹھا کر میدان کو لیگئے۔ اتنے سے مضمون کو مصنف خیالات کے ذریعے سے کس قدر پھیلا رہے ہیں۔ اور کیسے کیسے پہلو اور بات میں سے بات نکالے جاتے ہیں۔ جن خیالات کی طرف عام آدمی تو کیا عام شاعر کے بھی ذہن نہیں جاتے ۱۲ ثابت حقیر۔

خاطر سے ان کی۔ پانی کے سائل بھی ہوئینگے
انجام کار یہ ہے۔ کہ ہم ان کو روئیں گے

جب حضرت بانوؑ نے یہ سُنا۔ بیتاب ہو گئیں۔

بانوؑ نے دی قسم۔ کہ یہ فرمائیے نہیں
گذری میں ایسے پانی سے لیجائیے نہیں
اب دل مرا۔ نہ مانیگا۔ سمجھائیے نہیں
اصغر کو دیجئے۔ مجھے۔ رُلوائیے نہیں
شہ بولے۔ جھولے میں جو یہ مر جائیں کیا کرو
بہتر یہی ہے۔ راہ خدا میں فدا کرو

حضرتؑ جواب میں فرماتے ہیں:۔

اب تو ضرور جائینگے یہ رن میں جائینگے
پانی اگر ملیگا تو ان کو پلائینگے
جیتا خدا جو لائیگا ہم لے کے آئینگے
پر عمر ہی جو کم ہے تو کیونکر بڑھائینگے
بندے کا کچھ نہ زور۔ نہ کچھ اختیار ہے
مُختار موت و زیست کا پروردگار ہے

امام حسینؑ کا سمجھانا

حضرت بانو ماں ہیں۔ ماں کی محبت اللہ اللہ۔ لیکن امام صابر سمجھا رہے ہیں سمجھانے کے اثر کی تصویر دبیرؔ یُوں کھینچتے ہیں:۔

ماں کا بچے کو حضرت کے سپرد کرنا

سمجھانے پر حسینؑ کے۔ بانوؑ نے رو دیا
دیکھا فلک کو یاس سے اور سر جھکا لیا
لیکر بلائیں بیٹے کی پھر یہ بیاں کیا
واری سدھارو۔ خیر۔ جو مرضیٔ کبریا
دیکھوں۔ پھر آج گود میں کب تمکو لیتی ہُوں
اللہ و پنجتنؑ کی ضمانت میں دیتی ہُوں

المختصر

اصغر کو لے چلے جو شہنشاہ بحر و بر
مُڑ مُڑ کے اُس نے گنبدِ حسرت سے کی نظر
ننّھا سا ہاتھ ماتھے پہ رکھا جھکا کے سر
بانوؑ پکاریں پھیر کے مُنہ کو اِدھر اُدھر

لوگو مرا کلیجا نکلتا ہے تھام لو
اصغر سدھارتے ہیں۔ جہاں سے سلام لو

تصویر

ہاتھوں پہ لے کے اُس کو چلے شاہ کربلا اور ساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا
لکھا ہے۔ دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا اصغر پہ ماں نے ڈال دی اُجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پُر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا ماہتاب پر

حضرت علی اصغرؑ کو لے تو چلے۔ مگر غیرت اس خاندان پر ختم ہے سوال کی عادت نہیں۔ پانی کا سوال ننھے سے بچے کے لئے کیونکر مُنہ سے نکلیگا۔ یہ سوچتے جاتے ہیں۔ دبیرؔ اس حالت کو یُوں نظم کرتے ہیں:-

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبطِ مصطفٰے لے تو چلا ہوں۔ فوج عمر سے کہونگا کیا؟
لے پانی مانگ آتا ہے مجھ کو نہ التجا منّت بھی گر کرونگا۔ تو وہ دینگے کیا بھلا
پانی کے واسطے نہ سُنیں گے عدو مری
بچّے کی جان جائے گی اور آبرو مری

ایسے خیالات دل میں آتے جاتے ہیں۔ کہ

پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں
اصغر تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

سوال نہ ہو سکا۔ آخر ؎ آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں۔ اصغر تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں۔ اور پھر صراحت فرماتے ہیں۔ ع پانی کے تم سبھوں سے یہ امیدوار ہیں ملاحظہ

تصویر

خیالات راہ کی تصویر

واقعی حالت کی تصویر

ہو" یہ امیدوار ہیں"۔ لیکن یہ تو بعد کو فرمایا ہے۔ پہلے اس سے بچّے کی بے قراری کی تصویر بوجہ پیاس کے یوں کھینچی ہے :۔

بچّے کی بیقراری

ماں نے بہت گلے سے لگایا نہ چپ ہوئے
گہوارے میں پھوپھی نے جھلایا نہ چپ ہوئے
بہنوں نے گودیوں میں کھلایا نہ چپ ہوئے
رو رو کے سارے گھر کو رلایا نہ چپ ہوئے

واں اشکبار تھے۔ تو یہاں بے قرار ہیں
پانی کے تم سبھوں سے یہ اُمّیدوار ہیں

دبیرؔ کا قلم رفتہ رفتہ اصل مدّعا کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرتؑ کی زبان پر یہ الفاظ آ ہی گئے :۔

امامؑ کا فرمانا

گر میں بقولِ شمر و عمر ہوں گناہ گار
یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
ششماہا۔ بے زباںؔ۔ نبی زادہ۔ شیر خوار
ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار

سن ہے جو کم۔ تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے۔ اور یہ مظلوم زادہ ہے

اس کی ماں کا دودھ بوجہ پیاس کے خشک ہو گیا ہے۔ اس کو کنایۃً یوں بیان کیا ہے۔ سے

ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار۔ اور علی اصغرؑ کے سن اور ان کے بے خطا ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :۔

علی اصغرؑ کا سن اور بے خطا ہونا

جز شیر اور کچھ نہیں ان کی غذا ابھی
نے گھٹنیوں چلے ہیں نہ مکتب ہوا ابھی
بابا کا نام بھی نہیں منہ سے لیا ابھی
یہ تو ہر ایک دین میں ہیں بے خطا ابھی

کیا کام ان سے بغض ہے تم کو اگر مرا
جانو خدا کا بندہ نہ سمجھو پسر مرا

معصوم کو بچّہ سمجھ کر اس پر رحم کھاؤ۔ یہ پیاسا معصوم بچّہ کون ہے :۔

یہ کون بے زباں ہے؟ تمہیں کچھ خیال ہے
دُرِّ نجف ہے۔ بانوئے بیکس کا لال ہے